709
उर्दू संग्रह
पुस्तक का नाम तारीख़ यौरप
जिल्द अव्वल
लेखक मौलवी अब्दुल माजिद साहब B.A
प्रकाशन वर्ष 1932
आगत संख्या 709

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

(انٹرمیڈیٹ کے لیے)

تاریخ یورپ

(حصہ اول)

مصنفہ

آلیور تھیچر صاحب پی ایچ۔ ڈی۔ اور فرڈیننڈ شیول صاحب پی ایچ۔ ڈی

جس کو

مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے نواب حیدر یار جنگ بہادر اور قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے
نے اردو میں ترجمہ کیا۔

سنہ ۱۳۴۰ھ سنہ ۱۳۳۱ف سنہ ۱۹۲۲ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہہ کتاب مسسز چارلس اسکربنرس سنس کی اجازت سے
اُردو میں ترجمہ کرکے طبع و شایع کی گئی ہے

فہرست مضامین

تاریخ یورپ حصۂ اوّل۔

دور متوسط

دورِ متوسط

مُقدّمہ

زمانہ تاریخی کی تقسیم، سہولت بیان کی غرض سے عموماً دورِ قدیم، دورِ متوسط، دورِ جدید، کے تین دوروں میں کی جاتی ہے، اور اکثر ان میں سے ہر دور کا آغاز و اختتام بھی بقید سنہ و سال متعین کردیا جاتا ہے۔ پھر ان ادوار کی تقسیم در تقسیم کی جاتی ہے، اور ان میں سے ہر زمانہ کو ایک خاص لقب سے موسوم کردیتے ہیں۔ اگرچہ یہ طریقہ بالکل درست ہے اور اس میں سہولت مدِ نظر ہے، تاہم اس قسم کی قطعی تقسیم و تجزی سے اکثر ذہن میں تاریخ کا ایک بالکل غلط مفہوم پیدا ہوجاتا ہے، خصوصاً مبتدیوں کے ذہن میں۔ اس لئے کہ مورخین کا یہ مستحکم ترین عقیدہ ہے کہ تاریخ میں خاص تسلسل پایا جاتا ہے اور اس کی رفتار میں کبھی انقطاع ہوتا ہی نہیں۔ ہر قرن اپنے قرنِ مابعد

کا مقدمہ یا تمہید ہوتا ہے۔ ہر قرن دوسرے میں اس قدر غیر محسوس طور پر اور اس آہستگی کے ساتھ داخل ہوجاتا ہے، کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی، کہ اس وقت ایک قرن ختم ہوگیا، اور دوسرے کی ابتدا ہوئی۔ بعض حوادثِ عالم کے متعلق ہم یہ کہ ضرور دیتے ہیں کہ ان سے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا، تاہم ان کی پوری اہمیت اور ان کے پورے اثرات کی طرف اس وقت کسی کی بھی نظر نہیں جاتی، اور یہ مہتم بالشان حوادث بھی نہایت ہی خاموش و تدریجی طریقہ پر رفتار عالم میں تغیر اور آئین قدیم میں ترمیم کرتے رہتے ہیں۔ دنیا میں کبھی بھی کوئی انقلاب دفعتہً نہیں ہوتا۔

باایں ہمہ تاریخ کی یہ تقسیمِ دوری صحیح ہے، اس لئے کہ زمانہ کا مذاق بدلتا رہتا ہے، اور اس لئے ہر عہد بہ لحاظ اپنے خصوصیات کے دوسرے سے متمائز ہوتا ہے، البتہ ان تقسیمات کے وقت دو غلطیوں سے بچتے رہنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ آغاز و اختتام کا تعین کسی خاص سنہ و تاریخ سے محدود کردینا درست نہیں دوسرے یہ کہ ہر دور میں کئی کئی مذاق رائج و شامل رہتے ہیں، مذاق غالب کو یہ سمجھ لینا کہ صرف وہی اس دور کا مذاق ہے صحیح نہیں۔ کسی دور کی زندگی تنہا ایک ہی مذاق پر مشتمل نہیں ہوتی۔ یورپ کی تاریخ کئی صدیوں سے ایسی جامع حیثیات سے چلی آرہی ہے کہ اس کا مطالعہ تمام تر ایک ہی زاویۂ نگاہ سے کرنا ممکن نہیں۔

" ازمنہ وسطیٰ " و " دور متوسط " کی اصطلاحات سہولت بیان کی غرض سے رائج ہیں۔ چوتھی صدی میں وحشی قبائل کے حملے وسیع پیمانے پر شروع ہوئے، اور اُن سے جو اہم تبدیلیاں پیدا ہوئیں، وہ اس " دور متوسط " کا آغاز ہیں۔ اس کے اختتام کا زمانہ متعین کرنا ایسا آسان نہیں، تاہم سنہ ۱۴۵۰ء سے سنہ ۱۵۵۰ء تک کا زمانہ ایسا ہوا ہے، جس میں ایسی تحریکات عظیمہ (جیسے کہ انقلاب مذہبی) واقع ہوئی ہیں، جن سے سارے مغربی یورپ نے اثر قبول کیا ہے، اور یہ اثر متعدد اہم تغیرات کا باعث ہوا ہے، مثلاً یورپ میں مطلق العنانی کا نشوونما، متعدد ممالک کی طرز حکومت میں انقلاب، علم سیاسیات کی ابتداء، بین الاقوامی تعلقات میں تکثیر و تنوع، اور تجارت و کاروبار کا پھیلاو۔ اس بناء پر قرون وُسطیٰ کے اختتام کا بھی زمانہ قرار دینا مناسب ہے۔ کم از کم اس درمیانی وقفہ میں یہ تو محسوس ہو ہی رہا تھا، کہ قدیم خصوصیات کا چل چلاؤ ہے، اور جدید خصوصیات کا اُبھار۔

قرون وسطیٰ میں جو جو تغیرات ہوئے۔ اس کے اندازہ کرنیکا بہترین طریقہ یہ ہے، کہ چوتھی صدی کے یورپ کا نقشہ سولھویں صدی کے نقشہ سے مقابلہ کیا جائے۔ اور اگر انیسویں صدی کا نقشہ پیش نظر ہو، تو اس تقابل کی حقیقت اور زیادہ واضح ہوجائیگی۔ اس موازنہ سے یہ نظر آجائے گا، کہ جملہ تغیرات کو چار عنوانوں کے تحت میں رکھ سکتے ہیں۔ تغیرات (۱) سیاسی۔ تغیرات (۲) لسانی۔ تغیرات (۳) مذہبی، و تغیرات (۴) تمدنی

پہلے نقشہ میں صرف بڑی تقسیمیں نظر آئینگی، سلطنت روما اور قبائل وحشی۔ دوسرے نقشہ میں وحشی قبائل معدوم ہیں۔ سلطنت روما بھی گو قائم ہے لیکن بالکل برائے نام، اور اپنے تمام پچھلے تغیرات سے مُعرّیٰ۔ البتہ ان دونو کے بجائے متعدد جداگانہ و مستقل قومیں آباد ہیں، اور مختلف سلطنتیں قائم ہیں۔ ایسے مواقع پر ازخود یہ سوالات ذہن میں آتے ہیں، کہ سلطنت روما کا کیا حشر ہوا؟ وحشی قبائل کہاں چلے گئے؟ یہ نئی حکومتیں کیونکر پیدا ہوگئیں؟ ان جدید اقوام کا کیونکر آغاز ہوا؟

لسانی حیثیت سے بھی دونوں کے نقشوں کے تغیرات کچھ کم اہم نہیں۔ ابتداءً یورپ میں صرف یونانی و لاطینی زبانیں رائج تھیں۔ وحشی قبائل کی غیر شستہ بولیاں نہ کبھی زباں کے مرتبہ پر رکھی گئیں، اور نہ اُن سے کوئی علمی کام نکل سکتا تھا۔ لیکن سولھویں صدی میں وہی وحشیوں کی بولیاں السنۂ علمی کے مرتبہ پر ممتاز ہوگئیں، یونانی زبان صرف ایک مخصوص خطہ کے اندر، اور لاطینی صرف تعلیم یافتہ جماعت تک، محدود رہ گئی۔

مذہبی معیار سے عظیم الشان انقلابات واقع ہوگئے۔ چوتھی صدی کی ابتدا میں یورپ کا عام مذہب شرک و بُت پرستی تھا۔ مسیحیت بھی شائع ضرور تھی، مگر وہی ایک مختصر گروہ کے اندر سولھویں صدی میں کم از کم ظاہری طور پر تو شرک کا

خاتمہ تھا۔ بجائے اس کے نصرانیت کی دو شاخیں (کلیسائے رومی) (کلیسائے یونانی) عام طور پر شائع تھیں اور ایک تیسری صنف (پروٹسٹنٹ ازم) بھی صبح و شام پیدا ہونے والی تھی۔ مسیحیت کے علاوہ کچھ حصہ یورپ کا اسلام کے بھی زیر نگیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ یورپ کے وحشیوں نے دین مسیحی کیونکر قبول کرلیا؟ مسیحیت کی یہ مختلف شاخیں کیونکر پھوٹیں؟ کلیسائے یونانی کو کلیسائے رومی سے کس شئے نے علیحدہ کردیا؟ اسلام کی اصلیت کیا ہے؟ اس کی تعلیمات و خصوصیات کیا کیا ہیں؟ اس کا آغاز و نشو و نما کیونکر ہوا؟ یورپ پر اس کے شیوع کا کیا اثر ہوا؟ اسلام و مسیحیت میں کس قسم کے تعلقات رہے ہیں؟

تمدنی اعتبار سے دیکھئے تو بھی ایسے ہی اہم تغیرات نظر آئینگے۔ تمدن کی رفتار دریائے راین و ڈینوب کو عبور کرچکی تھی، اور یہ ظاہر ہو رہا تھا، کہ اس کا مرکز عنقریب جنوب سے شمال کو منتقل ہوا چاہتا ہے۔ اٹلی، اسپین، و جنوبی فرانس سولھویں صدی میں بھی رفتار ترقی میں سب سے آگے تھے، تاہم یہ بھی صاف نظر آرہا تھا کہ انگلستان، جرمنی، و شمالی فرانس کے ہاتھ میں عنقریب صنعت و حرفت، علم و فن، حکمت و ادب، غرض جملہ عناصر تمدن کی باگ آیا چاہتی ہے۔ اس موقع پر پھر یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ یورپ نے یونان و روما سے کیا کیا اکتساب کیا؟ یہ اکتساب نسلاً بعد نسلٍ کیونکر منتقل ہوتا رہا؟ اور اس پر کیا کیا اضافے ہوتے رہے؟ وحشیوں پر

یونانیوں و رومیوں کے علم و ادب ، صنائع ، تعمیرات ، قوانین ، رسم و رواج ، و طرز معاشرت کا کیا کیا اثر پڑا ؟ مختلف وحشی قبائل سے وقتاً فوقتاً کیا کیا جدید تحریکات حاصل ہوتی رہیں ، جو ارتقاء تمدنِ یورپ میں بہ طور عناصرِ ترکیبی کے داخل ہیں ؟

یورپ کی موجودہ سلطنتوں کا زمانۂ ولادت یہی دور متوسط ہے۔ آئندہ صفحات میں ان مضامین پر گفتگو ہوگی - کہ سلطنت رومہ نے زوال و حیات ثانیہ کے کیا کیا مراتب طے کئے ؟ اختلافِ قومیت کے مٹانے اور سارے یورپ کو ایک کر دینے کے متعلق اسکی کوششیں کیسے ناکام رہیں ؟ اس کے جدید رقیب پاپائیت سے اس سے کیسی کیسی شدید معرکہ آرائیاں رہیں ، اور پھر آخرکار دونوں کیونکر معدوم ہوگئے ؟ وحشی قبائل کہاں کہاں گشت لگاتے اور قتل و غارت کرتے پھرے ؟ اور پھر کیونکر رومہ سے آہستہ آہستہ تمدن کا سبق لے کر اونھوں نے جدید حکومتیں قائم کیں ؟ ان میں رفتہ رفتہ کیونکر قومیت کا احساس پیدا ہوا ؟ کیونکر ان کی قومی خود داری ترقی کرتی رہی ، کس استقامت کیساتھ اُنھوں نے سلطنت و پاپا دونوں کی مداخلت و دست اندازی کا مقابلہ کیا ؟ اور کس کس طرح بالآخر تمام بیرونی دست اندازیوں سے آزاد ہوکر اُنھوں نے اپنی خود مختارانہ حکومتیں قائم کی ہیں - اور مختلف قوموں و سلطنتوں کے قیام کے ساتھ ان کی مختلف بولیاں جو مستقل زبانیں بنتی گئی ہیں ، اُن کا بھی ضمناً ذکر آجائیگا۔ اسی طرح مسیحیت کی ترویج و شیوع ، اور اس کے دو مخصوصات

یعنی خانقاہیت و پاپائیت کا بیان ہوگا۔ مغرب کے راہبوں کا باشندگانِ یورپ کے مسیحی و متمدن بنانے میں نہایت ہی اہم حصہ رہا ہے، اور رومہ کے پادری جو اپنے تئیں صرف پطرس ہی کا نہیں بلکہ قیاصرہ رومہ کے نائب بھی سمجھتے تھے، دینی و دنیوی اقتدارات کے یکساں مدعی تھے۔ اسی بناء پر قرون وسطی کی تاریخ میں کلیسا کا نمایاں حصہ ہے۔

اسلام کچھ عرصے تک یورپ میں بھی مسیحیت کا زبردست حریف رہا ہے۔ اس کا مطمح نظر تمام دنیا کو مسخر کرنا تھا۔ اس نے یورپ میں اپنے قدم مستحکم طور پر جمانے کی بار بار پُر زور سعی کی۔ مسئلہ مشرقی کچھ نو پیدا نہیں ہے۔ اس کا وجود قرون وسطی میں بھی تھا، چنانچہ یورپ پر مسلمانوں کے حملے اور مسیحیوں کے جوابی حملے (یعنی محاربات صلیبی) یہ سب اسی تاریخ کے ابواب ہیں۔

وحشی قبائل جب رومہ پر حملہ آور ہوکر یہیں بس گئے، تو ان پر رومہ کا بہت اثر پڑا۔ انہوں نے گو برباد و غارت بھی بہت کچھ کیا، تاہم انہوں نے تحصیل و اکتساب بھی بہت کیا۔ یونانی و رومی تمدن کے عناصر حقیقی بعینہٖ باقی رہے، ان کے قوانین، ان کے نتائج فکر، یہ سب فاتحین نے جذب کرلئے۔ صفحات آئندہ سے معلوم ہوگا، کہ رفتہ رفتہ سارا یورپ اس ترکہ پر کیونکر متصرف ہوگیا، اور تمدن کیونکر ترقی کرتا رہا۔

دور متوسط کی تاریخ انہی مسائل پر مشتمل ہے۔ اوراق آئندہ

میں ان سب پر گفتگو ہوگی، مگر اس کے قبل دو عنوانوں پر تمہید اً روشنی ڈالنا ضروری ہے، اور یہ دو عنوان خود یورپ کا جغرافیہ اور یہاں کے باشندے ہیں -

(۱) یورپ کی شکل کا اس کی تاریخ پر بڑا اثر پڑا ہے، اس لئے اس کے پہاڑوں، میدانوں، ساحلوں، اور دریاؤں، اور اس کی آب و ہوا سے واقفیت ضروری ہے -

پہاڑ مشرق میں ایشیا و یورپ کے ٹھیک حدِ فاصل پر کوہ یورال ہے - ادہر سلسلہ کوہ **قفقاز**، **بحر اسود** و **بحر قزوین** کے مابین واقع ہے، ان دونوں سلسلوں کے وجود کا یہ نتیجہ ہے، کہ یہ مشرق و مغرب کے درمیان آسانی سے آمد و رفت کے حق میں حائل ہوگئے ہیں اور اس لئے، سیاحوں، تاجروں، اور حملہ آور فوجوں کے لئے صرف چند مخصوص راستے کھلے رہ گئے ہیں۔ یہی کیفیت جنوب میں کوہ **آلپس و پیرینیز** کے سبب سے پیدا ہوگئی ہے انہوں نے شمال و جنوب کے باشندوں کے میل جول کو روک رکھا ہے اور ان کے سبب سے ایک حکومت کے ماتحت ان دونوں کو رکھنے کی ابتک تمام کوششیں ناکام رہی ہیں - ان کے گردونواح جو قومیں آباد ہیں، ان کی تفریق و تنوع، شیوع، اور نشو و نما میں بھی ان کا خاص حصہ ہے - ان کے درّے بہت کم اور دشوار گزار ہیں، جس کے باعث سفر اور ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت آسانی سے ممکن نہیں، اور اس لئے ہر قوم اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی خصوصیات پر قائم ہے - ان پہاڑی

سلسلوں نے بڑے ممالک سے قطع نظر کرنے) چھوٹے چھوٹے خطوں میں بھی اُن قوموں میں برابر تفریق و اختلاف قائم رکھا ہے، جن کے مابین اور ہر حیثیت سے اتحاد و امتزاج کے عناصر موجود ہیں۔ اس کا نمایاں اثر **اسکنڈینیویا، جرمنی، آسٹریا،** اور اس سے بھی بڑھ کر جزیرہ نما **بلقان، اٹلی، اسپین،** و **پرتگال** میں نظر آتا ہے۔ اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں، کہ اِن ممالک کے پہاڑوں نے ان کی حکومتوں کو اب تک نہایت پیچیدہ بنا رکھا ہے۔ اور مغربی یورپ میں وسیع سلطنتوں اور حکومتوں کے قیام میں سخت سدّراہ ہو رہے ہیں۔

میدان مغرب کے برخلاف، وسطی حصوں میں بڑے بڑے میدانوں کے وجود سے قوموں کے اتحاد و یک جہتی اور وسیع سلطنتوں کے قیام میں بڑی آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ یہاں کے مقامی حالات کے لحاظ سے یہاں کے باشندوں کے عام پیشے شروع سے گلہ بانی، و زراعت وغیرہ رہے ہیں۔ جب تک آبادی کم تھی، ان کے خانہ بدوش قبائل متفرق طور پر ادھر اُدھر پھرتے رہے، لیکن جب آبادی گنجان ہوئی، تو بہ آسانی یہ سب اکٹھے ہوئے، اور سیاسی، معاشرتی، و مذہبی موثرات سب پہ یکساں عمل کرنے لگے۔

سواحل ساحلی حیثیت سے یورپ خود ایک جزیرہ نما ہے، جس کے اندر بھی دُور دُور تک سمندر درآیا ہوا ہے۔ اس کے دو بڑے اندرونی سمندر (یعنی بحر روم، و بحر بالٹک)

اپنے سکون اور طوفان خیز نہ ہونے کے لحاظ سے تجارت کے بہترین مواقع رکھتے ہیں۔ یہیں سے یہ بات نکلتی ہے، کہ یورپ کے ابتدائی تجارتی مرکز انہیں دونوں سمندروں کے سواحل رہے ہیں۔

دریا گویا آمد و رفت میں سہولت ہی کی غرض سے یورپ میں شمال سے جنوب کی جانب بہتے ہوئے کثرت سے دریا ہیں، جو قرون وسطیٰ میں سفر و تجارت دونوں کے وسائل کا کام دیتے تھے۔ رائن، اور فرانس کے دیگر دریا باہم دگر اور رون اور اس کے معاون دریاؤں سے ملے ہوئے ہیں، اسی طرح رائن، مین، البے، اوڈر، ڈینوب سے مل گئے ہیں، اور پھر وسچولا، نیمن، اور ڈون، نیسٹر، نیپر، ڈون، اور وولگا ہے۔ گویا یوں فطرت نے یورپ میں آمد و رفت کی راہ میں بہت سہولت پیدا کردی ہے۔ اگر دریاؤں کا نظام اس کے برعکس ہوتا، تو اسی کے مطابق یورپ کی تاریخ پر بھی کچھ اور ہی اثر پڑتا۔ خصوصاً جو مقامات دریاؤں کے دہانہ پر واقع ہیں، انہیں ترقی و تجارتی نشو و نما کے تو خاص مواقع حاصل ہیں۔ چنانچہ پرتگال، ہالینڈ، و بلجیم کا مستقل قومی وجود ایک حد تک اسی امر کا نتیجہ ہے کہ یہ ممالک بڑے دریاؤں کے دہانے پر واقع ہوئے ہیں۔

آب و ہوا ملک کے باشندوں پر اس کی آب و ہوا کا اثر متعدد حیثیات سے ہوتا ہے۔ شمال کے طویل و شدید موسم سرما نے وہاں کی زندگی کو بہ مقابلہ جنوب کے بہت دشوار بنا دیا ہے، جہاں فطرت بغیر کسی خارجی اعانت

کے ہر شئے کا سامان کردیتی ہے۔ اسی طریقہ پر لوگوں کے عادات و خصائل، لباس، تعمیرات، و معاشرتی زندگی سب یورپ کے مختلف مقامات کی مختلف آب و ہوا سے متاثر ہوئے ہیں۔

باشندے تیسری صدی میں رومی شہنشاہی کے حدود مغرب میں بحر اوقیانوس، مشرق میں دریائے فرات، جنوب میں صحرائے اعظم اور شمال میں دریائے ڈینوب مین وراین تک پھیلے ہوئے تھے۔ برطانیہ کا بھی اس میں شمول ہوگیا تھا۔ لیکن چونکہ سنہ مسیحی کے آغاز سے شہنشاہی کے حدود میں توسیع نہیں کی گئی، اس لئے کہ سرحدوں کی حفاظت روز بروز دشوار ہوتی جاتی تھی، آئندہ سلاطین نے ملک گیری و بیرونی فتوحات کا خیال ترک کردیا۔

رومہ اقوام کو متمدن کردیتا تھا اس عظیم الشان شہنشاہی کے اندر مختلف اقسام کے لوگ آباد تھے، جو نسل، زبان، رسم و رواج، مذہب، ہر شئے میں باہم مختلف تھے۔ رومہ کا اصول سلطنت یہ تھا کہ اس کی رعایا جوں جوں صلاحیت حاصل کرتی جاتی تھی، وہ اپنے تمدن کا جامہ اسے پہناتا جاتا تھا۔ کوئی نیا صوبہ جونہی مسخر کیا جاتا، اس کے باشندوں میں رومیت پیدا کرنے کی کوشش شروع کردی جاتی۔ رومیت و تمدن آفرینی کا یہ عمل ۲۱۲ء میں تقریباً ختم ہوگیا، جب شہنشاہ کریکلا نے یہ فرمان جاری کردیا کہ ملک کے تمام آزاد باشندوں کو رومہ کے شہری حقوق حاصل ہیں۔ مختلف

صوبوں کے باشندوں میں بے شبہ سخت اختلافِ مراتب تھا، تاہم یہ سب کے سب رومی تمدن کے عناصر سے آشنا تھے، اور چونکہ رومیت پیدا کرنے کے موثرات و عوامل کثرت سے تھے، یہ سب اسی جانب بڑھ رہے تھے، جہاں تک خود رومہ پہنچ چکا تھا۔

باشندوں کے طبقات

ملک کے باشندے چار طبقوں میں تقسیم تھے، غلام، عوام، شرفا، و عمائد۔ لیکن ان میں خود اندرونی طور پر بہت فرقِ مدارج قائم تھا۔

غلام

غلاموں کی حالت تدریجاً بہتر ہورہی تھی۔ ملک میں یہ عام دستور ہوگیا، کہ ان کو بھرتی کرکے کسی زمین سے منسلک کردیتے، جس سے یہ علیحدہ نہ ہوسکتے، اور جس کے ساتھ یہ بھی خرید و فروخت ہوتے رہتے۔ اس کے علاوہ آقاؤں کو ان کی جان لینا، یا انہیں ان کے بیوی بچوں سے جدا کرنا ممنوع ہوگیا تھا۔

عوام

عوام کے طبقے میں عام آزاد افراد شامل تھے، خواہ چھوٹے معافی دار ہوں، خواہ دکاندار، یا مزدور، یا اہل حرفہ معافی داروں کی تعداد کم ہوتی جاتی تھی، ان کی معافیاں اضافۂ ٹیکس کے سبب سے بیکار ہورہی تھیں، اور وہ یا تو پٹہ دار بنتے جاتے تھے، یا شہروں کو بھاگ رہے تھے۔ شہروں اور قصبوں کے اکثر باشندے جن پر عوام کا اطلاق ہوتا، آزاد تھے لیکن اُن کے کوئی سیاسی حقوق نہ تھے۔

شرفا جن لوگوں کے پاس ۲۵ ایکڑ زمین ہوتی تھی، وہ شرفا کہلاتے تھے۔ ٹیکس کی تحصیل ان کے ذمہ تھی، اور عہدہ دار یہی ہوتے تھے۔

عمائد عمائد کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا جاتا تھا، اسلئے کہ لوگ اس طبقے میں برابر شہنشاہ کی عنایت سے شریک کئے جاتے تھے۔ یہ اعزاز موروثی ہوتا تھا۔ ان کے پاس سب سے زیادہ قطعات اراضی تھے، اور اس لئے یہ ملک میں سب سے زیادہ متمول تھے۔ ان کے ساتھ مخصوص رعایتیں جوں جوں بڑھتی جاتی تھیں، شرفا کی حالت زبون ہوتی جاتی تھی۔

ٹیکس فوج، دربار، اور کثیر التعداد صیغہ دار ملازموں کیلئے جو دفتری طرز حکومت کے لئے لازمی ہوتے ہیں، بادشاہ کو بہت روپیہ کی ضرورت رہا کرتی تھی، اس کے لئے طرح طرح کے ٹیکس نکالے گئے۔ یہ ٹیکس اشخاص، زمین، تجارتی مصنوعات نئی جائداد کے وارثوں، نو آزاد غلاموں، اور تاجروں کی مقدار فروخت سب پر عائد ہوتے تھے۔ پلوں، سڑکوں، گھاٹوں، شہر پناہ کے پھاٹکوں، سب پر چنگی لی جاتی تھی۔ پھر ان سب کے علاوہ کچھ مخصوص ٹیکس بھی تھے مثلاً فوج کے لئے رسد، لباس، و مکانات کی بہم رسانی؟ شاہی ضروریات کے لئے گھوڑوں کی بہم رسانی، اور سڑکوں، پلوں، اور عبادت گاہوں کی مرمت، وغیرہ۔ سب سے بڑھکر خود عمال کی بد دیانتی تھی، جو اکثر گراں قدر سرکاری رقوم سے

بھی کہیں زیادہ وصول کر لیتے تھے۔

ان حالات کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ملک دیوالیہ ہو جائے۔ اوّل اوّل یہ مصیبت شہروں پر آئی۔ اور چونکہ عمائد، اہل فوج، اہل کلیسا، و اساتذہ خطابت، اکثر ان ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے اس لئے سارا بار شرفا کے سر آپڑا اور چونکہ وصول کی ذمہ داری انہیں پر تھی، اس لئے انہیں جبر و تعدی سے کام لینا پڑا۔ بالآخر جب یہ لوگ بھی دیوالیہ ہو گئے اور مزید ٹیکس نہ دے سکے۔ تو انہوں نے اس طبقہ سے نکلنا چاہا۔ بعض ان میں سے عمائد کے درجہ تک پہنچ گئے۔ مگر اکثر یا تو غلام بن گئے یا فوج یا کلیسا میں داخل ہو گئے۔ شہنشاہوں نے یہ حالت دیکھ کر اسے روکنا چاہا، اور جس شریف کو گرفتار کر لیا، اسے پھر اپنی اصلی حالت پر رہنے کو مجبور کر دیا۔ اب شرفا کے لئے اپنے مرتبہ کا تغیر قانوناً ممنوع قرار پا گیا، لیکن بایں ہمہ بہتوں نے اپنی اراضی کسی امیر ہمسائے کے حوالہ کر دی، اور پھر اس سے اسی اراضی کیلئے پٹہ حاصل کیا، اور بعض خدمات کا وعدہ کیا۔ یہ شئے زمانۂ مابعد کی جاگیرداری سے بالکل مشابہ تھی۔

چوتھی صدی عیسوی میں گال (یعنی فرانس) اور برطانیہ پر کلٹ قابض تھے۔ مسیح سے چار پانچ صدی قبل یہ مشرق میں دہاں تک پھیلے ہوئے تھے، جس کی شمالی سرحد دریائے ڈسر ہے۔ اور وسطی یورپ کا بہت سا علاقہ انہیں کے قبضے میں تھا۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے، کہ لفظ بوہیمیا

ماخوذ ہے بوئی سے، جو کلٹی باشندوں کا نام تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جرمنوں کے مقابلے میں کلٹوں نے پسپا ہونا شروع کیا، تا آنکہ دریائے راین دونو کے درمیان حد فاصل رہ گئی۔ کلٹوں کی کوئی ایک متحد قوم نہ تھی، بلکہ یہ لوگ مختلف قبائل میں تقسیم تھے ہر قبیلے کی علیحدہ حکومت تھی، جو خواص پر مشتمل رہتی تھی۔ رعایا کے ساتھ مثل غلاموں کے برتاؤ ہوتا تھا، اور حکومت میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ امرا کے دو حصے ہوتے تھے دینی و دنیوی۔ امرائے مذہبی کے لئے ڈروِیڈ کا لقب تھا، جن کے ہاتھوں تمام قربانیاں انجام پاتی تھیں، اور جن کے ہاتھ میں تمام معاملات کا آخری وقطعی فیصلہ رہتا تھا۔ ان کی زبان قانون تھی، جس کی خلاف ورزی سے اس شخص سے تقریباً بالکل مقاطعہ کرلیا جاتا یہ بہت سے دیوتاؤں کو مانتے تھے اور ان کی آگے انسانی قربانیاں کرتے تھے۔

کلٹوں کے جسم نہایت بلند بالا و مضبوط و خوبصورت ہوتے تھے، جیساکہ رومہ کے مشہور مجسمہ "لب مرگال" سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ لوگ بڑے بہادر و جری لڑنے والے تھے، اور موسیقی کے شائق، خصوصاً اس جنگی موسیقی کے جس کے ساتھ یہ میدانِ جنگ میں جاتے تھے، خطیبانہ تقریروں سے یہ بہت متاثر ہوتے تھے، اور شعر و سخن کے رسیا تھے۔ ان کی زبان بہت ترقی یافتہ اور ہر قسم کے اظہار خیالات و جذبات کی متحمل تھی۔ شوخ و خوشنما رنگ انہیں بہت پسند تھے، لیکن

بجائے جذبات و احساسات میں پائیداری کے ان کی اصل شہرت ان کی زندہ دلی کے باب میں تھی۔ ان کی طبیعتیں، شوخ، چلبلی، اور بیچین تھیں اور اپنے سرداروں کے ساتھ یہ انتہائی خلوص و عقیدت رکھتے تھے۔ ساتھ ہی اُن میں تلوّن بھی تھا، اور مصیبت کے بعد بہت جلد بد دل ہوجاتے تھے۔ قرون وسطیٰ کی ابتدا میں گال و برطانیہ جن کلٹوں کے زیر نگیں تھے، وہ گویا بالکل رومی ہوگئے تھے، اپنی زبان بھلاکر انھوں نے لاطینی اختیار کرلی تھی، اور ان کے اکثر شہر ایسے تھے جن میں رومی مذاق کے موافق مندر، حمام، تھئیٹر وغیرہ ہر شئے موجود تھی، البتہ آئرلینڈ، ویلز، و اسکاٹ لینڈ کے کلٹ اب تک بدستور وحشی تھے، اور رومہ کے دشمن۔

قرون وسطیٰ کی ابتدا میں جرمن، اسکینڈ بنیویا اور تقریباً تمام علاقۂ مابین راین و وسچولا و ڈینوب پر قابض تھے۔ سنرر و ٹیکٹیس کے زمانہ سے، جو جرمن مصنفین ہیں سب سے پہلے شخص ہوئے ہیں، جنھوں نے جرمنوں پر توجہ کی، اب ان لوگوں کی حالت بہت کچھ تبدیل ہوگئی تھی۔ بعض قبائل نے اپنی سکونت بدل دی تھی، نئے نئے قبائل پیدا ہوگئے، جو نئے نئے ناموں سے موسوم ہوگئے تھے۔ گوتھوں نے وسچولا کو چھوڑکر علاقہ مابین بحر اسود و جنوبی ڈینوب میں توطن اختیار کرلیا تھا اور دوسرے قبائل بھی اسی جانب نقل و حرکت کررہے تھے۔ جرمن و دیگر قبائل شہنشاہی کی ساری شمالی سرحد پر فراہم ہورہے تھے،

اور بربری یورش کا خطرہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔

ٹیکیٹس کہتا ہے۔ کہ جرمنوں کی تین بڑی تقسیمیں تھیں، ایک انگیوونس، جو سمندر کے متصل رہتے تھے، دوسرے ہرمیونس، جو وسط میں رہتے تھے، اور تیسرے اسٹیوونس، جو باقی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اب تینوں قبیلوں کے نام علی الترتیب فرینگ ایلامنی، وسیکسن، ہوگئے تھے۔ لیکن ٹیکیٹس کے بتائے ہوئے قبائل تمام جرمنوں پر مشتمل نہ تھے، بلکہ یہ صرف وہ لوگ تھے، جو مغربی جرمن کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ شمال میں ڈین، ناروے جی و سویڈی تھے، اور مشرق میں گوتھ، ونڈال، وغیرہ۔

جرمنوں کا نظام حکومت جمہوری تھا۔ ملک کے عناصر ترکیبی یہ تین تھے:۔ کل قبیلہ، ضلع، موضع موضع کے متعلق تمام امور کا تصفیہ موضع کی پنچایتوں میں ہوتا تھا، جس میں تمام آزاد اشخاص شریک ہوتے تھے، اور اسی طرح ضلع و قبیلہ کے معاملات کا فیصلہ ضلع و قبیلہ کے مجالس شوریٰ کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ معاشرتی حیثیت سے باشندوں کے تین درجہ تھے، اُمرا، شرفا، و غلام۔ امرا کو کچھ زیادہ حقوق حاصل تھے، لیکن مجلس شوریٰ میں امیر و شریف کی رائے مساوی وزن رکھتی تھی۔

جرمنوں میں ایک دستور یہ بھی تھا، کہ بڑے بڑے آزمودہ کار سورماؤں کے گرد، جو استادی کے مرتبہ پر پہنچے ہوتے تھے، نوجوانوں کی ایک جماعت بہ طور شاگردوں کے لگی رہتی تھی، جو ہر مہم و ہر معرکہ میں ساتھ رہتی۔ جس استاد کے جتنے زیادہ شاگرد ہوتے،

اسی قدر اس کے لئے باعث فخر و امتیاز ہوتا، اور اس کی شان و اقتدار میں اضافہ ہوتا۔ استادی و شاگردی کا یہ تعلق تراضی طرفین کی بناء پر قائم رہتا تھا۔ اور فریقین میں سے کسی ایک کی خواہش پر منقطع ہوسکتا تھا۔

جرمنوں کا مذہب ایک طرح کی فطرت پرستی تھی۔ درخت! غار، وغیرہ عظیم الشان مظاہر فطرت ان کے معبود تھے، ان میں کوئی خاص مذہبی ذات نہ تھی۔ ان کا ذریعۂ معاش گلّہ بانی، کاشتکاری، و صید افگنی تھا۔ محنت مزدوری کے کام غلاموں اور عورتوں کے سر تھے۔ شہر کی گنجان آبادیوں سے ان کو سخت گریز تھا۔ گاؤں میں ان کے مکانات ایک دوسرے سے فاصلہ پہ رہتے تھے، اور ان کی آبادی بکھری ہوئی ہوتی تھی۔ رومن ان کے قدوقامت، جسمانی طاقت، ان کے چہروں کی سرخی، اور ان کے بالوں کے ہلکے رنگ سے خاص طور پر متاثر ہوتے تھے۔

ان میں چند شدید عیوب بھی تھے، مثلاً جنگجوئی، بادہ نوشی، قماربازی۔ قماربازی کی لت ان میں اس درجہ بڑھی ہوئی تھی، کہ جب ساری جائداد ہاتھ سے نکل جاتی، تو یہ اپنی بیوی بچوں تک کو داؤں پر لگا دیتے، اور جب یہ بھی ہار بیٹھتے، تو خود اپنے تئیں بازی پر لگادیتے۔ ساتھ ہی ان میں محاسن بھی تھے، جن میں سب سے زیادہ نمایاں ان کی خصوصیت ایفاء عہد تھی، انہیں اپنی بات کا اس قدر خیال رہتا، کہ جب یہ قماربازی میں

اپنے تئیں ہار بیٹھتے، تو بے تامل اپنے جدید آقا کی غلامی کرنے لگتے۔

جرمنوں کے مشرقی علاقہ سے لے کر روس تک قوم سلاف آباد تھی۔ جرمن جب مغرب و جنوب کی جانب ہٹنے لگے، تو سلافوں نے بھی نقل و حرکت شروع کی، اور ان کی جگہ آباد ہونے لگے۔ یہاں تک کہ مغرب میں اِلب کے ساحل تک پہنچ گئے، اور گویا اِلب و نیپر کے مابین سارے علاقہ پر متصرف ہوگئے۔ موجودہ پروشیا، سیکسنی، و بوہمیا کا اکثر حصہ سلافی ہوگیا۔

جرمنوں و کلٹوں کی طرح سلافی بھی متعدد قبائل میں منتشر تھے، جن میں کوئی باہمی سیاسی ربط نہ تھا۔ ان کے ہاں ایک طرز کی شیوخی حکومت قائم تھی، اور اتنا تو بہرحال یقینی ہے، کہ بزرگان قبیلہ کا بے انتہا احترام ہوتا تھا، جن کی رائے تمام معاملات انتظامی میں اہم و مقدم سمجھی جاتی تھی۔ شروع شروع سلافوں میں امرا کی کوئی جماعت نہ تھی، بلکہ جنگ ہونے پر یہ ہر وقت اپنا سردار منتخب کرلیتے تھے، اور جمہوریت کا ان کے ہاں اتنا زور تھا کہ کوئی شاہی خاندان نہ پیدا ہوسکا۔

ان کا مذہب بت پرستی تھا۔ ان کے جو پروہت ہوتے تھے، ان سے ہر سیاسی و مذہبی معاملے میں رائے لی جاتی تھی۔ ان کے قدو قامت نہایت بلند تھے، بلکہ رومی ان کی جسامت سے

خائف ہی رہتے تھے - لیکن باایںہمہ ان میں جنگجوئی بالکل نہ تھی، اور ان کی کبھی فاتحانہ حیثیت نہیں رہی - چنانچہ اپنے جغرافی خصوصیات کی بناء پر یہ ہمیشہ صلح و امن کے ساتھ کاشتکاری و گلّہ بانی میں مشغول رہے - ان میں قومیت کا احساس نہ تھا، اس لئے یہ آسانی سے دوسری قوموں میں جذب ہو جاتے تھے، چنانچہ نویں صدی کے بعد سے ان کی بڑی تعداد جرمن بننے لگی -

نویں صدی میں سلافوں کی ایک اور شاخ مسمی بہ لٹ تاریخی وجود میں آئی - اوّل اوّل انکا پتہ بالٹک کے ساحل پر چلتا ہے، وسچولا سے لیکر نیمین کے کچھ آگے تک - یہ دو ٹکڑیوں میں تقسیم تھے، اہل لتھونیا و اہل پروشیا - یہ بھی عجیب بات ہے کہ امتداد زمانہ سے آج سب سے زیادہ مشہور جرمن قوم اس غیر جرمن قوم (اہل پروشیا) کے نام سے مشہور ہے -

مذکورہ بالا انڈو یوروپین اقوام کے علاوہ کچھ اور قبائل بھی آباد تھے، جنہیں تورانی، یا فینی ترکی، کہا جاتا ہے - ان کا مستقر شمالی اسکینڈینویا، اور روس کے شمالی، شمال و مغربی اور مشرقی علاقے تھے - یہ قوم مشتمل تھی، فن، لیپ، استھونی، لوونی، اگری، شتود، پرمکی، میگیرو ہن وغیرہ قبائل پر - ان کا تعلق منگول ترکوں سے تھا اور قرون وسطیٰ میں بجائے اس کے کہ ان سے تمدن کو کچھ ترقی ہو، یہ ہمیشہ تخریب ہی کے درپے رہے

اقوام و قبائل کی جو تقسیم باب ہذا میں کی گئی ہے یہ محض لسانی حیثیت سے ہے۔ علمائے لسانیات نے اوّل اوّل یونانیوں، رومیوں، کلٹوں، جرمنوں، سلافوں، لٹّوں، ایرانیوں، اور ہند قدیم کے باشندوں کی زبانوں میں تشابہ دریافت کیا، اور اس تشابہ السنہ کی بناء پر ان سب کو ایک قوم قرار دیا۔ اور یہ قیاس قائم کیا کہ جب زبان مشترک ہے، تو لامحالہ قوم بھی مشترک ہوگی۔ لیکن موجودہ علمائے علم الانسان و علم الاقوام اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے، گو زبانیں متحد الاصل ہوتی ہیں، لیکن قومیں متحد الاصل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان علمانے اشتراک و اتحادِ قومیت کی کچھ اور ہی معیار قائم کی ہے۔

باب (۱)

شہنشاہی، کلیسا، اور جرمنوں کی یورش

رومی سلطنت میں آگسٹس نے جو تغیرات کئے، اُن سے کوئی دو سو سال تک نہایت مفید نتائج پیدا ہوتے رہے، یہاں تک کہ پہلی صدی کے بدترین فرماں رواؤں کا زمانہ بھی جمہوریت کے آخری ایام سے غالباً بہتر ہی ہوا ہے۔ سلاطین کے عہد میں بحری و بری ڈاکوؤں اور قزاقوں کا استیصال ہوگیا؛ پولیس کے اعلیٰ انتظام سے امن قائم ہوگیا، اور سفر میں خطرہ نہیں رہا؛ سڑکیں ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک جاری ہوگئیں جن سے تجارت کی راہ میں بہت سہولتیں پیدا ہوگئیں؛ فصل خصومات میں عدل و انصاف ملحوظ رکھا جانے لگا؛ اور حکومت اپنے فرائض نہایت قابلیت سے انجام دینے لگی۔

یہ حال پہلی صدی کے فرمانرواؤں کا تھا۔ دوسری صدی کے تاجداروں نے یہی نہیں، کہ ہر شعبہ میں مزید ترقی و اصلاح کو جاری رکھا، بلکہ ہر حیثیت سے سلطنت کی فلاح و بہبود میں ساعی رہے۔ لیکن ۱۸۱ء میں مارکس آیلیس کی وفات سے ان دانشمند سلاطین کا خاتمہ ہوگیا، سلطنت کی مرفہ الحالی کا زمانہ ختم ہوگیا، اور اب تقریباً سو برس تک سخت ابتری و شورش کا دور دورہ رہا۔ ولی عہدی کا جو اصول مقرر کردیا گیا تھا، اس پر بھی اکثر عمل نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ یہ ہوا، کہ فوج نے تاج کو گویا فروخت کرنا شروع کیا، اور یہ قرار دیا، کہ جو سب سے زیادہ قیمت دیگا، یہ اس کے حصے میں آئیگا۔ ایک اور موقع پر یہ ہوا، کہ ایک ہی وقت میں ۱۹ مختلف اشخاص نے ملک کے مختلف مقامات میں لقب شاہی اختیار کرکے فرماں روائی شروع کردی۔ تیسری صدی میں اکثر سلاطین کی موتیں کسی حریف کی شمشیر سے ہوئیں، اور تخت سلطنت کے لئے جنگ و جدل گویا ایک جائز دستور قرار پاگیا۔

ڈایوکلیٹین نے اس بدنظمی کو دور کرنے کے لئے یہ چاہا، کہ ولیعہدی کے لئے ایک خاص قانون مقرر کردے، جس سے سلاطین کی جانیں بھی محفوظ ہوجائیں۔ اس نے یہ قرار دیا، کہ بجائے ایک کے دو بادشاہ ہوا کریں، اور ہر ایک کا ایک مددگار ہو، جس کا لقب قیصر ہو۔ دونوں سلاطین ۲۰ سال تک

فرمان روائی کے بعد دستکش ہوجایا کریں، اور ان کے جانشیں انکے ماتحت قیصر ہوا کریں، جو اپنی مددگاری کے لئے دو اور قیصروں کا انتخاب کریں۔ ان چاروں فرماں رواؤں، یعنی دونوں بادشاہوں اور دونوں قیصروں کی حفاظت جان کے لئے اس نے یہ قرار دیا، کہ یہ رعایا کی نظروں سے بالکل اوجھل اور علیحدہ رہا کریں۔ اور ان کے گرد مشرقی سلاطین کا سا دربار رہا کرے۔ حکومت میں مرکزیت زیادہ پیدا ہو، سنیٹ کا رہا سہا اقتدار بھی اس سے چھین لیا جائے، اور سلطنت کے بڑھے ہوئے اخراجات کے لئے مزید ٹیکسوں کا اضافہ ہو۔ ڈایوکلیشین کے اس انتظام کو کامیابی ہوئی، مگر بہت قلیل۔ ۳۰۵ء میں ڈایوکلیشین و میگزیمین کے استعفا کے بعد خانہ جنگی شروع ہوئی، جس سے قسطنطین کو فرمان روائے واحد ہوجانے کا پورا موقع مل گیا۔ لیکن قسطنطین نے گو ڈایوکلیشین کے نظام عمل کے جزو اہم کو قبول نہیں کیا، تاہم اس نے سلاطین سابق کی سادگی کو خیرباد کہکر دربار میں خوب شان و شوکت پیدا کی، اور حکومت کے مصارف میں اضافہ کیا۔

اس صدی کے سلاطین میں متعدد ایسے تھے، جو وحشی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، جنہیں رومہ کا مطلق لحاظ نہ تھا۔ اس لئے وہ ضرورۃً اور بلا ضرورت بھی، اپنے وقت کا بیشتر حصہ سرحد پر یا بیرونی علاقوں میں صرف کرتے تھے۔ جب ڈایوکلیشین و میگزیمین نے سلطنت تقسیم کی، تو مشرقی فرمانروانے

نکومیڈیا کو، اور مغربی تاجدار نے میلان کو اپنا مستقر قرار دیا۔ قسطنطین نے متعدد مصالح کی بناء پر، باز نطیم کا انتخاب کیا، اور اُسے وسعت دے کر اور قلعہ بند کرکے اس کا نام قسطنطنیہ رکھا۔ رومہ کو ابتک جو رونق و شان، بہ حیثیت دارالسلطنت کے حاصل تھی، اس میں اس سے بہت فرق آگیا، اور اب یہ اعزاز رومۂ جدید یعنی قسطنطنیہ کے حصہ میں آگیا۔

مسیحیت کو ایک جائز و غیر ممنوع مذہب تسلیم کرلینے سے قسطنطین نے مسیحیوں کو اپنے احسان کا گرویدہ کرلیا۔ اس کے پیشرو قدامت پرست سلاطین ہر جدید مذہب سے خائف رہتے تھے، اور مسیحیوں کی مجلسوں کو سلطنت کے لئے خطرناک سازش گاہیں تصور کرتے تھے۔ اسی خیال سے انھوں نے مسیحیت کی اشاعت شروع سے نا جائز قرار دے رکھی تھی، یہاں تک کہ لفظ "مسیحی" کا زبان سے نکالنا بغاوت کا مرادف قرار پاگیا تھا۔ اور کسی کا مسیحی ہونا سزائے موت کا متوجب ہوتا تھا۔ عموماً حکومت کا برتاؤ تو مسیحیوں کے ساتھ نرمی کا رہا تھا، لیکن جمہور رعایا کے ہاتھوں انہیں سخت شدائد برداشت کرنا پڑتے تھے، اس لئے کہ ساری آفات و مصائب کا اصلی باعث انہیں کو قرار دیا جاتا تھا پہلی تین صدیوں میں ان پر متعدد بار تعدیوں کا سلسلہ شروع ہوا، لیکن ان کا اثر عموماً خاص خاص مقام تک محدود رہا کیا۔ لیکن ۳۰۳ء میں ڈایو کلٹیین نے اپنے نائب قیصر گیلیریئس کے اغوا میں آکر مسیحیوں پر باضابطہ ایک شدید تعدی کا آغاز کیا،

جس کا مقصد یہ تھا کہ اس جدید مذہب کا بالکل استیصال کردیا جائے۔" تمام کلیسا مسمار کردئے جائیں، انجیل کے تمام نسخہ جلادئے جائیں، تمام مسیحی سرکاری مناصب و ملکی حقوق سے یکسر محروم کردئے جائیں، اور سب دیوتاؤں کے آگے نذر چڑھانے پر مجبور کئے جائیں، ورنہ قتل ہوں"۔ یہ قتلِ عام ۸ سال تک جاری رہا، لیکن آخر میں کیلیریس کو بھی تسلیم کرنا پڑا، کہ مسیحیوں کا استیصال اس کے بس کی چیز نہیں، اور بالاخر ان کے لئے ایک عام معافی نامہ شائع کرنا پڑا۔

دو سال بعد قسطنطین نے روا داری کا ایک قدم اور آگے بڑھایا، اور یہ فرمان جاری کردیا، کہ مسیحیوں کی جتنی جائدادیں ضبط کرلی گئی تھیں، وہ انہیں واپس کردی جائیں۔ قسطنطین نے اپنا طرز عمل یہ رکھا، کہ مسیحیت کو فروغ دیا جائے۔ ۳۱۳ء میں اس نے کتھولک پادریوں سے اکثر سخت سیاسی فرائض ساقط کردے۔ ۳۱۵ء میں اس نے کلیسا کے بعض ٹیکس معاف کردئے۔ ۳۱۶ء میں غلاموں کی آزادی کا جو دستور کلیسا میں جاری تھا۔ اسے جائز قرار دے دیا۔ ۳۲۱ء میں کلیساؤں کو حصول ترکہ کی اجازت مل گئی۔ ۳۲۳ء میں اس نے وہ قاعدہ منسوخ کردیا، جس سے مسیحیوں کو مشرکانہ عبادات و مراسم میں جبراً شرکت کرنا پڑتی تھی، ۳۲۳ء تک سکوں پر دیوتاؤں کی تصویریں ہوتی تھیں، اس سنہ کے بعد صرف کچھ علامات رہ گئیں۔ لیکن گو قسطنطین نے مسیحیت کے ساتھ ہمدردی کی، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں، کہ اس نے شرک و بت پرستی کی کبھی

مخالفت کی ہو۔ بلکہ اپنے مذہب کے سب سے بڑے پروہت کے عہدہ پر وہ اب تک قائم رہا، اور اس کے فرائض برابر انجام دیتا رہا۔ اور صرف یہی نہیں، بلکہ ۳۲۱ء میں اُس نے یہ فرمان جاری کیا، کہ تمام عہدہ دار فال دیکھ کر کام کیا کریں۔ اس سے بھی بڑھکر ۳۲۶ء میں اس نے اجازت دے دی کہ اس کے نام پر مندر تعمیر ہو، اور اس میں خود اس کی پرستش کی جائے۔ چنانچہ اُسکی وفات کے بعد اُسے ڈیوس کا لقب عطا ہوا، اور اس کا شمار دیوتاؤں میں ہونے لگا۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ قسطنطین کے قبول مسیحیت کی جو اس قدر شہرت دی جاتی ہے، اس کا مقصد محض سیاسی تھا، نہ کہ مذہبی۔ اس کی اصل غایت یہ تھی، کہ کلیسا متحد رہے، اور اسے وہ اپنے فرماں روایانہ اغراض و مقاصد کے حصول کا آلہ بنائے۔ اس نے مسیحیت کو سرکاری مذہب نہیں بنایا، البتہ اسے جائز ضرور قرار دیا۔ باقی صرف مسیحیت ہی کو تنہا جائز مذہب قرار دینا، اور شرک و بت پرستی کو ممنوع قرار دیدینا، اور اعتزال و بیدینی پر تشدد کرنا، یہ کام گریشین (۳۷۵ء تا ۳۸۳ء) اور تھیوڈوسیس (۳۷۹ء تا ۳۹۵ء) کا تھا۔ ان تاجداروں نے یہ حکم جاری کردیا، کہ حقوق شہریت کے اہل صرف راسخ الاعتقاد مسیحی ہی ہیں۔

۳۳۷ء میں اپنی وفات سے چند روز قبل قسطنطین نے اپنی سلطنت اپنے چاروں بیٹوں کے درمیان تقسیم کردی۔ جنھوں نے بہ کمال بیغیرتی آپس میں خانہ جنگی اور اپنے اعزہ کو قتل کرنا

شروع کردیا۔ تاآنکہ کوئی دعویدار سلطنت باقی نہ رہا بنی عمام میں سے ایک جولین البتہ زندہ بچ رہا، جو ۳۶۱ء میں شہنشاہ ہوا۔ اس کی تربیت مشرک اتالیقوں کے زیر نگرانی ہوئی تھی اس لئے اُسے شرک وبُت پرستی سے شیفتگی تھی۔ اسی کے ساتھ اُسے جن لوگوں نے ہدف مظالم بنا رکھا تھا، وہ صرف اس کے مسیحی اعزہ تھے، اس خیال نے اُسے مسیحیوں کا اور دشمن بنادیا۔ اس لئے جب وہ تخت نشیں ہوا، تو اس نے مسیحیت کے استیصال اور اس کے بجائے بت پرستی کی ترویج کی کوشش کی، لیکن یہ کوشش سرتاسر ناکام رہی اور اس کا نتیجہ صرف اس قدر ہوا، کہ مسیحیوں کو اس سے نفرت ہوگئی، اور ان کے ہاں سے اُسے "مرتد" کا لقب ملا۔

ڈایوکلیٹین کی تجویز بے شبہ ناکام رہی تھی، تاہم یہ اب بالکل قطعی طور پر ثابت ہوگیا تھا، کہ تنہا ایک شخص شہنشاہی کا کام نہیں انجام دے سکتا۔ تقسیم سلطنت کی متعدد ناکام کوششوں کے بعد تھیوڈوسیس اعظم نے یہ وصیت کی، کہ اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا مشرقی علاقہ کا فرماں روا ہو، اور قسطنطنیہ کو اپنا مستقر حکومت قرار دے، اور دوسرا لڑکا ہنوریس مغربی علاقہ کا تاجدار ہو، اور میلان کو اپنا دارالحکومت رکھے۔ اس کا صاف نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی، لیکن اُس وقت کسی کا اس نتیجہ کی طرف ذہن ہی منتقل نہ ہوا۔ اُس وقت لوگ یہ سمجھے کہ صرف فرائض سلطانی کی تقسیم ہوگئی

نہ یہ کہ سلطنت تقسیم ہوگئی، بلکہ سلطنت تو ان کے خیال میں تقسیم ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس تقسیم عمل کے باوجود پانچویں صدی میں مصیبتوں اور شکستوں کا ایک تسلسل رہا۔ سلاطین اس عرصے میں عموماً نا اہل ہوتے رہے، جو ہمیشہ کسی نہ کسی چلتے ہوئے نیم وحشی جرمن مصاحب کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہتے تھے۔ اس کے بعد متعدد اسباب ایسے پیش آئے، جن سے مغربی تاجدار معزول ہوا، اور مشرقی و مغربی سلطنتیں برائے نام ایک فرماں روا کے زیر نگیں متحد ہوگئیں۔ پانچویں صدی میں رومی فوج جن افراد سے مرکب تھی، وہ عموماً جرمن خانہ بدوش کرایہ کے سپاہی تھے؛ کچھ روز کے بعد انہوں نے مطالبہ شروع کیا، کہ ہمیں آباد ہونے کے لئے زمینیں دی جائیں۔ ۴۷۶ء میں جب رومولس آگسٹولس کم سنی میں تخت نشیں ہوا، اور اصلی قوت اس کے والد ارسٹس کے ہاتھ میں رہی، تو جرمن سپاہیوں نے شدید مطالبہ کیا، کہ اٹلی کا ایک ثلث ہمیں دیدیا جائے ارسٹس نے اس مطالبہ کے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ سپاہیوں نے اب علم بغاوت بلند کیا، اور ایک منچلے سورما اڈوویکر کے زیر سرکردگی اپنے حق کو بہ زور شمشیر تسلیم کرانا چاہا۔ جنگ برپا ہوئی، ارسٹس معرکہ میں کام آیا، کم سن بادشاہ گرفتار کرلیا گیا، اور سینٹ کے سامنے اُسے تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ سینٹ نے اڈوویکر کے حسب ایما زینو سلطان قسطنطنیہ کو اس مضمون کا خط لکھا، کہ یہاں یہ واقعات پیش آئے، اور ہماری

رائے میں صرف ایک فرماں روا تمام سلطنت پر حکمرانی کے لئے
کافی ہے، اس لئے التماس ہے، کہ اڈوویکر کو اٹلی کا صوبہ دار مقرر
کیا جائے۔ کچھ روز کے بعد زینو نے اس درخواست کو منظور کیا،
اور اس طرح ۴۷۶ء میں پھر ساری سلطنت متحد ہوکر برائے
نام ایک فرماں روا کے زیرنگیں آگئی، جس کا مستقر قسطنطنیہ رہا۔
لیکن عملاً مغرب کے اکثر علاقوں میں شہنشاہ کی مطلق فرماں روائی
نہ تھی۔ بعض بہترین صوبوں میں جرمن قابض تھے، جنہوں نے
حملہ آور ہوکر وہ علاقے مسخر کرلئے تھے، اور وہاں اپنی آبادی
اور اپنی نیم وحشیانہ حکومت قائم کرلی تھی۔

جرمن جو پہلے مضافات بالٹک میں دریائے راین کے مشرق
میں آباد ہوئے تھے، رفتہ رفتہ مغرب و جنوب کو منتقل ہوئے
تھے، جس سے راین و ڈینوب کی طرف کی سرحدوں کو ان کی
طرف سے خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ دوسری اور تیسری صدی میں یہ لوگ
شہنشاہی کے اکثر علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے رہے۔
ایشیائے کوچک، جزیرہ نمائے بلقان، و مشرقی علاقہ گال
خصوصیت کے ساتھ ان کی زد میں رہے۔ ۳۷۶ء میں ہنون
نے مغربی گوتھوں پر حملہ کیا، یہ لوگ ایک لاکھ کی تعداد میں اپنی
جان لے کر بھاگے، ڈینوب کو عبور کیا، اور شہنشاہ سے التجا
کی کہ انہیں آباد ہونے کے لئے زمین عطا ہو۔ شہنشاہ نے
ان کی التجا قبول کی، ڈینوب کے جنوب میں انہیں جگہ دی،
انہیں اپنے سایۂ عاطفت میں لیا، اور ان میں سالانہ تقسیم غلّہ کا

وعدہ کیا۔ ان کے اسلحہ انہیں کے پاس رہے، اور اس کے معاوضہ میں انہوں نے قیام امن کے لئے ضمانتیں داخل کیں، اور یہ عہد کیا، کہ ضرورت کے وقت رومی فوج کے لئے سپاہی دینگے۔ لیکن باوجود اس تمام عہد و پیمان کے رومی حکام نے کچھ عرصے کے بعد انہیں ستانا شروع کیا، یہاں تک کہ ۳۷۶ء میں انہوں نے بغاوت کردی، اور ملک میں لوٹ مار شروع کردی۔ شہنشاہ والنس فوج لیکر مقابلہ کو بڑھا لیکن اسی سال ایڈریانوپل کے قریب میدان جنگ میں کام آیا۔ تھیوڈوسیس "اعظم" نے بہ کمال دانشمندی ان کے ساتھ صلح و آشتی کا برتاؤ شروع کیا، جس سے چند سال کے بعد یہ اس پر آمادہ ہوگئے کہ جن زمینوں پر یہ پہلے آباد تھے، وہاں از سرنو واپس آجائیں۔ لیکن ۳۹۵ء میں ان میں پھر بے چینی پھیلی، اور اپنے جدید بادشاہ الارک کی زیر سرکردگی انہوں نے علاقہ بلقان کو خوب تہ و بالا کیا۔ ایلیریا و نوریکم میں چند سال قیام کے بعد ۴۰۰ء میں انہوں نے اٹلی پر یورش کی، اور ۴۱۰ء میں رومہ کو مسخر کرکے اسے تاخت و تاراج کیا، اور اسی طرح لوٹ مار کرتے ہوئے سارے ملک پر چھاگئے۔ اس کے بعد آئندہ موسم بہار میں افریقہ تک پہنچنے کی توقع میں الارک' کوسنزا کے قریب خیمہ زن ہوا، لیکن یہاں بخار نے اس کی زندگی ختم کردی، اس کا جانشین اس کا برادر نسبتی اتھالف ہوا، جس نے شہنشاہ سے صلح کرلی، اور اس کے صلہ میں اس کے ہم قوموں کو

گال و اسپین میں زمینیں عطا ہوئیں۔ چند سال کے جنگ و جدال کے بعد اتحادیوں نے اپنے ہم قوموں کو ان زمینوں پر آباد کیا۔ آگے چلکر گو یہ لوگ گال سے نکال دیے گئے لیکن اسپین پر ان کا تسلط سنہ ۷۱۱ تک رہا، تا آنکہ مسلمانوں نے انہیں پوری طرح مسخر و مفتوح کیا۔

مغربی گوتھوں کے بعد شہنشاہی پر حملوں کا گویا راستہ کھل گیا۔ سرحد کے استحکامات دفعتہً کمزور پڑ گئے، اور اس طرح شہنشاہی نیم وحشیوں کے حملوں کی ہدف بن گئی۔ سنہ ۴۰۶ میں ریڈگر، جو مشرقی گوتھوں کے ایک حصہ کا سرغنہ ہوگیا تھا، ۲ لاکھ آدمیوں کو لیکر پینونیا سے اٹلی میں داخل ہوا۔ شمالی علاقوں کی تاخت و تاراج کے بعد افواج شاہی کے ہاتھوں وہ ہلاک ہوا، اور اس کی سپاہ کا قلع قمع ہوگیا۔

سنہ ۴۰۶ء کے موسم سرما میں قبائل ونڈال و سوئی کی ایک سپاہ عظیم نے رائین کو عبور کرکے علاقہ گال میں تاخت و تاراج کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا۔ مگر جنوبی علاقہ گال میں ان کی مٹ بھیڑ مغربی گوتھوں سے ہوگئی، جنہوں نے انہیں پرینیز تک ہٹنے پر مجبور کردیا۔ سوئی رفتہ رفتہ شمال و غربی اسپین میں آباد ہونے پر مجبور ہوئے۔ جہاں انہوں نے ایک ٹوٹی پھوٹی حکومت قائم کی، لیکن بالآخر مغربی گوتھوں کے ہاتھ سے سنہ ۵۸۵ میں اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

ونڈال، جب مغربی گوتھوں سے شکست کھاکر جنوبی اسپین میں آنے پر مجبور ہوئے، تو اس کے بعد ۸۰۰۰۰ کی سپاہ و جرار لے کر انہوں نے افریقہ کو طے کیا، اور اس کے زرخیز علاقے اپنے قبضے میں کئے۔ ان کے تاجدار اول گیسرک میں بہ بریانہ ہوشیاری دزیر کی تھی، اور ساتھ ہی وہ بے رحم و پُر فریب بھی تھا، جس کے نام سے لوگ خوف کھاتے تھے، اس نے اپنی قلمرو کے حدود مغربی بحر روم کے جزائر کو مسخر کر کے وسیع کیا، اور ۴۵۵ء میں خود رومہ پر تاخت کی۔ لیکن اب اس کی قوم آب و ہوا کے اثر نیز اپنی بے اعتدالیوں کے باعث کمزور پڑ چکی تھی، چنانچہ ۵۳۳ تا ۵۴۴ء میں افواج سلطانی اس پر بہ آسانی غالب آگئیں۔

برگنڈیوں نے تیسری صدی کے وسط میں اپنے وطن سے جو دریائے اوڈر و وسچولا کے درمیان واقع تھا، حرکت کی، اور چند ہی سال میں رائن و مین تک پہنچ گئے۔ ۴۱۳ء میں انہیں ورمس کا علاقہ عطا ہوا۔ چنانچہ ان کی ابتدائی داستانوں کا میدان یہی ورمس کی سرزمین رہی ہے۔ متعدد تغیرات و انقلابات کے بعد شاہی عہدہ دار ایٹیس نے بالآخر ۴۴۳ء میں انہیں جھیل جنیوا کے جنوب کے علاقے میں منتقل کر دیا، اور وہاں سے یہ اپنے حدود قلمرو کو وسیع کرتے رہے، تا آنکہ ۴۶۳ء میں یہ بحر روم تک پہنچ گئے۔ لیکن ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنے شمالی ہمسایوں، یعنی فرنگیوں کا مقابلہ کر سکتے، جنہوں نے ۵۳۴ء میں انہیں مفتوح و مسخر کرلیا۔

ایک اور مجموعۂ قبائل نے، جسے الامنی سے موسوم کرتے ہیں، بلیک فارسٹ، جنوبی جرمنی، و شمالی سوئیٹزرلینڈ پر قبضہ کرلیا تھا۔ لیکن فرنگیوں نے برگنڈیوں کی طرح انہیں بھی جمنے نہ دیا (سنہ ۴۹۶)۔

ان تمام جرمن یورشوں سے بھی زیادہ خوفناک و وحشیانہ حملے اب ہنوں کے شروع ہوئے۔ چوتھی صدی کے ربع آخر میں انہوں نے جنوب شرقی یورپ پر قبضہ کیا، اور اس کے بعد عارضی طور پر ان کی رفتار اقدام رک گئی۔ ان میں اتحاد و یک جہتی نہیں رہی، بلکہ مختلف ٹکڑیاں ہوگئیں، اور بعض نے شاہی ملازمت قبول کرلی۔ کچھ عرصے کے بعد اُنکا ایک نیا سردار روگیلس پیدا ہوا، جس نے ان میں پھر اتحاد پیدا کیا سنہ ۴۳۵ میں اس کی وفات پر اس کے دو بھتیجے، بلیڈا و اٹیلا جانشین ہوئے، جو مشترک طور پر سنہ ۴۴۴ تک فرماں روائی کرتے رہے۔ اس کے بعد اٹیلا نے بلیڈا کو قتل کرڈالا، اور خود تنہا فرماں روائی کرنے لگا۔ اپنی قوت اور حیلہ سازی سے اس نے وولگا و راین کے تمام بسنے والوں کو متحد کرلیا۔ جرمنوں اور ہنوں کی تعداد کثیر کو لے کر اس نے کتنی بار مشرقی سلطنت کو تاخت و تاراج کیا، بلکہ ایشیائی سرحدوں کو پھاندکر آرمینیا، شام، اور وادی دجلہ و فرات میں جنگ جاری کردی، بلکہ ایران تک اس کی زد میں آگیا۔ ایک مرتبہ خود قسطنطنیہ اس کی زد میں آگیا تھا، اورایک گرانبہا فدیہ دے کر نجات

حاصل کی۔ ۴۵۰ء میں اس نے اپنی توجہ مغرب کی جانب منعطف کی، ایک لشکر جرار لے کر راین کو عبور کیا، شمالی گال کو تاخت و تاراج کیا، اور جنوب کی طرف بڑھتا چلا جاتا تھا، کہ آرلینس کے استحکامات کے باعث اسے ذرا رکنا پڑا، مغرب میں عساکر سلطانی کا سپہ سالار ایٹیس تھا، یہ تمام افواج مجتمع کرکے شہر مذکور کے باشندوں کی کمک کے لئے پہنچا۔ اٹیلا نے کیٹلانین میدان کی طرف (جس کا علم موجودہ جغرافیہ کو نہیں) مراجعت کی، اور یہاں ۴۵۱ء کے ایک معرکۂ عظیم میں اسے شکست ہوئی۔ جس کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت کو واپس آیا، جو ہنونیا میں دریائے تھیس کے کنارے ٹوکے کے متصل ایک موضع تھا۔ آئندہ موسم گرما میں اس نے شمالی اٹلی پر حملہ کرکے اسے تاخت و تاراج کیا، لیکن وہاں سے ہٹنے پر مجبور ہوا، اس لئے کہ فوج میں وبائے بخار پھیل گئی تھی اور ایٹیس کی فوج کوچ کرتی چلی آرہی تھی۔ یورپ کی خوش قسمتی سے ۴۵۳ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

اٹیلا گو ایک غیر متمدن و نیم وحشی قوم کا فرد تھا، تاہم شخصی حیثیت سے اُس کا شمار کسی طرح وحشیوں میں نہیں ہوسکتا۔ وہ طرز حکومت کے اسرار سے واقف تھا، دوسرے سلاطین سے سفارتی تعلقات قائم رکھتا تھا، اور بین الاقوامی قوانین کو ملحوظ رکھنا فرض سمجھتا تھا، خود اس کا مکان توحش و تمدن کے میل جول کا مرقع تھا، اس کے چھوٹے چھوٹے

چوبی مکانات اس مال غنیمت سے بھرے ہوئے رہتے تھے، جو وہ رومی علاقوں کی تاخت و تاراج سے حاصل کرکے لاتا تھا، رومہ اور رومی کی اس کی نظروں میں ذرا بھی وقعت نہ تھی، بلکہ اُسے مٹاکر اس کے آثار پر وہ ایک جدید نظام شہنشاہی قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دربار میں متعدد یونانی بھی تھے جو اس کے فتوحات اور کارناموں کے تذکرے بڑے آب وتاب سے لکھتے تھے، اور جن کی بناء پر اُسے توقع تھی، کہ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مگر اس کی وفات کے بعد ہی اس کی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی۔ اس کے فرزند ایلا نے بغاوتوں کو فرد کرنا چاہا، لیکن خود میدان جنگ میں کام آیا (۴۵۴ء) تمام جرمن و سیلافی قبائل جو ایٹلا کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے، اب پھر آزاد و خود مختار ہوگئے، اور شہنشاہی سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔

ہم پیشتر کہ آئے ہیں، کہ ۴۷۶ء میں ملک اٹلی اڈو ویکر کے قبضہ میں آگیا، جس کے زیر علم جرمنوں کا ایک لشکر جرار تھا۔ اُصولاً وہ شہنشاہ کا ماتحت تھا، لیکن عملاً بالکل خود مختار تھا۔ اٹلی میں اس کے عہد میں بہت امن و نظم قائم رہا، رعایا مرفہ الحال رہی، اور مدت کے بعد اٹلی کو طوائف الملوکی و بدنظمی سے نکلنا نصیب ہوا، ۴۸۶ء میں اڈوویکر نے پینونیا کے روجیوں پر حملہ آور ہوکر انہیں شکست دی، لیکن ان کے فرماں روا نے بھاگ کر مشرقی گوتھوں سے

پناہ طلب کی۔ یہ لوگ اپنے رئیس تھیوڈورک کے زیر حکومت وسطی ڈینوب کے ساحل پر آباد تھے، اور چونکہ شہنشاہ کا ان پر کوئی دباؤ نہ تھا، اس لئے یہ ملک میں برابر مار دھاڑ کرتے رہتے تھے تھیوڈورک کو اب اٹلی پر حملہ کرنے کا ایک اچھا عذر ہاتھ آگیا۔ اور شہنشاہ نے بھی یہ خیال کرکے کہ روز روز کی شورشوں سے نجات ملیگی، اجازت دے دی۔ وہ خود تو اٹلی کو اپنے زیرنگیں رکھ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس کے نزدیک یہ دونو صورتیں برابر تھیں، کہ خواہ یہ وحشی اس پر حکمران رہے یا وہ۔ سنہ ۴۸۹ میں تھیوڈورک نے اٹلی کی سرزمین پر قدم رکھا، چار سال تک سلسلۂ جنگ جاری رہا، جس کا خاتمہ صلحنامہ کی اس قرارداد پر ہوا، کہ آئندہ سے تھیوڈورک و اڈوویکر دونو مشترک طور پر حکمرانی کریں۔ لیکن عین اس زمانہ میں جبکہ مصالحت کے شادیانے بج رہے تھے، تھیوڈورک نے انتہائی دغابازی سے کام لے کر اڈوویکر کو قتل کرڈالا (سنہ ۴۹۳)۔ اور اب چونکہ کوئی رقیب باقی نہیں رہا، اس لئے تھیوڈورک تنہا، اٹلی کا فرمانروا بن گیا، اور اپنے ہم قوموں کو لاکر اس ملک میں آباد کیا۔ وہ اٹلی پر بہ حیثیت مشرقی گوتھوں کے رئیس کے حکمران ہوا، جو نظام حکومت اس نے یہاں پایا اسے برقرار رکھا، اور اعلیٰ مناصب پر رومیوں کو فائز کیا۔ اس کے وقت میں فرائض حکمرانی نہایت مستعدی سے انجام پاتے رہے۔ اس نے مختلف مقامات کی شہر پناہیں ازسرنو تعمیر کرائیں، باغ لگوائے،

سڑکیں تیار کرائیں، نالیاں بنوائیں، کانیں کھدوائیں، بازار لگوائے زراعت کو ترقی دی، اور قانون کی پوری پابندی کرکے بلا رو رعایت ہر شخص کی دادرسی کی۔ دیگر ہمسایہ جرمن حکمران خاندانوں کے درمیان اس نے کہیں شادی کے ذریعہ اور کہیں معاہدوں کے ذریعہ سے رشتۂ اتحاد و مواخات قائم کرایا۔ تاکہ ایک دوسرے کو فنا کرنے کے درپے نہ ہوں۔ اس لئے کہ وہ یہ جانتا تھا، کہ اگر جرمن سلاطین میں باہم خانہ جنگی ہوئی، تو شہنشاہ یقیناً ان کے نفاق سے فائدہ اٹھاکر ان پر فوج کشی کردے گا۔
۵۲۶ء میں اس کی وفات پر اس کی جانشینی میں جو جھگڑے پڑے، ان کی بنا پر شہنشاہ جسٹینین کو اٹلی پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ ۲۰ سال تک معرکہ آرائی جاری رہی، جس کے خاتمہ پر عساکر شہنشاہی کو فتح حاصل ہوئی، مشرقی گوتھوں کی حکومت کا استیصال ہوگیا، اور اٹلی شہنشاہی کا ایک صوبہ بن گیا۔

سرحد کے باہر اب بھی متعدد جرمن قبائل تھے، جن کا شہنشاہی سے اب واسطہ شروع ہوا، مثلاً بویری، لومبرڈ، و تھیورنجی، لیکن بعض قبائل ایسے بھی تھے جنہیں شہنشاہی کے وجود کی بھی خبر نہ تھی، مثلاً سیکسن، اینگل، وجوٹ، فرینک، جو متعدد قبائل پر مشتمل تھے، اور راین کے علاقہ زیریں میں بسے ہوئے تھے) وہ رفتہ رفتہ شمالی گال میں پھیل گئے۔ ان کی تاریخ پر ایک مستقل باب آئندہ آتا ہے۔

مغرب کے سب سے دور دست علاقہ، برٹینیا (برطانیہ) پر بھی جرمنوں نے حملہ کیا، اور آہستہ آہستہ اس پر اپنا قبضہ جمالیا۔ یہ حملہ ۴۴۹ء میں شروع ہوا، اور جوٹوں نے اوّل اول کنٹ پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد کے مقبوضات بجائے خود چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی حیثیت حاصل کرتے گئے، مثلاً سیکسن، وسکس، ایسٹ اینگلیا، ناتھمبریا، ومرسیا۔ یہ سلطنتیں پہلے کلٹی باشندوں سے لڑتی رہیں، پھر آپس ہی میں مصروف کارزار ہوگئیں، آخری معرکہ نارتھمبریا، وِسِکس، ومرسیا کے درمیان ہوا، اور فتح وِسِکس کے حصے میں آئی۔ اگبرٹ (۸۰۲ - ۳۹)، شاہ وِسِکس گویا اب سارے انگلستان کا شہنشاہ ہوگیا۔

ان اینگلوسیکسنوں نے برطانیہ میں پوری جرمن حکومت قائم کی۔ رومی تمدن فنا ہوچکا تھا، اور ان جدید فاتحین کے لئے مخصوص شائستگی و تمدن کو فروغ دینے کے موقع کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی اینگلوسیکسن زبان، اب تک محض ایک "بولی" کی حیثیت رکھتی تھی، لاطینی سے استعانت کے بغیر، ایک علمی زبان کے مرتبہ پر پہنچ گئی" اور ہر جگہ استعمال ہونے لگی۔ اس کی ابتداء ۶۸۰ء ہی سے ہوگئی تھی، جب کہ کیڈمن نے "نغمہ آفرینش" اسی زبان میں نظم کیا تھا، اور قدیم نظم "بیوولف" کے کم از کم بعض اجزا بھی اسی وقت معرض وجود میں آچکے تھے۔ قوانین سلطنت،

انگلستان و دیگر جرمن مقبوضات میں بجائے لاطینی کے اینگلوسیکسن زبان میں تھے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ رعایا کے رسم و رواج، آئین و قوانین، و نظام حکومت، کسی شئے پر رومی تمدن کا اثر نہ تھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے، کہ آج تک جس قدر انگلستان کی سرزمین پر خالص جرمن قوانین کا وجود ہے، اتنا دنیا میں کہیں نہیں ہے، یہاں تک کہ خود جرمنی، میں بھی شہنشاہی کے ساتھ تعلقات قائم ہوجانے سے کچھ نہ کچھ رومی تمدن کا اثر بڑھ ہی گیا، لیکن اگر جرمن قانون کہیں بالکل خالص و بے آمیزش رہا، تو انگلستان ہی میں۔

اینگلوسیکسنوں نے سو سو آدمیوں کی ٹولیاں قائم کرکے زمین کو آپس میں تقسیم کرلیا، جس میں سے ہر شخص کو بہ قدر اپنے حصہ رسدی کے مل جاتا تھا، اور یہ لوگ گاؤں میں آباد ہوجاتے تھے۔ اپنے مستقر کو یہ خاندان کے نام سے موسوم کرتے تھے، اور آخر میں "ہام" و "ٹن" کا اضافہ کردیتے تھے (جو مخفف ہیں انگریزی الفاظ "ہوم" "نگر" او "ٹاؤن" (ہوگڈھ") کے، اور جرمن الفاظ "ہایم" و "زاؤن" "گے") "ہام" سے مراد "مسکن" ہوتی تھی، اور "ٹن" سے وہ حصار مقصود ہوتا ہے، جو موضع کی حفاظت کے لئے اس کے گرد کھنچا رہتا تھا۔ سو شخصوں کی ہر ایک جماعت کے تمام آزاد اشخاص یکجا ہوکر معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اس سے اونچی عدالت وہ تھی، جس میں تمام قبیلے کے آزاد اشخاص جمع ہوکر اُن معاملات کا فیصلہ کرتے، جن کا تعلق سارے قبیلے سے ہوتا، یا جو مختلف

جماعتوں کے مابین مابہ النزاع ہوتے۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ تمام آزاد اشخاص کے یکجا ہونے کی دشواریاں اسی وقت ظاہر ہونے لگی تھیں، اور اس لئے اس کا علاج یہ نکالا گیا، کہ نیابت سے کام لیا جائے۔ اب ہر موضع سے کچھ لوگ چنے ہوئے موضع کی "چھوٹی پنچایت" میں اور اسی قدر لوگ قبیلے کی "بڑی پنچایت" میں شریک ہونے لگے۔ اور معاشرتی حیثیت سے باشندگان ملک کی وہی تین قسمیں ہوگئیں، جو دیگر ممالک یورپ میں شائع تھیں، یعنی امرا[1]، احرار[2]، و غلام[3]۔

آئرلینڈ میں شیوع مسیحیت کا مسئلہ نہایت مختلف فیہ ہے۔ لیکن ظن غالب یہ ہے، کہ سینٹ پیٹرک (جس کی وفات بہ اختلاف روایت ۴۶۵ء یا ۴۹۳ء میں ہوئی) پہلا مشنری (مبلّغ مسیحیت) تھا، جسے یہاں کچھ کامیابی ہوئی۔ اس کے مساعی سے سارا جزیرہ مسیحی ہوگیا، گو ابھی اس کی سطحِ تمدن بہت پست تھی، اور آئندہ صدیوں میں زہد و تقویٰ میں اس نے وہ شہرت حاصل کی، کہ اس کا نام "جزیرۂ اولیا" پڑگیا۔ آئرلینڈ کا کلیسا رومہ کے کلیساے آزاد تھا، اور بعض امور میں کلیسائے انگلستان سے بھی مختلف تھا، یہاں مسیحیت نے جو شکل اختیار کی، وہ تمام تر راہبانہ تھی۔ اور اسی راہبانہ جوش نے آئرلینڈ والوں کو اس کوشش پر آمادہ کیا، کہ تمام دنیا کو اپنے فرقہ مسیحیت میں لے آئیں۔ ان کی یہ کوشش ہمت تبلیغ کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ نتیجہ تھی ان کی ریاضت پسندی اور شدائد برداشت کرنے کی خواہش کا۔ اس زمانہ میں چونکہ سفر میں قدم قدم پر

خطرات اور دشواریاں پیش آتی تھیں، اس لئے بہ حیثیت مبلّغ کے دوسرے ممالک کا سفر ایک کار ثواب قرار پایا۔ یہ لوگ راہبانہ نظام اخلاق کے مطابق، بجائے شہروں کے جنگلوں میں آباد ہوتے تھے۔ اول اول یہ اسکاٹ لینڈ میں آباد ہوئے۔ ۵۶۳ء میں سینٹ کولمبا اپنے ۲۵۔ راہب رفیقوں کے ہمراہ اسکاٹ لینڈ آیا، جہاں جزیرہ آیونا میں اسے جگہ ملی، اور یہیں سے وہ آئرلینڈ کے راہبوں کی تائید کے ساتھ اپنے فرائضِ تبلیغ اصل ملک میں بھی آکر انجام دیتا تھا۔ ان لوگوں نے نہ صرف اسکاٹ لینڈ ہی میں، بلکہ برطانیہ کے اینگلوسیکسنوں کے درمیان اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی کام کیا، انگلستان کے مشرقی ساحل پر لنڈسفیروں کو انہوں نے اپنا مستقر بنایا، اور یہ مقام عرصہ دراز تک اینگلوں کے درمیان مرکز تبلیغی کا کام دیتا رہا۔

آسولڈ (۶۴۳ تا ۶۴۴) شاہ نارتھمبریا نے تخت نشینی کیساتھ ہی خانقاہ آیونا کے (جہاں وہ ایک مرتبہ پناہ گزیں رہ چکا تھا) اُسقف کو خط لکھا، کہ کچھ مبلّغین بھیجے۔ سینٹ آیڈن، اور ان کے بعد سینٹ کتھبرٹ کو بہت کامیابی ہوئی، اور بہ ظاہر آثار یہ معلوم ہونے لگا، کہ کلیسائے آئرلینڈ سارے برطانیہ پر محیط ہوجائے گا۔ لیکن ساتھ ہی ایک دوسری تبلیغی تحریک بھی مغرب کی جانب بڑھ رہی تھی، جس کا منبع رومہ تھا۔ ۵۹۶ء میں گریگوری اعظم، اُسقف رومہ نے ایک راہب آگسٹاین کو اسکے ۳۰۔ رفیقوں کے ہمراہ کینٹ کو بھیجا، حُسنِ اتفاق سے اِتھلبرٹ

شاہ کینٹ نے اسی زمانہ میں ایک راسخ الاعتقاد فرینکی شہزادی سے شادی کی تھی، جس نے اب اپنا سارا اثر مسیحی مشنریوں کی تائید و حمایت میں صرف کیا، چنانچہ ایک سال کے اندر ہی اندر بادشاہ اور اکثر اُمرانے مسیحیت کو قبول کرکے اصطباغ لے لیا۔

کینٹ سے مسیحیت کی یہ شاخ شمال کی جانب پھیلی، یہاں تک کہ نارتھمبریا میں اِس کے ڈانڈے آئرش مذہب سے مل گئے۔ اب دونوں میں سخت مقابلہ شروع ہوا۔ بادشاہ ششش وپنج میں پڑگیا آخر اُس نے یہ تدبیر سوچی، کہ بہ مقام وِٹبی ۶۶۴ء میں علمائے فریقین کی ایک مجلس مناظرہ منعقد کرائے۔ وِلفرڈ، کلیسائے روما کا وکیل ہوا، اور کولمین کلیسائے آئرلینڈ کا۔ کولمین برابر سینٹ کولمبا سے استناد کرتا رہا، مگر وِلفرڈ کا دعوی یہ تھا، کہ سینٹ پطرس کا مرتبہ اس سے کہیں بالاتر ہے، اس لئے کہ وہ حواریوں کا سرتاج ہے، اور مسیح ع کا ارشاد اس کے متعلق یہ ہے کہ "تو پطرس ہے۔ میں اس پہاڑی پر اپنا کلیسا تعمیر کرتا ہوں، جس پر جہنم کے دروازے نہ کھل سکینگے، اور درِ جنت کی کلید میں تجھے عطا کرتا ہوں"۔ جب وِلفرڈ نے یہ تقریر کی، تو بادشاہ، جس نے پیشتر یہ روایت نہیں سنی تھی، سخت متحیر ہوا، اور کولمین سے اس کی تصدیق چاہی۔ اس نے تصدیق کی۔ اس پر اس نے دریافت کیا، کہ کیا یہ مرتبہ سینٹ کولمبا کو بھی حاصل ہے؟ کولمین کو اعتراف کرنا پڑا کہ نہیں۔ اس پر بادشاہ بول اُٹھا، کہ "میں اس دربان جنت کے خلاف ہرگز

نہیں جاسکتا۔ مبادا جس وقت میں در جنت پر پہنچوں، میرے لئے کوئی دروازہ کھولنے والا نہ ہو"۔ غرض۔اس طرح کلیسائے رومہ کو فتح حاصل ہوگئی، اور آئرش مبلغین ناکام واپس گئے۔ اس فیصلے سے انگلستان کے تعلقات رومہ سے بہت بڑھ گئے، اسقفِ رومہ کا اقتدار قائم ہوگیا، ان چیزوں کا اثر تاریخ انگلستان کے مستقبل پر پڑا۔ اور کلیسا کی وساطت سے رومی قانون، رسم و رواج، طرز معاشرت طرز خیال، غرض رومی تمدن کے جملہ مخصوصات انگلستان میں داخل ہوگئے۔

ایک یونانی عالم تھیوڈر آف ٹارسس، انگلستان میں بہ حیثیت کنٹربری کے لاٹ پادری کے آیا (سنہ ۶۶۹ تا سنہ ۹۰) اور کنٹربری کو اپنا مستقر و مرکز بناکر کلیسائے انگلستان کا پورا نظام قائم کیا۔ اس نے ملک کو مختلف اسقفیوں میں تقسیم کردیا، اور کلیسائے انگلستان کو اسقف رومہ کے ماتحت قرار دیا۔ یہ اسقفی تقسیم ملکی تقسیم کے مطابق و ماتحت نہ تھی، بلکہ اس اصول پر مبنی تھی کہ کل کلیسا ایک ہے، اور سیاسی و ملکی تقسیمات کی پابندی اُن پر عائد نہیں ہوتی۔ کلیسا کی وحدت کا اثر سیاسی خیالات پر بھی پڑا، اور مذہبی اتحاد کا مقدمہ ثابت ہوا۔

راہبانِ انگلستان اس وقت علم وفضل سے کافی بہرہ اندوز تھے۔ اور بجز تھیوڈور کے ان تلامذہ کے یورپ میں یونانی زبان سے کوئی واقف نہ تھا۔ خانقاہوں میں بہ کثرت بڑے بڑے صاحب علم

درویش موجود رہتے تھے۔ ان میں سب سے افضل بیڈ (۶۷۳ء تا ۷۳۵ء) ہوا ہے، جسے "محترم و مقدس بیڈ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور جو جیرو کا راہب تھا۔ اس کے تلامذہ علاوہ ان چھ سو راہبوں کے جو اس خانقاہ میں مقیم تھے، باہر کے لوگ بھی تھے۔ وہ اپنے زمانہ کا ایک ہمہ داں عالم گزرا ہے، اس کی وفات پر اس کی تصانیف سے ۴۵ رسالے ملے، جن میں سب سے زیادہ مشہور اس کی "انگریزوں کی مذہبی تاریخ" اور انجیل یوحنا کا ترجمہ انگریزی ہیں۔ اس کی تصانیف یورپ میں بھی خوب شائع و مقبول ہوئیں۔ واقعات کی تاریخ بتانے میں سنہ عیسوی درج کرنے کا رواج گویا اسی نے پیدا کیا۔ نارتھمبریا کا علاقہ انہیں راہبوں اور خانقاہوں کی بنا پر جنوبی انگلستان سے کہیں زیادہ متمدن تھا۔

ان تمام سلطنتوں کا، جن کا ذکر اوپر گزرا، صرف دو ایسی تھیں، جو حوادث عالم کا مقابلہ کرکے زندہ رہ سکیں، ایک فرینکوں کی، دوسرے اینگلو سیکسنوں کی۔ باقی تمام قومیں یا تو سرے سے فنا ہوگئیں، یا دوسری قوموں میں جذب ہوگئیں۔

بیانات بالا سے معلوم ہوا ہوگا، کہ تقریباً ۵۰۰ء میں شہنشاہی کے مغربی حصہ پر بربریوں کا تسلط تھا، جو شہنشاہ کی اطاعت سے گویا آزاد تھے۔ جرمن جس علاقہ پر تاخت و تاراج کرتے تھے، اس کا ایک قطعہ اپنی سکونت کے لئے ضرور طلب کرتے، اور اکثر اپنے مفتوحہ علاقہ کی ایک ثلث زمین

اپنے لئے منتخب کرکے اُسے آپس میں تقسیم کر لیتے۔ وہ اپنے قوانین و رسم و رواج کو بھی اپنے ہمراہ لاتے تھے، جنہیں وہ ضبط تحریر میں بھی لے آئے، اور اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ وہ دوسرے ممالک میں بھی اپنے مقدمات اپنے ہی قوانین کے مطابق اور اپنے ہم قوموں کی عدالت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ گویا اُن کا قانون بھی اُن کی کوئی ذاتی جائداد تھی، کہ جہاں گئے ساتھ لیتے گئے۔ برخلاف رومیوں کے، جو قانون کو ایک ملکی شئے سمجھتے تھے۔

بہ استثنا فرینکوں اور اینگلوسیکسنوں کے، تمام جرمن شہنشاہی عملداری میں آباد ہونے سے قبل ہی مسیحیت قبول کرچکے تھے۔ لیکن اب ان کا مذہب جو توحید کی ایک صورت تھی، سواد اعظم کے مخالف ایک طرح کا اعتزال سمجھا جانے لگا اور جن علاقوں میں وہ آباد ہوتے تھے وہاں کے باشندے انہیں، اجنبی فاتحوں کے ساتھ ہی بد مذہب بھی سمجھتے تھے، اس لئے اُن کے اِن کے درمیان کبھی زیادہ مراسم ارتباط نہ بڑھ سکے۔

باب (۳)

جرمنوں کے مقابلہ میں شہنشاہی کارروعمل

جرمنونکا حملہ گو دربار قسطنطنیہ اور مختلف سلطنتوں کے درمیان کسی حد تک دوستانہ تعلقات تھے، تاہم شہنشاہ کو موجودہ صورت حال سخت ناگوار تھی، وحشیوں نے اس کے ملک، پر حملہ کیا تھا، اور اُسنے بادل ناخواستہ اِن ناخواندہ مہمانوں کو ٹھیرا رکھا تھا، اس لئے کہ ان کے دفع کرنے کی قوت نہیں رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر اس قدر مطلق العنانی اختیار کرلی، کہ ان کے مقبوضات گویا شہنشاہ کی قلمرو سے بالکل بے تعلق ہوگئے۔ اتنے مقبوضات کا ہاتھ سے نکل جانا ایک نقصان عظیم تھا، جس کی تلافی اسی طرح ممکن تھی، کہ وہ از سرِ نو مسخر کئے جائیں،

شخصی سلطنتوں میں ہر شئے کا دار و مدار بادشاہ کی قابلیت پر ہوتا ہے۔ چنانچہ چوتھی اور پانچویں صدی میں بد امنی و نقص امن اسی لئے رہا، کہ سلاطین نا اہل تھے، اور اندرونی نفاق و شقاق کثرت سے تھا۔ اس زمانے کے کمزور سلاطین کے بعد قابل و بلند پایہ فرماں رواؤں کا دور شروع ہوا، جن کا ممتاز ترین فرد جسٹینین تھا۔ اس بادشاہ کو جرمنوں سے انتہا درجہ کی نفرت تھی۔ زینو (۴۷۴ء تا ۴۹۱ء)، اناسٹیسیس اول (۴۹۱ء تا ۵۱۸ء) اور جسٹن اول (۵۱۸ء تا ۵۲۷ء)، کے زمانے میں شہنشاہی اپنی کھوئی ہوئی قوت برابر آہستہ آہستہ حاصل کرتی رہی، اور جسٹینین (۵۲۷ء تا ۵۶۵ء) کے قدم بڑھانے کے لئے راستہ صاف ہوتا رہا۔ ضعف و انحطاط کے طویل زمانے کی جگہ اب عزم و قوت نے لے لی، اور گویا سلطنت کی گزشتہ رونق و سطوت نے پھر عود کرنا شروع کیا۔ افواج شاہی کو فتح نصیب ہوئی، کھوئی ہوئی قلمرو پھر حاصل ہوئی، اور جزو از سر نو اپنے کل سے مل گیا۔

جسٹینین ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء

جسٹینین اپنی ہمہ دانی و اہلیت کی بنا پر اب تک لقب اعظم کا مستحق چلا آتا ہے۔ اس کی دلچسپیاں غیر محدود تھیں۔ عمارات و فن تعمیر قانون و الہیات، تجارت و صنعت و حرفت، فن حرب، سیاسیات و اصول جہانبانی، ان سب سے اسے یکساں دلچسپی تھی۔ اسنے اپنی مردم شناسی سے بہترین اشخاص کا انتخاب کرکے ان کے سپرد

اعلیٰ ترین خدمات و مناصب کئے، عزم و ارادہ کا اتنا مستقل تھا کہ جو بات ایک دفعہ ٹھان لیتا، ہمیشہ اس پر قائم رہتا۔

رومی قانون کا انضباط

اسے قوانین کی جانب توجہ ہوئی اس وقت تک قوانین متفرق و پراگندہ تھے، کوئی ان کی منضبط شکل نہ تھی۔ ان میں سخت باہمی تناقضات و اختلافات تھے، اور اس لئے فصل خصومات میں سخت زحمت واقع ہوتی تھی۔ جسٹینین نے ٹریبونین کی صدارت میں قوانین کی ترتیب، تالیف و تدوین کے لئے ایک مجلس ترتیب دی۔ جس نے اپنا فرض اس خوبی سے انجام دیا، کہ تمام پچھلے مجموعے بیکار ہوگئے، اور اس لئے ضائع کردئے گئے اور اب قوانین کا ایک جدید مجموعہ تیار ہوا، جو مجموعہ ضابطۂ جسٹینین کے نام سے موسوم ہے۔ ٹریبونین نے قوانین کے مابین تناقص رفع کرنے اور باہمی ربط پیدا کرنے کے لئے ان کے اصل متن میں کافی تصرفات کئے۔ اور قوانین کے علاوہ نامور مقننوں اور ججوں کے فیصلے، رائیں، اور تجویزیں بھی یکجا کی گئیں اس لئے کہ آج کل کی طرح اُس زمانہ میں بھی نظیروں پر بڑا زور دیا جاتا تھا، اور ان سب کا مجموعہ نظائر کے نام سے شائع ہوا۔ طلبۂ قانون کے لئے ایک علاحدہ رسالہ اُصول قوانین روما پر تیار کیا گیا، جس کا نام کلیات رکھا گیا جسٹینین نے خود جو قوانین وضع کئے تھے، اُن کا خود بھی سختی

سے پابند تھا۔ ان کا مجموعہ اس نے "نوویلے" کے عنوان سے علٰحدہ بھی مرتب کیا۔

ٹیکس جسٹینین کے ذہن میں جو منصوبے تھے، انہیں عمل میں لانے کے لئے مصارفِ کثیر کی ضرورت تھی۔ متعدد کلیساؤں کی تعمیر، جن میں سینٹ صوفیا کا کلیسا سب سے زیادہ مشہور ہے، شہر پناہوں اور قلعوں کی تیاری، جو تحفظ کے لئے ضروری تھے، ٹیکس کی تحصیل اور فوج کی نظم ونسق میں بد دیانتی، اور پھر ان سب کے علاوہ خود جسٹینین کے ذاتی مصارف اور دربار کے تکلفات، ان سب کے مجموعی بار نے مجبوراً ٹیکس کی شرح کو اتنا بڑھادیا، کہ رعایا کا دیوالہ نکلنے کے قریب ہوگیا۔

فنون بازنطینی جسٹینین کے زمانے میں فنون بازنطینی تکمیل کو پہنچ گئے۔ کلیسا کا ایک خاص طرز تعمیر قرار پاگیا، جس کی نمایاں خصوصیات مدوّر محراب، اور گنبد ہیں کلیسا میں نقش و نگار، بیل وبوٹے بھی ہونے لگے۔ نقاشی میں بھی مخصوص طرزیں رائج ہوگئیں، جن سے ہٹنا کلیسا کے نزدیک گویا گناہ ہوگیا۔ اس لئے وہ صدیوں تک بدستور قائم رہیں، اور روس ویونان میں تو اب تک قائم ہیں۔

جسٹینین اور کلیسا جسٹینین اپنے تئیں امور مذہبی میں بھی، خواہ معتقدات ہوں خواہ اعمال، مختار کل سمجھتا تھا۔ وہ خود بہت پختہ مذہبی تھا، اور اعتزال

و الحاد کو مٹانا داخلِ فرائض سلطنت سمجھتا تھا۔ چنانچہ اہل اعتزال و بدعت پر اس کے وقت میں سختیاں ہوتی تھیں، اور حقوق شہریت ان سے سلب کرلئے جاتے تھے۔ رومہ کے پادریوں کو وہ اپنے ماتحت عہدہ دار تصور کرتا تھا، وہ جب اُن سے ناخوش ہوتا تھا، تو انہیں قسطنطنیہ طلب کرکے تنبیہ کرتا، یا قید کردیتا، یا کبھی معزول و خارج البلد بھی کردیتا۔ اس کے حکم سے اندرونِ ملک میں تبلیغ و اشاعت مسیحیت کا کام جاری تھا۔ ملک میں اب بھی کثرت سے مشرکین تھے، کاشتکار تو تقریباً سب کے سب بت پرست تھے اور خود قسطنطنیہ کی چار دیواری کے اندر کثرت سے شرک و بت پرستی تھی۔ یہ لوگ ڈھونڈ ڈھونڈکر عیسائی بنائے جاتے تھے، ورنہ انہیں تعذیب و تعدی کا شکار بننا پڑتا تھا۔

اثینیہ کی یونیورسٹی: اس زمانہ میں دنیا کا ممتاز ترین بیت العلوم، اثینیہ (ایتھنز) کی یونیورسٹی تھی۔ پروفیسر سب مشرک تھے۔ لیکن اس کی شہرت و عظمت اس درجہ کی تھی، کہ مسیحی طلبہ بھی تحصیل علم کے لئے وہاں بھیجے جاتے تھے۔ بعض مشہور پادری یہیں کے تربیت یافتہ تھے۔ ۵۲۹ء میں جسٹینین نے اس دارالعلوم کو بند کردیا، اور فلاسفہ کو تعلیم دینے سے روک دیا۔ یہ لوگ گویا جلاوطن کردئے گئے۔ ان میں سے اکثر ایران اس اُمید پر گئے کہ وہاں آزادی و روا داری ہوگی، لیکن یہ اُمید بھی

مسموم نکلی، اور وہاں کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد وہ پھر وطن واپس ہوئے۔

قسطنطنیہ میں سازشیں

شہنشاہ کے سب سے بڑے دشمن اہل قسطنطنیہ تھے، جو اپنی شرارت و مفسدہ پردازی سے ہر وقت اُسے بغاوت کے اندیشے میں رکھتے تھے، جس کی بنا پر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ معاملاتِ سلطنت کی جانب متوجہ ہونے سے معذور تھا۔ اس وقت یہاں دو بڑے جتھے تھے۔ جن کے حامی و ہمدرد تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ دونوں جتھے، مذہبی و سیاسی ہر معاملہ میں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ ان کے ملنے کی عام جگہ سرکس تھے، جہاں ایک دوسرے پر حملہ کرتے، اور دونوں میں ہر ایک بادشاہ کو اپنا طرفدار بنانا چاہتا۔ دوڑوں کے وقت ایک فریق کی گاڑیوں کا رنگ سبز ہوتا اور دوسرے کا نیلا۔ اور یہیں سے خود ان کے بھی یہی نام پڑگئے۔ ”نیلے“ مذہب کی پرانی روش پر قائم، اور خاندان جسٹینین کے ہوا خواہ تھے۔ اور ”سبز“ اہل بدعت تھے، اور خفیہ طور پر خاندان اناسٹیسیس کے ہمدرد۔

مذہبی مناظرے

اس تمام منافرت و مخالفت کا اصلی باعث غالباً اختلافات مذہبی تھے۔ بات یہ تھی، کہ اس ساری طویل مدت میں، جب مسیحیت کا فلسفۂ یونان کیساتھ امتزاج، اور اس کے ساتھ تطبیق ہورہی تھی (یعنی پہلی

آٹھ صدیوں میں گو اس کا اصلی زور تیسری اور چھٹی صدی کے درمیان رہا ہے) یونان کی عقلی دنیا ایک عجیب تزلزل اور انتشار کی حالت میں تھی، اس کے ہاں کا ادنےٰ سے ادنیٰ فرد بھی فلسفہ و حکمت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مباحث پر گفتگو کرنے کو تیار رہتا تھا۔ کنجڑا، نائی، موچی، کسی کے پاس جائیے، تو وہ بجائے اپنے سودے اور معاملہ کے آپ سے الٰہیات و فلسفہ کے مسائل پر گفتگو کرنے لگتا۔ یہ اختلافی مسائل تمامتر مسیح علیہ السلام کی شخصیت، اور خدا سے اس کے تعلق کی بابت تھے، اور محض نظری حیثیت رکھتے تھے۔ ایرین ازم کا یہ مسلک تھا کہ مسیح نہ خدا ہے، نہ غیر مخلوق ہے، بلکہ مخلوق ہے، البتہ انسان سے اس کا مرتبہ بہت بالاتر ہے۔ عام پابند مذہب جماعت کا عقیدہ یہ تھا کہ "مسیح خدا کا بیٹا، خدا سے پیدا، نہ کہ مصنوع، اس لئے کہ خدا کا ہم ماہیت ہے"! اس کے علاوہ اگر مسیح خدا تھا، تو ساتھ ہی انسان بھی کیونکر تھا؟ اس کے جسم کی نوعیت کیا تھی؟ کیا اس کی دو ماہیتیں تھیں، ایک بشری، دوسرے ربانی؟ کیا دو ارادے تھے، انسانی و ربانی؟ یہ دونو باہم متحد کیونکر تھے؟ ان دونوں کے درمیان رشتہ اتحاد کیا تھا؟ یہ اور اسی قبیل کے دیگر مسائل وہ تھے، جو نہ صرف مجالس کلیسا میں، بلکہ دربار، بازار، گلی کوچہ، میں غرض ہر جگہ موضوع گفتگو تھے۔

مذہب و سیاسیات

اس زمانہ کے بہتر سے بہتر دماغ

بھی انہیں مسائل کے غور و مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔
اس پر ستم یہ ہوا کہ یہ سیاسیات سے مخلوط ہو گئے اور ہر
سیاسی مسئلہ مذہبی مسئلہ بھی بن گیا۔ اس کا ناگزیر نتیجہ یہ
ہوا، کہ باہمی منافرت، مخالفت میں اور زیادہ ترقی ہو گئی۔
جسٹینین کی غیور طبیعت کے لئے گو یہ ناممکن تھا کہ وہ ان میں
سے کسی ایک فریق کا اطاعت شعار مرید ہو جائے۔ تاہم مدت
تک اُسے ان کو قابو میں لانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی، اور
مجبوراً متعدد مواقع پر اسے توہین برداشت کرنی پڑی ۵۳۲ء
میں، ایک بلوے کے وقوع پر، جسٹینین نے ان دونوں فریقوں
کے سرغناؤں کو گرفتار کر کے قتل کا حکم دیدیا۔ لیکن ان میں
سے دو حراست سے نکل گئے، اور باہم متحد و متفق ہو کر
ہائپیٹیس کو شہنشاہ منتخب کر کے جسٹینین پر حملہ کر دیا۔ جسٹینین
اپنے مشیروں و درباریوں سے مشورہ کر رہا، اور فرار ہو جانے
کی تدابیر سوچ رہا تھا، کہ عین اسی وقت اس کی ملکہ
تھیوڈورا داخل ہوئی، اور کہا، کہ "گو میں عورت ہوں، لیکن
مجھے بھی تقریر کا حق ہے، اس لئے کہ میرے اغراض بھی وابستہ
ہیں۔ ہم سب کو موت زیادہ عزیز ہے، بہ مقابلہ اس کے کہ
اپنی شاہانہ تمکنت کی تحقیر کرائیں، اور جلا وطن و بے عزت
ہوں۔ میں خود اگر ملکہ نہ رہی تو زندگی بے کار ہے۔ بادشاہ
اگر اپنے لئے فرار کو ترجیح دیتا ہے، تو اسے اختیار ہے۔ اس کے
پاس روپیہ موجود ہے، سمندر قریب ہے، جہازات تیار ہیں۔

لیکن میں یہیں رہ کر جان دے دونگی۔ میرا دم اگر نکلے گا، تو تخت شاہی پر"۔ اس کی اس پر جوش تقریر سے جسٹینین کو بھی غیرت آگئی، اور اس کے حکم سے شاہی دستہ نے بیلیسیریس کے زیر علم

سازشوں کا قلع قمع

باغیوں پر اچانک حملہ کردیا، جو اس وقت تک سرکس پر قابض ہوگئے تھے، باغی گھبرا گئے۔ اور بیلسیریس نے ہزاروں کو خصوصاً ان کے سرغناؤں کو قتل کردیا؛ اس سے ان جتھوں کا بالکل قلع قمع ہوگیا شہراب بالکل بادشاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور اب بادشاہ کو بھی موقع ملا کہ امور سلطنت پر پوری توجہ کرسکے۔

شہنشاہ کا جرمن شکن طرز عمل

شہنشاہ کی پالیسی یہ تھی، کہ کل ہاتھ سے نکلے ہوئے علاقہ کو از سر نو فتح کرکے اپنی قلمرو کو گزشتہ حدود کے موافق وسیع کرے۔ اس غرض سے جرمن سلطنتوں کا استیصال ناگزیر تھا، اور جسٹینین نے اپنا رخ مغرب کی طرف پھیرا۔ افریقہ میں اوس نے ونڈالوں پر اور اٹلی میں مشرقی گوتھوں پر جو فتوحات حاصل کیں، ان کا ذکر ابھی ہوچکا ہے۔ اسپین میں (۵۵۴ء) اس نے مغربی گوتھوں پر بھی حملہ کیا، لیکن صرف چند ساحلی مقامات لے سکا۔ اس کے جوڑ توڑ سے ڈینوب کے شمال میں جتنے جرمن قبائل (لومبرڈ، گیپیڈی، و ہرولی وغیرہ) تھے، وہ سب آپس میں لڑنے لگے۔ لیکن

جسٹینین کو اپنی اس جرمن شکن پالیسی میں ناکام رہنا پڑا، اس لئے کہ ایرانیوں، سلافوں، آوروں، اور بلگیریہ والوں سے بھی اسے جنگ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ایران،

ایران

خسرو اول (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) کے زمانہ میں منتہائے شباب پر تھا، اور جسٹینین اپنے اس موروثی دشمن کے مقابلے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ مشرقی گوتھوں کے مقابلے میں اس کی فتوحات ایک سے زائد بار اس لئے ملتوی رہیں کہ اُسے اپنی ساری فوجیں مشرق کی جانب منتقل کردینی پڑیں، تاہم باوجود اپنی انتہائی طاقت صرف کردینے کے اُسے ایرانیوں کے ہاتھوں شکست کامل نصیب ہوئی۔ خراج دینا پڑا اور

سلاف

اپنے مشرقی قلمرو کے ایک ٹکڑے سے بھی دست برداری پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی طرح سلافوں نے بھی جسٹینین کے منصوبے میں کافی خلل ڈالدیا۔ جونہی جرمنوں نے بالٹک کے جنوب کی زمین کا تخلیہ کیا فوراً سلافوں نے آکر اس جگہ پر قبضہ کرلیا، اور مغرب میں دریائے الب تک اپنی حکومت قائم کرلی۔ اہل بویریا جوں جوں تخلیہ کررہے تھے، وہ پوری سرعت کے ساتھ ان کی جگہ لیتے جاتے تھے۔ چنانچہ بوہمیا، موریویا، اور موجودہ آسٹریا کے اکثر حصوں پر وہ قابض ہوگئے ایک سے زائد بار انہوں نے ڈینیوب کو عبور کرکے ادھر کے صوبوں پر بھی دھاوے کئے۔ بلکہ خود قسطنطنیہ معرض خطر میں آگیا۔ اُنھوں نے

جزیرہ نمائے بلقان میں گھس کر وہاں بھی اپنی بستیاں قائم کیں چنانچہ بوسنیا، ڈالمیشیا، سرویہ ودیگر سلافی ریاستیں اسی زمانہ کی آبادیاں ہیں، جو اس وقت آسٹریا یا ٹرکی کے زیرنگیں ہیں۔ کچھ روز بعد انہوں نے یونان میں بھی اپنا قدم جمایا۔ اور پیلو پونیسس پر تو ان کا ایسا قبضہ جما کہ اوس کا نام ہی سلافونیا پڑگیا۔

بلغاری

بلغاری اصل میں یورال الٹائی باشندے ہیں، جو یورپ میں آکر سلافی قبائل کے درمیان آباد ہوئے، اور انہیں میں مخلوط ہوگئے۔ اب ان کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا۔ اور اس کا اطلاق بھی سلافیوں پر ہونے لگا، جن کے ساتھ یہ بالکل مختلط وممزوج ہوگئے تھے ان کی زبان، قومیت، رسم ورواج سب فنا ہوگئے اور یہ سلافیوں ہی کا جزو بن گئے یہ مخلوط النسل لوگ ہر سال شہنشاہی پر حملہ آور ہوا کرتے تھے، اور اس کے بعض خوشنما مقامات کو ضرور تاخت وتاراج کرتے۔ ۶۸۰ء میں یہ آکر بلغاریہ میں مستقل طور پر آباد ہوئے۔

آور

۵۵۸ء میں آوروں نے شہنشاہی پر مشرق سے حملہ کیا، اور جب خوب نقصان پہنچا چکے تو کارل اعظم نے انہیں وسط ڈینوب میں آباد کرادیا، مگر رفتہ رفتہ یہ بھی سلافیوں میں جذب ہوگئے۔

جدید جرمن قبائل خوش قسمتی سے عین اس وقت جبکہ جسٹنین، جرمنوں کے استیصال کی فکر میں تھا، جرمنوں کو بڑی تقویت اس واقعہ سے پہنچ گئی کہ بویری، اور اٹلی میں لومبرڈ، اور فرانک آباد ہو گئے۔ (فرانک کا ذکر آئندہ باب میں آئیگا۔)

بعض جرمن قبائل موسوم بہ مارکوئینی ایک زمانہ میں بوہمیا میں آباد ہو گئے تھے، اور یہیں سے ان کا نام بویری پڑگیا تھا لیکن ۵۰۰ء کے کچھ ہی روز بعد انہوں نے بوہمیا کو چھوڑ کر اس ملک میں توطن اختیار کیا، جو انہیں کے نام سے موسوم ہے، اور جہاں سے وہ پھر کبھی دفع نہیں ہوئے۔

لومبرڈوں نے ادھر اُدھر پھرنے پھرانے کے بعد بالآخر پینونیا میں سکونت اختیار کی وہ اب شہنشاہی کے حلیف ہو گئے تھے، اور جسٹنین ہی کے حسب ایما انہوں نے ہردلی و گیپڈی قبائل سے آویزش شروع کر دی تھی۔ جسٹنین انسے خائف رہتا تھا، اور اس کے زمانے میں ان کا کوئی حملہ نہیں ہوا۔ مشرقی گوتھوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد اسنے نارسز کو اٹلی کا والی مقرر کیا تھا، اور اس کا مستقر رونیا قرار دیا تھا۔ جسٹنین کے جانشین جسٹن دوم نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی۔ اس کا انتقام لینے کیلئے اس نے اٹلی کے لومبرڈوں کو دعوت دی اور یہ وعدہ کیا کہ انہیں گزند نہیں پہنچائے گا۔ یہ لوگ اپنے بادشاہ البیوں

لومبرڈ اٹلی میں ۵۶۸ تا ۰۰ء

(۵۶۸ھ) کی سرکردگی میں آئے، اور بعض قبائل کے بھی
کچھ لوگ ساتھ لیتے آئے۔ یہ لوگ شمالی اٹلی میں آکر آباد ہوگئے
اور پیویا کو اپنا دارالامارت بنایا۔ پھر یہ جنوب کی طرف بڑھے
اور اٹلی کو تاخت وتاراج کرنے کے بعد بینیونٹو و اسپولیٹو
کی ریاستیں انہوں نے قائم کیں البیون اسی کے بعد قتل
ہوگیا، اور ایک سردار کلیف بادشاہ منتخب ہوا۔ اس کی
فرماں روائی کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا، کہ اسکا
بھی وہی حشر ہوا۔ ۱۰ سال تک لومبرڈ بغیر بادشاہ کے متعدد
ٹکڑیوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہوکر ایک ایک نواب کی
ماتحتی میں گزر کیا کئے۔ بادشاہی کا پورا تصور ان کے
ذہن میں نہ تھا، اور نہ وہ بادشاہ کے وجود کو چنداں ضروری
سمجھتے تھے۔ اسلئے شہنشاہی سے پہلے جو طرز حکومت قائم
تھا انہوں نے اسی جانب عود کیا۔ اور روایت تو یہ ہے، کہ
ایک زمانہ میں ۳۵ مختلف نواب ان پر حکمراں تھے! ہر سمت سے
وہ دشمنوں سے محصور تھے، اور ان کا باہمی اختلاف ان کی
جڑ کھوکھلی کررہا تھا۔ کوئی ۵۸۴ھ میں انہیں یہ احساس پیدا
ہوا، کہ بادشاہ کا وجود ضروری ہے، اور اتھوری کو انہوں
نے منتخب کیا، لیکن نواب لوگ جو زور پکڑ چکے تھے، ان سے
بادشاہ پوری طرح عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ بینیونٹو و اسپولیٹو کی ریاستیں
تو برائے نام ہی اس کی مطیع ہوئیں۔ غرض اسی طرح شہنشاہی
سے جو قطعات چھین لئے گئے تھے، ان پر مستقل قبضہ رہا لیکن

لومبرڈ کبھی پوری اٹلی مسخّر کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ رونیا جو اقصائے جنوب میں واقع تھا' اور ریاست رومہ البتہ اب بھی شہنشاہی کا جزو رہیں۔ دوسرے جرمنوں کے برخلاف لومبرڈ عموماً شہروں اور قصبات میں رہتے تھے۔ ان کی اس حضریت کا نتیجہ یہ ہوا' کہ اطالوی تمدّن جلد نشو نما پاگیا اور قرون وسطیٰ میں ان کی رونق وشوکت کا دارو مدار کم ازکم ایک حدتک تو باشندوں کے جرمنی النسل ہونے پر تھا۔

باب (۳)

قوم فرینک ۴۸۱ء تا ۸۱۴ء

۴۸۱ء میں کلوڈوگ، سیلیائی فرنیکوں کے ایک قبیلے کا
جو مضافات شلٹ و میوز میں آباد تھا، بادشاہ بن بیٹھا۔
رفتہ رفتہ آس پاس جتنے سلاطین تھے ان سب کو اسنے
بزور یا بہ فریب مسخّر کرلیا، اور بالآخر تمام فرینکی قبائل کو اپنے
زیر نگیں لے آیا۔ اس نے سب سے اوّل جو بڑی معرکہ
کی فتح حاصل کی وہ ایک رومی عامل سیاگریس کے مقابلے میں
تھی، جو اس وقت لویر و سین کے درمیان ایک ضلع کا
حاکم تھا۔ اس پر غالب آکر کلوڈوگ نے اس علاقہ پر قبضہ
کرلیا، اور اپنے مقبوضات کو لویر تک وسیع کرلیا (۴۸۶ء) ۴۹۶ء
میں اُس نے الیمنی کو بھی مسخر کرلیا، اور اس فتحمندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسنے

مسیحیت کی عام ورائج الوقت شکل اختیار کرلی اور اپنی کثیر رعایا کے ساتھ اصطباغ لے لیا۔ رئمس کے پادری نے، جس کے ہاتھوں یہ رسم ادا ہوئی، اُسے قسطنطین ثانی کے لقب سے مخاطب کیا، اور اسے ہدایت کی، کہ کلیسا کی حمایت وتوسیع اس کے فرائض میں داخل ہے۔ کلوڈ وگ اور فرینکوں کے اس تحویل مذہب سے رومی اسقفوں اور فرینکی سلاطین کے درمیان اس اتحاد کی بنیاد پڑگئی، جو باوجود درمیانی خلل کے صدیوں تک قائم رہا، اور جس نے رفتار حوادث پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔

کلوڈ وگ کا سلسلہ فتوحات برابر بڑھتا رہا یہاں تک کہ شمالی پرنیز کا تقریباً سارا علاقہ مغربی گوتھوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۵۱۱ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو اس کی سلطنت اس کے چاروں بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ یہ لوگ گو خود باہم مصروف پیکار رہے، تاہم اپنے حدود قلمرو میں توسیع کرتے گئے۔ ۵۳۱ء میں تھیورنجیا، ۵۳۴ء میں برگنڈی، اور ۵۵۵ء میں بویریا کے علاقے ان کے قبضے میں آگئے۔ کلوتھر (۵۰۰ء تا ۵۶۱ء) کے عہد میں یہ تمام مقبوضات تنہا اسی کے زیرنگیں آگئے لیکن اسکی وفات پر پھر اس کے چاروں فرزندوں کے درمیان تقسیم ہوگئے مگر یہ تقسیم بھی عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ مغربی فرینک روز بروز رومہ کے اثر میں آتے جاتے، اور مشرقی فرینکوں سے بیگانہ ہوتے جاتے تھے، جن میں اب تک پوری طرح جرمنیت وجنگجوئی باقی تھی۔ اس اختلاف باہمی ومغائرت کو اس سے

اور زیادہ ترقی ہوتی گئی، کہ یہ دونوں علاقے دو مختلف بادشاہوں کے زیرنگیں تھے، جو خود باہم مصروف پیکار رہتے۔ مشرقی علاقہ آسٹریسیا سے موسوم تھا اور مغربی نیوسٹریا سے چھٹی صدی کے نصف آخر میں خانہ جنگیوں نے ان دونوں سلطنتوں کو سخت پراگندہ رکھا، جس کی بانی مبانی ملکہ فریڈیگونڈا و برونہلڈا تھیں۔

کلوڈوگ کے زمانے سے فرینکی بادشاہوں کے ہاں ایک جدید منصب اہم وجود میں آگیا۔ جوں جوں بادشاہ کے مرتبہ واقتدار میں ترقی ہوتی گئی، شاہی محل کے کارخانہ کو بھی وسعت حاصل ہوتی گئی۔ انکے انتظامات کے لئے اسنے ایک خاص عہدہ دار مقرر کیا، جس کا لقب داروغہ محل ہوا۔ ابتداءً اس عہدے کی محض خانگی حیثیت تھی، لیکن رفتہ رفتہ اسے سیاسی اہمیت بھی حاصل ہوتی گئی۔ داروغہ محل گویا بادشاہ کا کان تھا، بادشاہ تک رسائی وشنوائی صرف اسی کے ذریعہ سے ہوسکتی تھی۔ یہاں تک کہ بالآخر اس عہدہ کی اصل غرض وغایت فوت ہوگئی، یہ شخص بادشاہ کا مشیر خاص ہوگیا اور ہر معاملہ اسی کے مشورے واثر سے طے پانے لگا۔ یہ داروغے آسٹریسیا ونیوسٹریا دونوں سلطنتوں میں ہوتے تھے امرا نے ابتداءً اس عہدہ کو اپنے زیر اثر لانے کی سخت کوشش کی، مگر ناکام رہے، تا آنکہ ایک بچہ آسٹریسیا کے تخت پر بیٹھا اس وقت امرا کو موقع مل گیا۔ انہوں نے

اس بچے کو اپنے قابو میں رکھا، اور اپنے ہی میں سے ایک شخص
کو داروغہ ونائب السلطنت بنادیا۔ بادشاہ بچہ تھا اس لئے یہی
داروغہ سیاہ وسفید کا مختار بن گیا، اور بادشاہ کو پھر کبھی حقیقی
شاہانہ اقتدار نصیب نہ ہوا۔

ڈاگوبرٹ (سنہ ۶۲۸ تا سنہ ۳۸) جو تمام فرینکوں کا بادشاہ تھا
آخری تاجدار تھا، جسے خود مختار کہا جاسکتا ہے۔ اس کے
بعد جتنے سلاطین ہوئے وہ محض برائے نام تاجدار تھے، وہ
در اصل کٹ پتلی تھے، جنہیں یہی داروغہ "بے تاج کے بادشاہ"
جسطرف چاہتے تھے پھراتے تھے، اور خود جو چاہتے تھے کرتے
تھے ڈاگوبرٹ کی وفات کے بعد یہ داروغگی کا عہدہ پپن اکبر کے
خاندان میں موروثی ہوگیا۔ یہ پپن، لینڈن وہرستھال نامی دو
جاگیروں کا مالک تھا۔ آرنولف اُسقف مٹز متاہل تھا (جیسا کہ اُس
زمانے کے اکثر پادری تھے) اس کے فرزند اینسیگیس کی شادی
پپن کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ ان دونوں کی جو اولاد پیدا ہوئی
اسکا نام کارل اعظم کے نام پر کارلنگ پڑگیا۔ پپن نے اپنے عہدۂ
داروغگی کا جانشین اپنے فرزند گریموالڈ کو بنایا۔ اس نے اپنے
فرزند کو بادشاہ بنانا چاہا، مگر اس سعی میں خود جان سے گیا
رعایا اب تک شاہی خاندان کے ساتھ جذبات عقیدت
ووفاداری رکھتی تھی، اور امرا کو گریموالڈ سے اس قدر حسد
تھا، کہ انہیں کیسی طرح گوارا نہ تھا کہ اس کے فرزند کو تخت
شاہی پر متمکن دیکھیں۔

پپن اصغر (یا پپن والی ہرستھال) نے منصب داروغگی پر زبردستی قبضہ کرلیا، اور اسٹریسیا پر حکومت کرنے لگا۔ ایک طویل جنگ کے بعد (۶۸۷ تا ۷۱۴ء) اس نے نیوسٹریا پر بھی قبضہ کرلیا، اور اس طرح سے سارے فرنگستان کا حاکم و والی ہوگیا۔ اس نے جو طرز حکومت اختیار کیا اور جس کا اتباع اس کے جانشین بھی کرتے رہے، اسکا ثمرہ کارل اعظم کی حکومت میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے وسیع مقبوضات کو مضبوط کرنا چاہا، ایک مرکزی حکومت قائم کرنا چاہی، اپنی سلطنت کو بالکل خود مختار بنانا چاہا، اور اس کوشش میں لگا رہا کہ اس کی تمام رعایا میں یکسانی پیدا ہو۔ اس کے فرزند کارل مارٹل (۷۱۴ء تا ۷۴۸ء) نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اس کا زمانہ محاربات سے لبریز گزرا ہے اسلئے کہ جہاں ذرا بھی موقع ملتا تھا، فوراً بغاوت ہوجاتی تھی۔ فریسی، نیوسٹری، تھیورنجی، بویری، المینی، ایکویٹینی، ان سبھی قوموں نے تو علم بغاوت بلند کیا، جسے صرف زورِ شمشیر نے سرنگوں کیا۔ مسلمانوں نے ۷۲۰ء میں اسپین سے فرنگستان پر حملہ کیا، لیکن کارل مارٹل نے بمقام تور ۷۳۲ء مقابلہ کرکے ان کا زور اس طرح توڑا، کہ پھر یہ پیرینیز سے آگے کبھی نہ بڑھ سکے۔

کارل نے وفات سے قبل اپنی حکومت اپنے دونوں لڑکوں کارل من و پپن کے درمیان تقسیم کردی تھی۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی

باہم موافقت کے ساتھ کام کرتے رہے، تا آنکہ کارلمن اس
خدمت سے علیحدہ ہوکر خانقاہ نشین ہوگیا اور اب داروغگی
کا تنہا وارث پپن قرار پاگیا۔ پپن نے موقع دیکھکر تخت
شاہی پر قابض ہو جانا چاہا۔ اس ارادے سے اس نے
ایک قاصد پاپائے روما زکریا کے پاس اس استفتا کیساتھ
بھیجا۔ کہ بادشاہ کس کو تسلیم کرنا چاہئے، اسے جو گو شاہی لقب
نہیں رکھتا، لیکن عملاً فرماں روا ہے، یا اُسے جو گو لقب شاہی
رکھتا ہے، لیکن عملاً بالکل بے اختیار ہے۔ پاپا کو خود اسوقت
ایک حامی کی تلاش تھی، اس نے جواب دیا کہ بادشاہ وہ ہے
جو عملاً فرماں روائی کرتا ہے۔ پپن نے اب (۷۵۱ء) بہ مقام
سوئیسن اُمرا کی ایک مجلس منعقد کی، اور قدیم مروونجی نسل کے
آخری برائے نام تاجدار کو، جس کا سلسلہ کلوڈوگ نے قائم کیا
تھا، معزول کرکے اپنے تئیں بادشاہ مقرر و منتخب کرایا۔

پپن کے حملہ لومبرڈی اور مظلوم پاپائیت کی حمایت کی
کیفیت آگے چلکر بیان ہوگی۔ اس نے اپنی وفات کے وقت
(۷۶۸ء) اپنی سلطنت اپنے فرزندوں کارلمن و کارل کے
درمیان تقسیم کردی، مگر یہ دونوں باہم سخت عداوت رکھتے
تھے، جنگ ہونا یقینی تھی، کہ ۷۷۱ء میں کارلمن کی
وفات ہوگئی۔

پاپا اور لومبر اہل لومبرڈی میں اب پھر چلنے لگی۔ کارل کو
لومبرڈوں سے پرانی رنجش چلی آتی تھی، وہ فوراً پاپا کی حمایت پر

آمادہ ہوگیا۔ اس نے لومبرڈی پر حملہ کیا، اِس کے بادشاہ ڈیسیڈیریئس کو شکست دی، اور خود وہاں کا تاجدار بن بیٹھا تسخیر لومبرڈی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اس لحاظ سے کہ اس سے کارل کے تعلقات اٹلی اور پاپائیت سے بہت قریب کے ہوگئے۔

بعض دیگر وجوہ سے اسی قدر اہمیت سیکسنوں کی تسخیر کو حاصِل ہے۔ ۳۰ برس سے زائد مدّت تک (۷۷۲، تا ۸۰۴) کارل اُن سے لڑتا رہا۔ مگر ہر سال یہ واقعہ پیش آتا رہا کہ جب وہ اُن کے ملک پر تاخت وتاراج کرتا تھا، تو یہ لوگ اطاعت اور قبول مسیحیت کا وعدہ کرلیتے تھے، اور جوں ہی اس کی فوجیں واپس ہوتی تھیں۔ یہ لوگ فوراً علم بغاوت بلند کردیتے، کلیساؤں کو مسمار کرتے، مسیحی مقتدایان مذہب کو قتل کر ڈالتے، اور پھر شرک وبت پرستی میں مبتلا ہوجاتے لیکن بالآخر کارل نے انہیں مغلوب ومسخر کرہی لیا، اور ان لوگوں نے اطاعت قبول کرلی۔ اس نے ملک کو مختلف اسقفیوں میں تقسیم کردیا، اور منڈن، پیڈربورن، ورڈن، بریمن، اسنابروک، وھیلبرٹاٹ میں اسقف مقرر کردئے۔ ان مقامات نے بہت جلد شہروں کی حیثیت اختیار کرلی، اور تمدّن و معاشرت کے مرکز بن گئے، جن کے مابین اغراض سفر وتجارت کے لئے بڑی بڑی سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔

کارل کا عہد حکومت ایک غیر منقطع سلسلہ محاربات کا

زمانہ رہا۔ بویریا میں بغاوت ہوئی، یہ وہاں پہنچا، اور ۷۸۸ء میں وہاں کے والی کو معزول کرکے خود ایک حاکم مقرر کیا وسطی ڈینوب پر آوروں کی جو حکومت تھی، کئی حملوں کے بعد وہ بھی تباہ ہوئی۔ البؔ و اوڈر کے درمیان جو سلاف آباد تھے، وہ بھی مسخر ہوئے، اور بوہمیا نے خراج دینا منظور کیا اس کے آخر زمانہ میں شمالیوں نے سرحد شمالی پر دھاوے کرنے شروع کئے۔ اندلس کے مسلمانوں کو اس نے ابرو کے پار تک بھگا دیا، اور اس کے بیڑے سے مسلمانوں سے بحر روم میں سارڈینیا، کارسیکا، و دیگر جزائر کے لئے مقابلہ ہوتا رہا۔ اٹلی کے جنوب میں اس کی فوج سے اور شہنشاہ یونان سے ان بن ہوگئی، لیکن زیادہ کشت و خون نہیں ہونے پایا۔ کارل اپنی سب لڑائیوں میں کامیاب ہی رہا اور اس لئے اس نے اپنے حدود قلمرو ہر طرف خوب وسیع کئے۔ اور اس کی انہیں فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا، کہ مغرب میں شہنشاہی اور لقب شہنشاہی کی بنیاد پڑی۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات سے معلوم ہوا ہوگا، مغرب ایک عرصہ سے گویا شہنشاہی کا جزو رہا ہی نہ تھا۔ تاہم یہ عام خیال موجود تھا، کہ شہنشاہی کو قائم ضرور رہنا چاہئے، اس کا قیام امن عالم کے لئے لازمی ہے، اور مغرب اسکا جزو ہے۔ کلیسا کی تعمیم اور مذہبی اتحاد کے اثر نے اس سیاسی اتحاد کے خیال کو اور زیادہ تقویت دیدی تھی۔ روما کے

درباریوں نے شہنشاہ قسطنطنیہ کو اپنا حاکم بنالیا تھا۔ لیکن آٹھویں صدی میں ایک مخالفت پیدا ہوگئی تھی، جس کی بناپر پادریوں کو کسی دوسرے حامی کی تلاش تھی۔ فرینکی سلطنت کے اقتدار اور پادریان رومہ کے ساتھ اس کے اتحاد نے مغرب میں قیام شہنشاہی کے خیال کو سرسبز کردیا۔

رومہ میں اس وقت ایک جماعت موجود تھی جو اس فکر میں لگی رہتی، کہ اسے خود مختاری نصیب ہو اور اسکی گزشتہ عظمت عود کر آئے۔ قرون وسطیٰ میں جو خیال دلوں پر اس قدر مسلط رہا وہ خواب ابھی سے دیکھا جانا شروع ہوگیا یعنی یہ کہ رومہ میں پھر قدیم جمہوریت قائم ہو، اور اسے پھر عالم کی سرداری نصیب ہو۔ لیکن پاپا اس جماعت کیلئے سدّ راہ ہورہا تھا، جو شخصی حکومت قائم رکھنا چاہتا تھا ۷۹۸ء میں اس جماعت نے پاپا لیو سوم پر دروغ حلفی و زناکاری کے الزامات قائم کرکے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور اسے رومہ کے باہر نکال دیا۔ اسنے بھاگ کر کارل اعظم کے پاس پناہ لی، اور اس سے خواستگار اعانت ہوا۔ کارل نے اپنے حکام کی حفاظت میں اسے رومہ روانہ کیا، اور متعاقب خود بھی روانہ ہوا۔ لیو نے اپنی بیگناہی کا حلف اٹھایا، اور اس پر معاملہ ختم کرکے کارل نے اسے ازسرنو پاپائیت پر فائز کردیا۔ ۲۵ دسمبر ۸۰۰ء کو جس وقت کارل سینٹ پیٹرس کے گرجا میں عبادت کے لئے سر جھکائے

ہوئے تھا، دفعتہً جبکہ اُسے سان وگمان بھی نہ تھا پاپا نے
تاج شہنشاہی لاکر اس کے سر پر رکھ دیا، خود اس کی تعظیم
کے لئے جھک گیا، اور تمام حاضرین نے بادشاہ سلامت
کے نعرے لگانے شروع کردئے۔ کارل اس واقعہ سے
دنگ رہ گیا اس میں شبہ نہیں کہ تاج کا تو وہ خود بھی
متمنّی تھا، لیکن وہ اسے جائز ذرائع سے حاصل کرنا چاہتا
تھا، یعنی یا تو اس طور پر کہ فرماں روائے قسطنطنیہ ملکہ آیرین
سے شادی کرلے۔ یا اُس سے اپنے تئیں مغرب کا شہنشاہ تسلیم
کرائے۔ اس کا ذہن ان تدبیروں کی جانب دوڑ رہا تھا
کہ دفعتہً پاپا نے یوں زبردستی تاج شہنشاہی اس کے سر پر
رکھدیا اور اُسے خود اسی کی نظر میں غاصب قرار دے دیا
اس لئے کہ وہ خوب جانتا تھا، کہ پاپا ہرگز اس کا مجاز نہیں
کہ جس کو چاہے، تاج پہنا دے۔ پاپا کا یہ فعل علانیہ
شہنشاہ قسطنطنیہ کے خلاف بغاوت کا حکم رکھتا تھا، گو وہ
اپنے تئیں بعض اسباب کی بناپر حق بجانب خیال کرتا تھا
شہنشاہوں نے عرصہ دراز سے کلیسائی مغربی بالخصوص
پاپاؤں کی خدمت گزاری نہیں کی تھی۔ اور حالات ایسے
آپڑے تھے کہ شہنشاہ کا دائرہ عمل مشرق میں اور پاپا کا
اقتدار مشرق میں محدود ہوکر رہ گیا تھا۔ شہنشاہ نے جب
کبھی مغرب کے معاملات میں مداخلت کرنی چاہی، تو اس سے
عموماً پاپا کو نقصان ہی پہنچتا تھا۔ ایسی حالت میں یہ ہونیوالی

بات تھی کہ پاپا اس کے خلاف بغاوت، اور کسی دوسرے کے زیر اثر آنے پر آمادہ ہو۔ پھر مشرق میں یہ بدعت شائع ہورہی تھی، کہ بتوں کو معابد میں رکھنا گناہ خیال کرنے لگے تھے ان سب پر مستزاد مغرب کو یہ سخت شاق گزر رہا تھا کہ ایک خاتون فرماں روائی کر رہی ہے، اور محض عورت ہونے کی بناپر مبغوض نہ تھی، بلکہ وہ اس قدر ظالم وقسی القلب بھی تھی۔ کہ اپنے فرزند قسطنطین ششم کو اس نے معزول و قید کرنے کے ساتھ ہی اندھا بھی کردیا تھا۔ ان تمام تائیدی اسباب کے ساتھ پاپا کے شریک وہ لوگ بھی ہوگئے جو رومہ کی وہ گزشتہ عظمت و رونق دیکھنے کے آرزومند تھے، جو اب قسطنطنیہ کے حصہ میں آگئی تھی۔

شہنشاہی کا حق سب سے زیادہ کارل کو پہنچتا تھا اُس نے بہ زور شمشیر بجائے خود ایک شہنشاہی قائم کرلی تھی جو تمام مغربی یورپ کے علاقہ پر مشتمل تھی، اُس نے اس کے حدود میں وسعت دی تھی، امن و اماں قائم کیا تھا، اور کلیسا کی ہر جگہ حفاظت وحمایت کی تھی، کہ اسکا ساتھ دیا جائے۔ شہر کی جمہوریت پسند جماعت اسے ایک دفعہ خارج البلد کرچکی تھی، اور اگر بس چلتا تو اب پھر بھی کرتی پاپا کو اپنی عافیت اسی میں نظر آئی، کہ کارل کو اپنا حامی و دوست بنائے۔ تاج سر پر رکھنے کے بعد قیام امن واماں کی ذمہ داری کارل کے سر آپڑی تھی، اور اس سے پاپا کو

مدد ملنی یقینی تھی، اس لئے کہ کارل نہ یہ گوارا کرسکتا تھا کہ روسہ خود مختار ہوجائے اور نہ یہ کہ مغرب کا اسقف اعظم خارج البلد ہو۔

کارل نے پاپا کے اس فعل کو حیرت وناگواری سے تو بہت دیکھا، لیکن تاج سر سے اُتارا نہیں شہنشاہ کا لقب اس نے اختیار کرلیا، اور برابر اس کوشش میں رہا، کہ شہنشاہ قسطنطنیہ اسے اپنا ہمسر تسلیم کرلے، اور اس سے اس کو اپنی شہنشاہی کی سندِ جواز ہاتھ آجائے۔ لیکن اس وقت کے شہنشاہانِ قسطنطنیہ بڑے مستبد وتندمزاج تھے وہ کسی طرح اس ڈھب پر نہ آئے۔ بلکہ اُلٹے اس کی تحقیر وتذلیل ہی کرتے رہے۔ کارل اس بددلی سے برافروختہ نہیں ہوا، بلکہ برابر مصالحانہ کوششیں جاری رکھیں، یہانتک کہ بالآخر ۸۱۲ء میں شہنشاہی سفیروں نے اُسے "امپراطور" و "باسیلیاس" کے القاب سے یاد کیا، جو "شہنشاہ" کے مرادف تھے، اور اس سے اس کی غرض حاصل ہوگئی۔

کارل کا تاج پہن لینا بیانات بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایک باغیانہ وناجائز فعل تھا۔ اور گو کارل بذات خود ہمیشہ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں کو تسلیم کرتا رہا، تاہم مغرب میں علی العموم یہ خیال پھیل گیا تھا، کہ مشرقی شہنشاہی کے خاتمہ اور مغرب کی عظمت گم گشتہ کے اعادہ کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ ان کی فہرست شہنشاہان میں قسطنطین ششم کے

بعد کارل ہی کا نام آتا ہے۔ اس کی تخت نشینی یقیناً ایک بغاوت تھی، اور یہی ان لوگوں کا منشا بھی تھا، اُس وقت کسی نے اس کی بھی پروا نہ کی، کہ اس کا کوئی قانونی جواز پیش کرے۔ لیکن کچھ روز کے بعد اس کی مختلف تاویلات پیدا ہونے لگیں، چنانچہ یہ تین تاویلیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شہنشاہی فریق کا یہ دعویٰ، اور واقعیت کے لحاظ سے بالکل بجا، دعویٰ تھا، کہ کارل کے حق کی بنا اس کی ملک گیری و فتوحات پر تھی، ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔ پاپا کے مقلدین نے یہ شق اختیار کی، کہ جب پاپا نے بہ حیثیت نائب حواری پطرس، شہنشاہ قسطنطنیہ کو معزول کرکے کارل کے سر پر تاج رکھ دیا، تو استناد کے لئے یہ بالکل کافی ہے۔ لیکن یہ تاویل بہت بعد میں پیدا ہوئی، اُس وقت یہ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، کہ پاپا اس حیثیت سے یہ فعل انجام دے رہا ہے۔ باشندگان رومہ ایک تیسری دلیل کارل کے استحقاق تاج کی پیش کرتے تھے، کہ انہوں نے دستور قدیم کے مطابق اُسے اپنا حکمراں منتخب کیا ہے۔ اس استدلال کی بنا واقعیت پر صرف اس قدر ہے، کہ خلقت نے کارل کی سر پر تاج دیکھ کر نعرہ ہائے مسرت بلند کئے تھے، اور بس۔

یہ ہے مغرب میں تجدید شہنشاہی کی سرگزشت جو بلحاظ نتائج ایک اہم ترین واقعہ ہوا ہے۔ اس نے اٹلی و جرمنی کے

درمیان ایسا اتحاد پیدا کردیا، جو باوجود دیگر منافع کے کم از کم سیاسی حیثیت سے دونوں کے حق میں برباد کن ثابت ہوا۔ یہ اسی تاجپوشی کا اثر تھا، کہ پورے سات سو برس تک جرمن سلاطین اس غلط فہمی کی بنا پر کہ آٹلی پر حکمرانی ان کے فرائض میں داخل ہے۔ آٹلی میں برابر لاحاصل فوجکشی کرتے رہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی قوت مشرقی قلمرو کی توسیع میں صرف کریں، کہ اسی رخ کامیابی ممکن تھی۔ آٹلی میں کیا کامیاب ہوتے، خود جرمنی میں اتحاد پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ اس کے بہتر سے بہتر سلاطین کا بہترین وقت آٹلی کی سرزمین میں ضائع ہوا اور جرمنی کا سیاسی اتحاد زمانہ موجودہ سے پیشتر عمل میں نہ آسکا۔

کارل کے تاجدار ہوجانے سے اس کی شان وعظمت و اقتدار میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا "شہنشاہ" کا لقب "بادشاہ"، سے بہت بڑھا ہوا ہے، اس کے فرائض اور ذمہ واریاں بھی بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ کارل خود اس جدید لقب کی بنا پر اپنے تئیں بہت بڑا شخص سمجھنے لگا۔ شہنشاہ کے متعلق یہ خیال تھا، کہ اسے یہ مرتبہ براہ راست خدا سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ صرف خدا ہی کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ اس عقیدہ کی جھلک خود کارل کے طرز عمل میں بھی نظر آتی ہے۔ چنانچہ شہنشاہ ہونے کے بعد اس نے اپنی رعایا سے جو حلف اطاعت اٹھوایا، وہ یہی نہ تھا کہ

وہ ہمیشہ بہ حیثیت عمدہ شہریوں کے رہیں گے، بلکہ بہ حیثیت عمدہ مسیحیوں کے بھی رہینگے۔ گویا شہنشاہ نے اپنی رعایا کے مذہب کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔

اس لق و دق مملکت کی حکمرانی کے لئے کارل کو نئے طریقے وضع کرنے پڑے، اور پرانے دستوروں میں ترمیم کرنی پڑی۔ اس نے قدیم جرمن دستور کے مطابق مئی میں دربار عام منعقد کرنا شروع کئے، اور گو ان میں اس کی ساری رعایا شریک نہیں ہو سکتی تھی، تاہم ایک بڑی تعداد ضرور شریک ہوتی تھی اس لئے کہ بڑی بڑی مہمات اسی میں طے پاتی تھیں۔ اس نے اپنی مملکت کو پرگنوں میں تقسیم کردیا، اور ہر پرگنہ پر ایک پرگنہ دار مقرر کر دیا مغرب میں یہ پرگنے شہروں اور ان کے مضافات پر مشتمل تھے، مشرق میں ان سے مراد قدیم جرگہ وار حد بندیوں سے تھی، اور سرحد پر نئے اضلاع وجود میں لاکر سرحدی پرگنہ داروں کے تحت میں رکھے گئے۔ پرگنہ دار اپنے پرگنے کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔

اکوٹین ایلمنا، سیکسنی، و بویریا کی ریاستیں فنا ہوگئیں، اس لئے کہ ان کے وجود سے شہنشاہی کو خطرہ تھا۔ اب صرف بینی ونٹو، بریٹانی، و گیکنی کے رئیس باقی رہ گئے، لیکن درحقیقت وہ بھی اب رئیس نہ تھے، بلکہ محض کارل کے عہدہ دار تھے۔

حکام و عمال پر نگرانی رکھنے کے لئے کارل نے چند دورہ کرنے والے کمشنر مقرر کئے، جو تمام ملک میں دورہ کرتے پھرتے اور حکام مقامی کے کاموں کا معائنہ کرتے رہتے تھے۔ حکام ملکی و مذہبی سب ان کے زیر نگرانی تھے۔ مقامی حکام کے خلاف مرافعے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ ان کے خلاف دادرسی ان سے ہوتی تھی۔ یہ دو دو کی تعداد میں بھیجے جاتے تھے۔ جن میں ایک مذہبی افسر ہوتا تھا۔ فوج کا انتظام، وصول مالگزاری، مدارس و مکاتب، کلیسا کی اخلاقی حالت، اور عام نظم و نسق کے معاملات، ان تمام چیزوں کی نگرانی ان کے سر تھی۔ اور ان کے ذریعہ سے کارل اپنی رعایا کی ملکی و مذہبی جزئیات تک سے باخبر رہتا تھا۔ حکام کلیسا بھی اسوقت مثل حکام ملکی کے سمجھے جاتے تھے، اور ان کے سر بعض ملکی فرائض بھی ہوتے تھے۔ اور توقع یہ کی جاتی تھی، کہ وہ اور حکام ملکی دونوں مل جل کر باہمی اشتراک و معاونت سے کام کرینگے۔ لیکن با اینہمہ ان کے حدود عمل با ضابطہ کچھ بھی طے نہیں ہوئے تھے، اور اصولاً مثل سابق کے اب بھی ان میں پورا خلط مبحث باقی تھا۔

کارل بذات خود ہر معاملہ کی نگرانی رکھتا تھا، اس کا سارا زمانہ دورہ کرتے رہنے، دادرسی کرنے، محاربہ کرنے فصل خصومات کرنے، اور انتظامی نگرانی میں صرف ہوا۔

اس نے اپنا فوجی نظام وہی رکھا جو پہلے سے چلا آتا تھا وہ جس وقت اعلان جنگ کرتا۔ اسکی تمام آزاد رعایا کو لبیک کہنا واجب ہو جاتا۔ لیکن بعد مسافت اور کثرت محاربات کے باعث رعایا کو تکلیف محسوس ہونے لگی، اور بہتوں نے اس خدمت سے جی چرانا شروع کیا۔ اس کشمکش کا تصفیہ بالآخر یوں ہوا، کہ کئی کئی آدمی ملکر ایک شخص کو اپنا نائب بنا کر جنگی خدمت کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ کارل نے سواحل کی حفاظت کے لئے ایک بیڑا بھی تیار کرایا، اور آگے چلکر دریاؤں کے دہانوں کو قلعہ بند کرا دیا۔

بہ حیثیت واضع قانون کے بھی وہ بیکار نہیں رہا، گو کہ اس کے قوانین میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔ اس نے جرمن قوانین و آئین کو محفوظ رکھنا چاہا، اور اس غرض سے انہیں ضبط تحریر میں لے آیا۔ اُس کے قوانین جرمن، رومی، و انجیلی قوانین کا ایک معجون مرکب ہیں۔ اس کی حکومت مسیحیانہ تھی، اس لئے انجیل کے احکام واجب العمل تھے اور ہر قانون کو اس کے مطابق ہونا ضروری تھا، اس سے اس کے قوانین میں خاصا مذہبی رنگ آگیا۔

کارل نے عمارات میں خاص شہرت حاصل کی۔ اس نے کثرت سے کلیسا تعمیر کرائے، جن میں، آکن میں سینٹ مری کا گرجا خاص طور پر مشہور ہے۔ اپنے لئے ایک قصر عالیشان اس نے آکن میں تعمیر کرایا۔ ایک انگل ہایم میں، اور ایک

نمویگن میں مینز میں دریائے رائن پر اس نے ایک پل بھی تعمیر کرایا مگر وہ اس کی زندگی ہی میں آگ لگنے سے برباد ہوگیا اس کے معمار اور کاریگر زیادہ تر اطالوی ہوتے تھے۔ کثیر التعداد ستون اور تعمیر کے دوسرے مسالے وہ اٹلی سے بیحد صرف زر کر کے منگاتا۔ اس کا طرزِ تعمیر ایک قسم کا بازنطینی ہی تھا اس معنی کر کے کہ روینا کی عمارات اس کے لئے نمونہ کا کام دیتی تھیں۔

کارل کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ اُس کی سرپرستی ہے۔ اس کا دربار اس زمانہ کے مشہور ترین علما و فضلا کا مرجع تھا۔ مثلاً الکوین، پالس، ڈیاکونس، اور پیٹراف پیسا، اس نے قصر شاہی میں ایک دارالعلوم قائم کیا، جس کے ہر رکن نے اپنے لئے کوئی انجیلی یا قدیم علمی لقب اختیار کیا، چنانچہ خود کارل کا لقب اس محفل میں ڈیوڈ تھا۔ اس مجلس علمی کے اجلاس زیادہ تر ایام سرما میں منعقد ہوا کرتے، اس لئے کہ فصل گرما کارل محاربات میں گزارتا تھا۔ اس مجلس میں علما خطبے پڑھتے تھے، اور ہر علم وفن پر مباحثے ہوتے تھے۔ عہدہ داران کلیسا اسوقت علی العموم بالکل جاہل ہوتے تھے، جو وعظ نہیں کر سکتے تھے، ایسے لوگوں کے لئے اُس نے ایک کتاب مواعظ تیار کرا دی۔ اُس نے کلیساؤں میں مدارس کھلوائے، جن میں قابل ذکر ریمس و آرلینس کے مدارس ہیں، نیز خانقاہوں میں جن میں قابل ذکر سینٹ گال، ٹور رایچنو فلڈا، ہرسفلڈ، و کوروے کے مدارس ہیں۔ ان تعلیم گاہوں کا

اصل مقصد پادریوں کو تعلیم دینا تھا، لیکن ان کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ موسیقی کے بھی اس نے دو مدرسے قائم کرائے، ایک مٹز میں دوسرا سویسوں میں اور پاپا سے ایسے معلّموں کو طلب کیا، جو اٹلی کے فن موسیقی کی تعلیم دے سکیں۔

کارل کے متعلق جو قصص سینٹ گال کے ایک راہب نے جمع کئے ہیں، اُن میں ایک روایت ایسی ہے، جس سے کارل کی علم دوستی پر خاص روشنی پڑتی ہے۔ ایک مرتبہ عرصہ دراز کے بعد وہ آکن واپس ہوا، اور اسوقت اس نے سب طلبہ کو بلاکر ان کا امتحان لینا شروع کیا، امرا کے لڑکے ناکام رہے، اور طبقہ اوسط کے لڑکوں نے خطوط میں، نظموں میں اور دیگر مضامین مروجہ کے ذریعہ سے اپنی قابلیت و محنت کا پورا ثبوت دیا۔ کارل یہ دیکھکر امیرزادوں پر سخت غضب ناک ہوا، اور ان کی بدشوقی پر سخت نا خوشی کا اظہار کیا۔ اس نے کہا کہ اگر ان کی بدشوقی کی یہی حالت رہی تو ان کی امیرزادگی کچھ کام نہ آئے گی، اور وہ تمام شاہانہ الطاف و مراحم سے محروم رہینگے۔ طبقہ متوسط کی اولاد کی اس نے مدح و تحسین کی اور کہا کہ اگر وہ ایسے ہی ترقی کرتے رہے، تو ہر قسم کے عطایائے خسروانہ کے مستحق ہوں گے، اور بہتر سے بہتر اسقفیاں انہیں مرحمت ہونگی۔

احیائے علم کی بنیاد درحقیقت اسی وقت سے پڑتی ہے اس نے نویں صدی میں جبر و قدر اور استحالہ اجسام کے مباحث کی شکل اختیار کی، اور جس کی جھلک اس وقت کے عام ادب میں نظر آتی ہے۔ لاطینی زبان کی تحصیل پر جو اس وقت زور دیا گیا، اس کا خاص اثر ہوا۔ کلیسا کی لاطینی زبان اب صاف ہوگئی، لیکن ساتھ ہی تحریری زبان اور روزمرہ میں تباین بھی کافی ہوگیا۔ اسی بگڑی ہوئی روزمرہ سے فرنچ زبان کی بنیاد پڑی، اور بہ حیثیت ایک علمی زبان کے اس کے استعمال و ترقی میں قدیم لاطینی کی تجدید سے بہت مدد ملی۔ قدیم لاطینی مصنفین کے مسودات و تصانیف تلف ہو رہے تھے، مگر اب ان کی حفاظت کا خاص اہتمام ہونے لگا، اور یہ طے پا گیا کہ قرون وسطیٰ کی تعلیمی زبان لاطینی ہی رہے۔

کارل کو اپنی مادری زبان جرمنی سے بھی خاص محبت تھی، اس کی صرف و نحو اس نے مرتب کرائی، اور کوشش یہ کی، کہ اس کے قواعد مرتب ہوکر یہ علمی زبان کا کام دے اس نے قدیم ترین جرمن افسانوں و نظموں کو جمع کرایا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے فرزند لڈوگ نے اس مجموعہ کو اس بنا پر ضائع کر ڈالا کہ اس میں مشرکانہ عقائد پائے جاتے ہیں۔

کلیسا کے ساتھ اس کا جو طرز عمل تھا، اس کا ذکر گزر چکا

وہ کلیسا کی حمایت حفاظت و اشاعتِ دین اپنے فرائض میں داخل سمجھتا تھا اس کے محاربات کے محرکات سیاسی ہونے کے ساتھ اکثر مذہبی بھی ہوتے تھے۔ ممالک مفتوحہ میں وہ کلیسا اور پادریوں کے موجود ہونے کا خاص اہتمام رکھتا تھا، وہ اپنے تئیں کلیسا کا سردار سمجھتا تھا اور پادریوں اور لاٹ پادریوں کے عزل و نصب کو اپنے حدود اقتدار کے اندر جانتا تھا۔ کلیسا کی تنظیم جو بونیفس کے وقت میں شروع ہوئی تھی، اس کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچ گئی۔ مذہبی مجالس کو منعقد کرنا، ان کی صدارت کرنا، ان کی کارروائیوں پر دستخط کرکے انہیں مستند بنانا یہ سب اس نے اپنے سر رکھا۔ عام رعایا کی طرح اس کے عہد میں اہل کلیسا بھی تمامتر ملکی قوانین کے پابند تھے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے وہ یکی کی تحصیل لازمی قرار دی۔ کارل سے پیشتر کوئی شخص وہ یکی کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ کارل نے اپنے ہر مفتوحہ علاقہ پر اور علی الخصوص سیکسنوں پر اس کی ادائی لازمی قرار دے دی یہ عُشر چونکہ کلیسا ہی پر صرف ہوتا تھا، اس لئے اس کا تخیل بھی لوگوں کے ذہن میں بدل گیا۔ اب یہ احکام توریت کے مطابق ایک مذہبی ٹیکس سمجھا جانے لگا، اور تمام مسیحی ممالک میں لازمی ہوگیا۔

کارل نے کلیسا پر اپنا اثر یہیں تک محدود نہ رکھا۔ اس نے کلیسا کے مراسم و دستور بلکہ عقائد تک کو اپنی

محکومیت میں رکھنا چاہا، ۷۸۶ء میں ملکہ آیرین نے نیسیا میں
مجلس منعقد کرکے یہ مسئلہ چھیڑا، کہ گرجا میں بتوں کا استعمال
کہاں تک جائز ہے۔ مجلس نے آیرن کے استمزاج سے جواز کا
فتویٰ صادر کردیا۔ اور اس فیصلہ سے پاپا ہیڈرین (۷۷۲ء تا ۷۹۵)
کو اطلاع دے دی۔ ہیڈرین خود شروع سے اسی کی تائید میں
تھا، اس نے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا، اور اپنی منظوری
کے ساتھ کارل کے پاس اس غرض سے روانہ کیا کہ
انہیں شائع کیا جائے۔ لیکن کارل کی رائے اس کے
مخالف تھی۔ اس نے ۷۹۴ء میں پادریوں کی ایک دوسری
مجلس منعقد کراکے اس فتوے کے خلاف دوسرا فتویٰ صادر
کرایا۔ یہ اختلافی فتوی پاپا کے پاس بھیجا گیا، اور تنبیہ کی گئی
کہ آئندہ سے وہ ایسے ہر معاملہ میں کارل کی منظوری کا
انتظار کیا کرے۔ ایک دوسرے مراسلے میں اس نے پاپا کو
ہدایت کی کہ اس کا کام ملکی معاملات میں مداخلت کرنے کا
نہیں ہے، جن کا واسطہ تمامتر شہنشاہ سے ہے بلکہ محض
عبادت میں مصروف رہنا ہے۔ کارل اس میں شبہ نہیں کہ
اس وقت مغرب میں سب سے برتر وبا اقتدار شخصیت رکھتا
تھا، اور اس کی حیثیت سب کو مسلم تھی۔ ملکی معاملات میں
تو وہ علانیہ پاپا کا افسر تھا، اور عملاً مذہبی معاملات میں
بھی شہنشاہ اور پاپا کے باہمی تعلقات و اختیارات کی
کوئی باضابطہ و قانونی تفریق موجود نہ تھی، اصولاً کبھی

یہ سوال چھڑا ہی نہ تھا۔ اکثر دونوں کے حدود عمل میں تصادم ہو جاتا تھا، لیکن اصولی و کلی حیثیت سے کبھی اس سوال پر نظر نہیں کی گئی۔ پاپا کا دعویٰ یہ تھا کہ میں سینٹ پطرس اور تمام کلیساؤں کا پادری ہوں، اسلئے کل معاملات مذہبی کا افسر اعلیٰ ہوں۔ کارل اس کے مقابلہ میں یہ کہتا تھا، کہ میں مسیحی شہنشاہ ہوں اور تمام دنیا کا فرمانروائے مطلق اس قضیہ کا تصفیہ کہیں صدیوں کی جد و جہد کے بعد جاکر ہوا۔

کارل کی شخصیت میں وہ جرمن، رومی، مسیحی عناصر کی جامعیت تھی، جو قرون وسطیٰ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اپنے مذاق طبیعت، انداز و اطوار، گفتار و لباس، میں وہ پورا جرمن تھا، بہ حیثیت فرمان روا کے رومی تھا، اور اپنے عقائد و خیالات میں مسیحی تھا۔ اس کے زمانے میں سارے مغرب میں اسی کا ڈنکا بج رہا تھا اور اس کی عظمت اس درجہ مسلم تھی کہ اس کے معاصر بغداد کے خلیفہ اعظم ہارون الرشید تک نے اس کی دوستی کی ضرورت محسوس کی، جب اس نے اندلس میں اپنی باغی رعایا کی تادیب کرنی چاہی۔

کارل کے مشیر و صدرالمہام منشی آئنہارڈ نے اس کی ایک دلچسپ سوانح عمری لکھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ کارل کا نام دنیا کے مشاہیر رجال کی فہرست میں

ہونا چاہیے۔ اس کی رعایا کا متخیلہ اس کی شخصیت سے بے انتہا متاثر تھا، یہاں تک کہ اس کی وفات کے بعد صدیوں تک اس کے متعلق عجیب عجیب روایات و افسانے مشہور رہے، جن پہ قرون وسطیٰ میں ہر شخص کا اعتقاد رہا۔

۲۸۔ جنوری ۸۱۴؁ء کو اس کا بہ مقام آکن ذات الریہ سے انتقال ہوا، اور اسی روز اپنے تعمیر کئے ہوئے ایک بڑے کلیسا میں مدفون ہوا۔ مقبرہ کے اوپر ایک طلائی محراب بنائی گئی، جس پر اس کی شبیہ اور ایک کتبہ کندہ کیا گیا۔ کتبہ کے الفاظ یہ تھے:۔

"اُس مقبرے میں کارل اعظم
راسخ العقیدہ شہنشاہ مدفون ہے
جس نے شان و شوکت کے ساتھ
فرینکون کی سلطنت کے حدود
کو وسعت دی، اور ۴۷ سال
تک نہایت خوشحالی کے ساتھ
حکومت کی۔ ۷۰ سال کی عمر میں
۲۸۔ جنوری ۸۱۴؁ء کو انتقال کیا۔"

باب (۴)

شہنشاہی کا انحطاط

اس میں شبہ نہیں کہ کارل کو بہت بڑی سلطنت ملی تھی، اور اس نے اپنی ذاتی قابلیت سے خوب حکمرانی کی تاہم یہ اس کے امکان میں نہ تھا، کہ اتنے قلیل عرصہ میں وہ اپنی اس قدر مختلف الاصل رعایا کو بالکل متحد بنادے۔ گو سب ہم مذہب، اور ایک ہی بادشاہ کی رعایا تھے، تاہم اس سے یہ ممکن نہ تھا کہ مختلف النسل، مختلف القبائل مختلف المزاج، مختلف الاطوار، و مختلف اللسان ہونے کی بناپر جتنے اختلافات تھے، وہ سب مٹ جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ کارل کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ تمام اختلافات زور دکھلانے لگے۔ کارل نے ایک نہایت ہی خوب کوشش

یہ کی تھی، کہ قوم کو سلطنت روما کے نمونے پر ڈھالے لیکن یہ سعی ناکام رہی، اور اس کی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی کچھ تو اس باعث سے کہ اس کے جانشین نہایت کمزور ہوئے جن کے عہد میں ملازمین و حکام زمینوں اور جائدادوں پر قابض ہوگئے۔ اور کچھ اس سبب سے کہ سلطنت کو ذاتی جائداد سمجھ کر اس کے اجزاء بہ طور ترکہ کے وارثان سلطنت میں تقسیم ہوگئے۔ اور پھر اس ضعف و انحطاط کو بڑی تائید اس امر سے پہنچی، کہ ملک میں اندرونی اختلافات جو پیشتر سے موجود تھے، ان کی دبی ہوئی آگ کو وحشیوں کے حملے نے اور اکسا دیا۔ جرمن نہایت بلند نظر و مغرور قوم تھی۔ ذاتی ترفع کا موقع اس کا ہر فرد ڈھونڈھتا تھا۔ اور چونکہ اس وقت معیار قابلیت و تفاخر، فن سپہگری تھا، اس لئے ان لوگوں نے قدرتی طور پر ایسی صورت حال پیدا کر دی، کہ جنگجوئی و خونریزی کی قوت سب پر مسلط ہوگئی۔ کارل کی سلطنت گو پارہ پارہ ہوگئی، تاہم اس کے عہد حکومت میں اس کا ہر حصہ ایسے موثرات سے متاثر ہو چکا تھا، جن کا اس کے مستقبل پر بھی اثر رہا۔

کارل کے لڑکے لڈوگ متقی (۸۱۴ تا ۸۴۰) کے زمانہ میں جو اپنے والد کی تمام خصوصیات سے معری تھا سلطنت میں جلد جلد ضعف ہونے لگا۔ اس کی تعلیم و تربیت پادریوں کی نگرانی میں ہوئی تھی، اور اس کے نہایت افسوسناک نتائج

پیدا ہوئے۔ اس کے لئے بجائے تخت شاہی کے خانقاہ زیادہ موزوں تھی، اور واقع میں اس نے ایک سے زائد بار اسکا تہیہ بھی کیا کہ سلطنت سے دست بردار ہوکر خلوت گزیں ہوجائے۔ اس کے ضمیر کی حالت صحیح نہیں رہی تھی، اور اسے گویا ایک طرح کا عارضہ ہوگیا تھا کہ اپنی معمولی سمولی غلطیوں و فرو گزاشتوں کو معاصی کبیرہ سمجھتا، اور بجائے فرائض حکومت انجام دینے کے توبہ و استغفار میں مصروف رہا کرتا۔ وہ رُعب و دبدبہ، جو ایسی ابتری و بدنظمی کے زمانہ میں بالخصوص باوشاہ کے لئے لازمی ہے، اس سے یہ بالکل معرّی تھا۔ ضعیف الارادہ اتنا تھا کہ عمر بھر کبھی اپنی بیوی کا غلام رہا، کبھی پادریوں کا، اور کبھی اپنی اولاد کا۔ کارل اعظم نے اپنی وفات سے چھ مہینے قبل بہ طور اپنے جانشین کے اُسے تاج پہنا دیا تھا، لیکن اس کی وفات کے بعد اس نے دوبارہ اس رسم کو ادا کیا۔ ۸۱۵ھ میں پوپ لیو سوم کی وفات ہوئی اور اہلِ روما نے بغیر باوشاہ کی اجازت یا استمزاج کے اسٹیفن چہارم کو اس کا جانشین منتخب کرلیا۔ یہ اختیارات سلطانی کی کھلی ہوئی توہین تھی مگر لڈوگ نے اسے بالکل گوارا کرلیا جدید پوپ نے اس موقع سے پورا فائدہ اُٹھاکر باوشاہ کو خط لکھا کہ "آپ کی تخت نشینی بغیر کلیسا کی منظوری کے ہوئی، اس لئے ناجائز ہے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ میں خود فرانس آکر آپ کو تاج پہناؤں"۔ لڈوگ اس پر بھی راضی ہوگیا

چنانچہ سہ بارہ، پاپائے اسٹیفن نے بہ مقام رمیس (۸۱۶-۸۱۷ء میں) اُسے تاج پہنایا۔ اور اس طرح پاپاؤں کے اس دعوی کی تائید میں ایک اور نظیر قائم ہوگئی کہ بادشاہ کی تاج کا اختیار انہیں کو ہے۔

لڈوگ کا عہد حکومت احمقانہ غلطیوں کا طومار ہے۔ اس نے اپنے مذہبی جوش میں کارل کے زمانہ کے تمام قابل و اہل الرائے مشیروں کو دربار سے اس بنا پر نکال دیا، کہ ان کی طرز زندگی اس کے معیار کے مطابق زاہدانہ نہ تھی خانقاہوں پر جتنے فرائض حکومت کی طرف سے عائد تھے وہ سب اُس نے ایک ایک کرکے اُٹھا دئے، بجز اس کے کہ وہاں بادشاہ، بادشاہزادوں، اور بقائے سلطنت کے لیئے دعائیں ہوتی رہیں، اور اس طرح ایک طرف خزانۂ شاہی میں آمدنی کی ایک بڑی مدکم ہوگئی، اور دوسری طرف کلیسا کو اپنی خود مختاری و مطلق العنانی کا پورا خیال ہوگیا اس بادشاہ نے خانقاہوں کے مدارس میں دنیادار طلبہ کا داخلہ بند کردیا، گرجاؤں اور خانقاہوں کے لئے اس کا دست کرم ہمیشہ دراز رہتا تھا، اور خود اس کے گرد وپیش کے رہنے والے بھی پادری و راہب تھے۔ ۸۱۶ء میں اس نے ناقابل تلافی غلطی یہ کی، کہ اپنی سلطنت کو اپنے تینوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کرکے انہیں انتظام حکومت میں اپنا شریک کرلیا۔ اس تقسیم سے رشک و رقابت،

سازشوں اور خانہ جنگیوں کا دروازہ کھل گیا۔ لڈوگ بجائے اس کے کہ ان مشکلات کا دلیری سے مقابلہ کرتا اپنا وقت توبہ و استغفار، اوراد و وظائف میں صرف کرتا رہا۔ اور اس سے بڑھ کر ستم یہ کیا، کہ امراء و اسقفوں کی ایک مجلس کے سامنے ایک گنہگار کی حیثیت سے حاضر ہوا، اور اپنے فرضی و ناکردہ گناہوں سے توبہ کی۔ پھر اپنی زوجہ ثانیہ جوڈتھ کے دباؤ میں آکر اپنی پہلی بیوی کے دولڑکوں سے کچھ جائداد نکال کر اس کے لڑکے چارلس کے حصہ میں شامل کردی۔ بغاوت و خونریزی اس کا لازمی نتیجہ تھا، چنانچہ اس کی زندگی کا آخری زمانہ طرح طرح کی ناپاک غداریوں اور سازشوں کی نذر ہوا۔

اب اس نے سلطنت کی متعدد نئی تقسیمیں سوچیں، کبھی اس خیال سے کہ اس کے چھیتے بیٹے چارلس کا نفع ہو، اور کبھی اس غرض سے کہ اس کے بھائیوں کی اشک شوئی ہو، لیکن یہ سب بالکل لاحاصل رہا۔ چنانچہ جب لڈوگ کی وفات ہوئی (سنہ ۸۴۰ء) تو اس کے بعد بھی اس کے تینوں فرزندوں نے مسلسل تین سال تک جنگ جاری رکھی۔ یہ زمانہ گزرنے کے بعد بالآخر تینوں بھائی مصالحت پر آئے اور معاہدۂ وردون (سنہ ۸۴۳ء) کے بعد سے صلح و آشتی سے رہنے لگے۔

اس صلحنامہ کے بموجب تاج شہنشاہی فرزند اکبر لوتھر کو

ملا۔ شہنشاہ کے لئے دو دارالحکومت یعنی روم و آکسین لازمی تھے۔ اس لئے اٹلی، اور اٹلی و بحر شمال کے درمیان والا قطعہ زمین بھی اس کے حصہ میں آئے۔ اس علاقہ کی حد مشرقی دریائے رائن تھی، لیکن بہ مقام بون یہ سرحدی خط اس دریا سے ہٹ کر دہانہ ویسیر کے شمال میں واقع ہوگیا تھا۔ مغرب کا سرحدی خط دہانہ رون کے چند میل مغرب سے شروع ہوکر لیانس کے قریب خود اس دریا سے مل جاتا تھا، اور وہاں سے منبع میوز تک آتا تھا، یہاں سے یہ دریا آرڈینیز تک سرحد کا کام دیتا تھا۔ پھر یہ خط شلٹ سے ملجاتا تھا، اور اس کے دہانے تک قائم رہتا تھا۔ چارلس "اصلع" کے حصہ میں اس علاقہ کے مغربی مقامات آئے۔ اور لڈوگ جرمن کے قبضہ میں مشرق کا قطعہ، اور ملینز، و ورمز اور اسپیر جو رائن کے مغرب میں واقع تھے۔

اس تقسیم سے چارلس و لڈوگ خاص نفع میں رہے کیونکہ اس لئے کہ ان کے مقبوضات منتشر نہ تھے، بلکہ یکجا تھے اور انہیں رعایا ایک ہی قوم کی ملی۔ لڈوگ کی رعایا تو تمامتر جرمن تھی، اور چارلس کی رعایا میں گو مختلف اقوام شامل تھیں، تاہم متحدالاصل تھیں، اور جرمن عنصر کلٹی میں جذب ہوتا جاتا تھا۔ جرمن و فرانس کی تاریخ بہ طور مستقل ممالک کے ۸۴۳ء ہی سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن لوتھر کی رعایا بالکل مختلف الاصل اقوام پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ

اس کی قلمرو کی جغرافی ہیئت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی تھی کہ اس کی محافظت دشوار تھی۔ چنانچہ اس کی سلطنت کا نام خود اس کے نام پر پڑا۔ یعنی جبکہ چارلس، فرانکون کا بادشاہ اور لڈوگ، جرمنوں کا بادشاہ کہلاتا تھا، لوتھر کی سلطنت لوتھر ہی کی سلطنت سے موسوم رہی۔ جغرافی و نسلی، دونو حیثیات سے یہہ ناممکن تھا، کہ لوتھر کی سلطنت یکجا و متحد رہے سلسلۂ آلپس نے اسے دو حصوں میں الگ کردیا تھا۔ اٹلی کے لئے بے شبہہ ایک قوم بن جانا ممکن تھا، لیکن آلپس سے بحر شمال تک رائن کے کنارے جو یہ پتلی چٹ چلی گئی تھی، اس کی قسمت میں یہ تھا کہ بالکل پارہ پارہ ہو اور صدیوں تک فرانس و جرمنی کے نبرد آزمائیوں کی آماجگاہ بنی رہی۔

نویں صدی میں جو بغاوت و برہمی پھیلی، لوتھر اسے نہ دبا سکا، بلکہ مدتوں اس کوشش میں ناکامی کے بعد عاجز آکر بالآخر اپنے ملک کو اپنے تین فرزندوں کے درمیان تقسیم کرکے خود ایک خانقاہ میں زاویہ نشین ہوگیا، چنانچہ چند ہی روز بعد اس کی وفات ہوگئی (۸۵۵ء) فرزند اکبر لڈوگ ثانی کے حصہ میں ملک اٹلی اور تاج شہنشاہی آیا۔ چارلس کے حصہ میں پروونس، و برگنڈی پڑے۔ اور لوتھر ثانی کے حصہ میں فریسیا، اسٹریسیا، اور باقی ممالک جو شمال آلپس میں واقع تھے، جس کا آگے چلکر لورین نام پڑ گیا۔ ان بھائیوں میں صلح قائم نہ رہ سکی، خونریزی شروع ہوئی اور

۸۶۳ء تک برابر قائم رہی۔ تا آنکہ چارلس نے وفات پائی اور اس کی قلمرو کو دونوں بھائی اپنے زیر نگین لے آئے ۸۶۹ء میں لوتھر ثانی کا انتقال ہوا۔ اور اس کی قلمرو اسکے دونوں چچاؤں، یعنی چارلس "اصلع" شاہ فرانس، و لڈوگ شاہ جرمنی نے باہم تقسیم کرلی۔ ۸۷۵ء میں شہنشاہ لڈوگ ثانی نے وفات پائی۔ اور اس کے ساتھ اس کی نسل کا خاتمہ ہوگیا۔ اب تاج شہنشاہی کے لئے چارلس "اصلع" و لڈوگ جرمن نے لڑنا شروع کیا، مگر چارلس اٹلی پہلے پہنچ گیا، اس لئے پہلے پیویا میں بہ حیثیت شاہ لومبرڈان کے اور پھر روما میں بحیثیت شہنشاہ کے اس کی تخت نشینی ہوگئی۔

لڈوگ جرمن اپنے بھائی کے مقابلے پر میدانِ جنگ میں نہ آسکا۔ اب وہ نہایت مُسن و ضعیف ہو چکا تھا، چنانچہ دوسرے ہی سال (۸۷۶ء) انتقال کرگیا۔ اس کا طویل عہد حکومت باوجود اس کے فرزندوں کی شورش و بغاوت، اور اہل شمال و سلافوں کی یورش و یلغار کے فی الجملہ کامیاب رہا۔ اس وقت جرمنی کے لئے سب سے اہم و مقدم یہ تھا، کہ مختلف جرمن قبائل متحد ہوں، اور ان میں ایک عام قومیت کا احساس پیدا ہو۔ یہ ضرورت اس کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ یعنی مشرقی فرانگس سیکسن، سوابی، بویری وغیرہ سب میں یکجہتی، اور

مغربی فرانکون سے مغائرت کا احساس پیدا ہوا۔ لڈوگ نے سلافی، بوہمی، موراوی قبائل کی تادیب و تنبیہ کر کے اپنی قلمرو کے حدود شمال و مشرق میں خوب وسیع کر لئے اور گو ہیمبرگ کو جہاں لڈوگ "پارسا" نے لاٹ پادری مقرر کر رکھا تھا، یہ تاخت و تاراج سے نہ بچا سکا، تاہم بہ حیثیت مجموعی یہ اہل شمال کے حملوں کی مدافعت میں کامیاب رہا۔ اس نے سلطنت کو ذاتی جائداد پر قیاس کر کے اپنے تین فرزندوں کے درمیان تقسیم کیا، لیکن کارل مِن کا ۸۸۰ء میں، اور لڈوگ سیکسن کا ۸۸۲ء میں انتقال ہوگیا۔ اس لئے ساری سلطنت کا وارث کارل "فربہ" ہوا، جس کی تخت نشینی بہ حیثیت شہنشاہ کے ۸۸۲ء میں پاپا کے ہاتھوں ہوئی۔

لڈوگ جرمن کے انتقال (۸۷۶ء) پر چارلس "اصلع" نے اپنی سرشت کے مطابق اس کی سلطنت کو ہضم کر لینا چاہا، لیکن ناکام رہا۔ اس لئے کہ عین اسی وقت اہل شمال نے اس کی مملکت پر حملہ کر دیا۔ بجائے اس کے کہ یہ انکا مقابلہ کرتا، اس نے انہیں رشوت دی، کہ اس کے بھتیجوں پر حملہ کریں، اور خود اٹلی اس خیال سے روانہ ہوگیا کہ کہیں شورش ہو جانے سے تاجِ شہنشاہی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ لیکن دورانِ سفر میں، درہ مونٹ سینس کے دامن میں اس کا انتقال ہوگیا۔ یہ اپنے باپ کا سب سے

زیادہ لاڈلا لڑکا تھا، اور اسی کے سبب سے وہ ہنگامے برپا
رہا کئے جنہوں نے لڈوِگ "پارسا" کی زندگی کے آخری
ایام بالکل تلخ کر دئے۔ مزاج میں جو بلند نظری و حب جاہ
تھی، اس کے تقاضے سے ہمیشہ اس کی کوشش رہی، کہ
اپنے مستحق اعزہ کو ان کے جائز مقبوضات سے محروم کر دے
ملک گیری کی طمع میں اسے اس کا بھی خیال نہیں رہتا
تھا، کہ موجودہ مقبوضات پر تو پوری طرح تسلط رہے۔
اس کے عمال و عہدہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار ہوتے
تھے، اور اہلِ شمال و سراسین نے اس کی مملکت کے بعض
حصوں کو خوب جی کھول کے تاخت و تاراج کیا۔ رہا خزانہ
سلطنت، تو اسے اس نے خالی کر دیا۔ اس کا جانشین اس کا
فرزند لوئی دوم "الکن" ہوا، مگر چند روزہ امید افزا
حکمرانی کے بعد ہی فوت ہو گیا (۸۷۹ء)۔ اس کے
دو لڑکے تھے، لوئی سوم، اور کارل من، اور ایک لڑکا اور
یعنی چارلس "سادہ مزاج"، اس کی وفات کے بعد پیدا
ہوا۔ لوئی سوم (۸۸۲ء) اور کارل من (۸۸۴ء) کی
وفات کے بعد تخت بالکل خالی رہ گیا، اس لئے کہ
چارلس "سادہ مزاج" ابھی پانچ برس کا بچہ تھا۔

امرا نے ایک بچہ کو بادشاہ بنانے سے ابا کیا اور
کارل "فربہ" کو تخت نشینی کی دعوت دی، جسے اس نے
قبول کیا، اور اس کے عہد حکومت میں پھر ایک بار

شہنشاہی کے متفرق و منتشر اجزا اسی طرح متحد ہوئے جیسے کارل اعظم کے زمانہ میں تھے۔ لیکن اس بار کو یہ سنبھال نہ سکا۔ بےحد فربہ ہونے کے علاوہ اسے ہر وقت درد سر رہتا تھا، جس کے باعث یہ دماغی و عملی قسم کا کام کرنے سے معذور تھا۔ اس کی نا اہلی نے بالآخر (۸۸۷ء) اسے معزول کرایا، اور شہنشاہی سات چھوٹی سلطنتوں میں منتشر ہوگئی اس کے بھتیجے آرنولف کو، جس نے اسے معزول کیا تھا، مشرقی فرانس بہ طور صلہ کے ملا۔ جنوبی فرانس کے امرا نے اوڈو والی پیرس کو بادشاہ منتخب کیا۔ ڈیوک آف اکوٹین نے یہ کیا کہ چارلس "سادہ مزاج" کو اپنے دربار میں لے گیا اور اوڈو کی ماتحتی سے آزاد رہا۔ برگنڈی کی دو سلطنتیں بن گئیں ۸۷۹ء میں بوسو، والی وائینا، شاہی لقب اختیار کرکے جنوبی برگنڈی کا تاجدار بن بیٹھا۔ اب رڈولف نے شمالی برگنڈی پر قبضہ کیا، اور اپنی تخت نشینی کی اس کی قلمرو کے حدود دریائے ساون و آر، اور اضلاع بیسل و لیائنس تھے۔ یہ تفرق ۹۳۴ء تک قائم رہی تاآنکہ دونوں سلطنتیں مل کر پوری برگنڈی کی ایک سلطنت قائم ہوئی۔ لومبرڈی میں بھی دو سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ برنجر لومبرڈون کا بادشاہ منتخب ہوا۔ اور میلان کے لاٹ پادری نے اسے تاج پہنایا۔ لیکن گیڈو آف اسپولیٹو نے اس پر فوجکشی کی، اور مغربی لومبرڈی کے کچھ حصے پر قابض ہوکر

شاہی لقب اختیار کیا۔

سلطنت کی اس تقسیم و تجزی سے معلوم ہوا ہوگا، کہ نویں صدی میں شہنشاہی کی مرکزیت فنا ہوچکی تھی۔ نظام جاگیرداری کا قدم یورپ میں جم گیا تھا۔ وہ مناصب اور وہ جائدادیں جو ایک زمانہ سے بالکل بادشاہ کے اختیار میں تھیں اب ان پر اُمرا موروثی طور پر قابض تھے۔ شورش و فتنہ کا ہر جگہ زور تھا، زبردست امرا زیر دست امرا کو دباتے تھے۔ اور کل امرا غربا کو غلام بنا رہے تھے اس ساری ابتری و بدنظمی کی ذمہ داری نا اہل و نالائق فرمانرواؤں پر ہے، جو وہمی و خیالی القاب کے پیچھے اپنے اہم ترین فرائض کو بھولے ہوئے تھے۔

باب (۵)

انگلستان اور اہل شمال

(۸۰۲ تا ۱۰۷۰)

انگلستان کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تفوق و برتری کے لئے جو کشت وخون تین سو سال سے جاری تھا، وہ اگبرٹ کے زمانہ میں گویا ختم ہوگیا جو وسکس کے تخت پر ۸۰۲ء میں جلوہ افروز ہوا، وسکس کی دو بڑی رقیب ریاستیں نارتھمبریا و مرسیا لڑتے لڑتے مضمحل ہوچکی تھیں، اس لئے اگبرٹ کو تمام ملک پر حاوی و مسلّط ہوجانے میں کوئی خاص دشواری نہیں پیش آئی۔ اس نے اپنی عمر کے تیرہ سال کارل اعظم کے دربار میں صرف کئے تھے،

اسلئے اس کی نظر لامحالہ بہت بلند ہوگئی تھی' اور اس فرنگی فرمانروا کی کامیابی و فتحمندی اس میں بھی اثر کر گئی تھی اس نے بہت دانشمندی سے حکمرانی کی' اور گو اس کی نظر اقطاع ملک کے سیاسی اختلافات پر بھی رہی' تاہم اس نے سب کو ایک بڑی حد تک وسکس سے وابستہ کر رکھا۔

وسکس کا یہ تفوق' دوسری حکومتوں کی طرح بالکل عارضی ثابت ہوا ہوتا' لیکن اگبرٹ کے بعد پورے ۱۵۰ سال تک اس تخت پر نہایت قابل و مدبّر فرماں روا جلوس کرتے رہے' جنہوں نے بہ غایت دانائی ہمیشہ کلیسا کو اپنا دوست بنائے رکھا۔ اور پھر مختلف حکومتوں نے جو ایک ہی قوم کا جزو بنا رہنا گوارا کیا' اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ اہلِ شمال کے حملوں کا سب کو یکساں دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اول اول ۷۸۷ء میں انگلستان کے مشرقی ساحل پر قزاقوں نے حملہ کیا تھا اس وقت سے ان کے حملے برابر جلد جلد ہوتے رہے' اور بادشاہ نہ تو ان کی پوری مدافعت اور نہ اس مدافعت سے کوئی خاص نفع حاصل کر سکتا تھا۔ اگبرٹ کے سارے عہد حکومت میں یہ شمالی طوفان برابر اوٹھتے رہے۔ اس کا فرزند و جانشین ایتھلولف (۸۳۹ تا ۸۵۸) بھی اس سیلاب کو نہ روک سکا۔ رفتہ رفتہ یہ یہاں تک دلیر ہو گئے کہ ۸۵۱ء کا

موسم سرما انہوں نے جزیرہ تھینٹ میں بسر کیا۔

اتھلولف کے بعد علی الترتیب اس کے چاروں لڑکے فرماں روائی کرتے رہے۔ اتھلبالڈ (۸۵۸ تا ۸۶۰) اتھلبرٹ (۸۶۰ تا ۸۶۶) اتھلرڈ (۸۶۶ تا ۸۷۱) اور الفرڈ اعظم (۸۷۱ تا ۹۰۱) اب ان قزاقوں کی روک تھام اور بھی دشوار ہوگئی تھی۔ اسلئے کہ ان کی ایک بڑی جماعت نے مشرقی ساحل پر اپنی مستقل بستی بسالی تھی۔ ۸۶۶ء میں ڈین تسخیر وملک گیری کے لئے کمر باندھ کر اٹھے۔ نارتھمبریا کو تو انہوں نے فوراً لے لیا اس کے بعد ایسٹ اینگلیا وفن پر چڑھائی کی اور انہیں بھی مسخر کرکے یہاں کی مشہور خانقاہوں کو جلادیا۔ اور اینڈمنڈ والی ایسٹ اینگلیا میدان جنگ میں کام آگیا جسے بعد کو "ولی" کا مرتبہ دیا گیا، اور سینٹ ایڈمنٹ سبری کے لقب سے اس کا مزار تیار ہوا۔ مرسیا پر ابھی تک حملہ نہیں ہوا تھا، لیکن ۸۷۴ء میں یہاں کے والی نے ڈینوں کو خراج دیکر انہیں اپنا حاکم تسلیم کرلیا۔ یہ اطاعت صرف ڈینوں کے خوف کے وجہ سے وقوع پذیر نہیں بلکہ اس کی ایک وجہ مغربی سیکسن کامیابی کا حسد بھی شامل تھا۔

شاہ اتھلرڈ کے قبضہ میں اب صرف دریائے ٹیمس کے جنوب کا علاقہ باقی رہ گیا تھا، اور اس کے شمال کا سارا علاقہ ڈینوں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ بلکہ بہ آثار ظاہر اب یہ معلوم ہونے لگا تھا، کہ ڈین سارے انگلستان پر

قابض ہوجائینگے ۔ ڈینوں نے ٹیمس کے اوپر اور وسکس کے
اندرون میں حملہ کیا، جس کی مدافعت ایتھلبرڈ سے نہ ہوسکی
دوران جنگ ہی میں اس کا انتقال ہوگیا، اور وارث تخت
اس کا بھائی الفرڈ ہوا، مگر اسے بھی حملوں کے روکنے میں
کچھ کامیابی نہ ہوئی ۔ کتنی ہی ناکامیوں کے بعد آخر اسے
یہ تدبیر سوجھی، کہ ڈینوں کو رشوت دیکر اسوقت رخصت
کردیا جائے، اور پھر ان کی آئندہ پیش قدمی کو روکنے کیلئے
پوری تیاری کرلی جائے ۔ ڈنمارک واسکینڈینویا سے برابر
کمک پر کمک پہنچتی رہی، اور ۸۷۶ء میں گتھرم نے جو
ایسٹ اینگلیا پر قابض ہوچکا تھا، وسکس پر حملہ کردیا ۔ دو
سال تک میدان کارزار گرم رہا، مگر عہدنامہ ویڈمور سے
۸۷۸ء میں الفرڈ کے موافق فیصلہ ہوا ۔ گتھرم نے مسیحیت
کو قبول کیا اور اسے ٹیمس سے اوپر کا آدھا ملک مشرقی
انگلستان دیدیا گیا ۔ اس علاقہ کا نام ڈینلا رکھا گیا ۔ یہاں
فاتحین نے اپنی بستی بسائی، اور ایک عرصہ دراز تک مفتوحوں
سے بالکل الگ تھلگ رہے، لیکن آخر دونوں میں امتزاج
واتحاد ہوگیا ۔

الفرڈ کے باقی عہد حکومت میں عموماً ڈینوں سے صلح
رہی، البتہ ۸۸۶ء میں اس نے لنڈن ان لوگوں سے
چھین لیا اور ۸۹۳ء میں ان کے حملوں کو کامیابی کیساتھ رد
کردیا ۔ معاہدہ ویڈمور کے وقت اس کے علاقہ کی حالت سخت ابتر تھی

خانقاہیں اور گرجے جلا دئے گئے تھے، اہل کلیسا چن چن کر جلا وطن یا قتل کروئے گئے تھے۔ قانون وضابطہ کا نام نہ تھا افلاس ونکبت ہرجگہ برس رہی تھی۔ الفرڈ نے پہلا کام یہ کیا، کہ فوج کو قواعد داں بناکر وقت ضرورت کے لئے تیار کیا۔ اور اس غرض سے ملک کو پانچ ضلعوں میں تقسیم کرکے ہر ضلع پر یہ لازم کردیا کہ اتنی اتنی تیار کی ہوی فوج مع جملہ سامان اسے دینا ہوگی۔ اسی طرح کا معاہدہ ہر شہر سے بھی ہوا۔ ان افواج کے ایک حصّہ کے ذمّہ یہ تھا، کہ باہر نکل کر غنیم کا مقابلہ کرے، اور ایک کے ذمہ یہ کہ وطن کی حفاظت کرے۔ ہر زمیندار کے ذمہ یہ تین فرائض عائد کئے گئے، کہ فوج میں داخل ہو، اور پلوں اور قلعوں کی تعمیر وحفاظت کے لئے ایک خاص رقم ادا کرے۔ الفرڈ نے ایک بیڑہ تیار کرایا، جو ساحل پر پہرہ دیتا تھا، ملک میں امن وآئین اس نے ازسرِنو قائم کیا، اور ناقضینِ امن کی پوری سرکوبی کی۔ شاہی عدالتیں ہرجگہ کھلنے لگیں، جن کی نگرانی بادشاہ بنفس نفیس کرتا، اور اگر کوئی حاکم عدالت نااہل ثابت ہوتا، اسے برخاست کردیتا۔ الفرڈ نے غالباً خود تو کچھ اہم آئین نہیں بنائے، البتہ قدیم قوانین وضوابط اس نے یکجا وفراہم کردئے۔

الفرڈ نے اپنی عملداری میں اشاعت علوم کا بھی خاص اہتمام کیا، مُسن ہوکر اس نے لاطینی زبان سیکھی، اور

اتنا کمال پیدا کیا کہ اپنی زبان میں بے تکلف ترجمہ کرلینے
لگا۔ دور دور سے علما وفضلا کو بلاکر جمع کیا، اور کارل اعظم
کی طرح اس نے بھی اپنے دربار کو ایک مرکز علوم
بنادیا۔ اور سب سے بڑھکر تو خود اسی کے تراجم ملک
وقوم کے لئے مفید ثابت ہوئے لاطینی سے بیتھیس
کی "تسلیات فلسفہ" اور اروسیس کی "تاریخ عالم" محترم بیڈ
کی "انگریزوں کی مذہبی تاریخ" وغیرہ کے ترجمہ اس نے خود
کئے اور اپنی زیر نگرانی "اینگلو سیکس تاریخ" مرتب کرائی یہ
آخرالذکر تو تالیف ہے، لیکن جو تراجم ہیں، ان میں بھی
بادشاہ نے اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ اخلاقی
حیثیت سے وہ نہایت ہی بلند مرتبہ تھا، اور ہمیشہ
اپنے تئیں رعایا کا خادم سمجھتا رہا، انھیں اسباب سے
قوم نے بھی اسے "اعظم" کا لقب دیا، جو بالکل بجا
ہے۔

الفرڈ کے جانشینوں کا کام یہ تھا، کہ اب باہر والوں
کو آنے سے روکیں ملک ڈینلا کو ازسر نو حاصل کریں،
انگلستان میں اندرونی فسادات کو رفع کرکے اتحاد پیدا
کریں، اور ڈین کی آبادی میں اور انگریزوں میں مغائرت
دور کرکے دونوں کو ایک قوم بنادیں۔ خوش قسمتی سے اسکو
جانشین بھی اچھے ملے یعنی ایڈورڈ "اکبر" (۹۰۰ تا ۹۲۴) اتھلسن
(۹۲۴ تا ۹۴۰) ایڈمنڈ (۹۴۰ تا ۹۴۶) ایڈرڈ (۹۴۶ تا ۹۵۵)

جنہوں نے اپنے فرائض کو دانائی سے انجام دیا البتہ اسکے
بعد اڈوِگ (۹۵۵تا۹۵۹) کے بچپنے کے باعث پھر ابتریاں
پھیلیں، اور امرا میں نفاق وشقاق پیدا ہوگیا۔ ۹۴۶ء میں
ایڈرڈ کے جلوس کے ساتھ ڈنسٹن نامی ایک مذہبی مدبّر کی
قوت خاص طور پر کام کرتی رہی۔ اس کا انتقال ۹۸۸ء
میں ہوا، اور اس لئے ایڈرڈ، ایڈوگ، اڈگر (۹۵۹تا۹۷۵)
ایڈورڈ "شہید" (۹۷۵تا۹۷۸) اور اتھلرڈ (۹۷۸تا۱۰۱۶)
کے زمانوں میں شاہی قوت کے پردہ میں ڈنسٹن کا ہاتھ
کام کررہا تھا، اس زمانے میں تجارت کا سلسلہ بیرونی
ممالک سے جاری ہوگیا، امن عام قائم ہوگیا، اور کلیسا اور
خانقاہوں کی پوری اصلاح ہوگئی۔ غلامی کی قدیم رسم
مٹ رہی تھی، مگر اس کی جگہ جاگیرداری لے رہی تھی۔
بادشاہ کے اقتدار میں بھی اب بہت اضافہ ہوگیا تھا۔
یعنی وہ صرف مغربی سیکسنوں ہی کا نہیں بلکہ سارے
ملک کا فرماں روا تسلیم ہوتا تھا بادشاہ نے اب اپنے
دربار میں اپنے احباب و عہدہ داروں کو بڑھایا اور
اس طرح امرائے قدیم کے اوپر جو پشتہا پشت سے چلے
آتے تھے ان امرائے جدید کو مسلّط کردیا۔ بادشاہ نے وہ
زمین بھی اب اپنے قبضہ میں کرلی، جو رعایا کے عام
نفع کیلئے تھی، اور اسے اپنے عمال کے درمیان تقسیم
کردیا آزاد اشخاص کا مجمع، یعنی برادری کے جلسے جو ہوا کرتے تھے

ان کے بجائے اب پنچایت، یعنی حکام وعہدہ دارانِ کلیسا کے جلسے ہونے لگے۔

ایتھلرڈ کا زمانہ ابتریوں سے پُر رہا۔ اس نا اہل فرماں روا نے انگلستان کو روز افزوں مصائب ونوائب کا ہدف بنائے رکھا۔ ۹۹۱ء میں جب ڈینوں نے انگلستان پر پھر حملہ کیا، اس نے دفع الوقتی کے لئے انہیں کچھ دے دلا دیا، اور انہیں ایسٹ اینگلیا میں آباد ہونے کی اجازت دیدی۔ مگر اس کے بعد بھی اولف شاہ ناروے، سوین شاہ ڈنمارک کے زیر سرکردگی برابر حملے جاری رہے، ایتھلرڈ نے خائف ہوکر نارمنڈی سے اتحاد پیدا کرنا چاہا، اور اس غرض سے والی نارمنڈی کی ہمشیر اِما کے ساتھ شادی کرلی انگریز ڈینوں کے تسلط سے تنگ آگئے تھے، ۱۰۰۲ء میں ایک روز حالت طیش میں وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بلا تامل تمام ڈینوں کا قتل عام کردیا۔ اور انہیں مقتولوں میں شاہ سوین کی ہمشیر گنہلڈ بھی تھی۔ شاہ سوین نے اس کے قصاص میں انگلستان کو چھین لینے کا عہد کرلیا، اور ۱۰۰۳ء سے ۱۰۰۶ء تک اس کی فوجیں انگلستان کو تہ و بالا کرتی رہیں۔ ایتھلرڈ نے پھر رشوت دیکر ٹالا۔ لیکن یہ مدت صلح بالکل عارضی تھی، اور "صلح بھی ایک مہلت سامان جنگ" کی مصداق تھی، چنانچہ ۱۰۱۳ء میں سوین نے ایک لشکر جرار لاکر جب حملہ کیا، تو سارا انگلستان اسکے

قدم کے نیچے آگیا، اور اتھلرڈ نارمنڈی میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ لیکن سوین کا چند روزہ حکومت کے بعد دوسرے سال انتقال ہوگیا، اور اس کا فرزند کینٹ تخت نشین ہوا۔ اتھلرڈ اور اس کے لڑکے ایڈمنڈ آیرین سایڈ کی وفات سے کینٹ انگلستان کا بے اختلاف فرماں روا ہوگیا۔ ۱۰۱۶ء تا ۱۰۳۵ء تک وہ اپنی اس جدید مملکت پر نہایت دانائی و استقلال کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ اس کے عہد میں قدیم سلطنتیں، سلطنتوں کی حیثیت سے اتر کر ریاستیں بنتی گئیں۔ کینٹ نے مسیحی مذہب اختیار کرکے کلیسا کو اپنا دوست بنالیا، اور انگلستان کے قدیم آئین وضوابط کی از سرنو تجدید کرکے اس نے اہل ملک کے دلوں سے اپنی اجنبیت کا خیال ایک بڑی حد تک مٹادیا۔ اور اس سے بڑھکر اس نے اپنے ملنسار ہونے کے ثبوت میں اپنی شادی بھی اتھلرڈ کی بیوہ کے ساتھ کرلی۔ انگلستان میں اس کا عہد حکومت نہایت پر امن رہا، مگر اس سے بھی زیادہ نفع میں ڈنمارک رہا اس لئے کہ اب وہ ایسے ملک (انگلستان) سے وابستہ ہوگیا، جو اس سے کہیں زیادہ متمدن تھا، اور اسی سبب سے مسیحیت کا شیوع بھی اب ممالک شمال میں جلد جلد ہونے لگا۔ ڈینوں اور انگریزوں میں نسل، زبان، رسم و رواج آئین وضوابط کے لحاظ سے کچھ یوں ہی فرق تھا، انکے اس ملک میں آباد ہوجانے سے گویا انگریزی قوم میں جرمن خون کا

تازہ اضافہ ہوگیا۔

۱۰۳۵ء میں کینٹ کے وفات پر پیکے بعد دیگرے اس کے دو لڑکے ہرولڈ (۱۰۴۰ء) اور ہار تھاکینٹ (۱۰۴۲ء) تخت نشین ہوئے۔ مگر یہ دونوں نہایت وحشی اور فرمانروائی کے بالکل نا اہل تھے۔ انگلستان میں اب پھر بدنظمی اور شورش پھیلی اس لئے جب ہار تھاکینٹ کا انتقال ہوا اور اتھلرڈ کا فرزند ایڈورڈ دوسرے "کانفسر" (انابت پذیر) (۱۰۴۲-۶۶ء) تخت نشین ہوا تو لوگ نہایت خوش ہوئے اور غیر ملکیوں کی فرماں روائی سے تنگ آکر اہل ملک کو ایڈورڈ کی ذات سے بڑی بڑی توقعات پیدا ہوئے، کہ وہ نسباً انگریز تو ہے، لیکن اس کی تربیت ونشوونما چونکہ نارمنڈی میں ہوئی تھی اس لئے اس میں ساری خوبو وہیں کی تھی۔ وہ اپنے ہمراہ نارمنوں کی ایک جماعت کثیر لایا، جسے اس نے تمام اعلیٰ عہدوں اور مناصب پر فائز کردیا، اور اس سے اہل ملک میں سخت ناراضی وبد دلی پھیلی۔

اس وقت انگلستان میں حقیقی قوت امیرالامرا گوڈوائن والی وسکس کو حاصل تھی، جس کی ولایت دریائے ٹیمس کے جنوب میں تھی۔ ایڈورڈ میں نہ قابلیت تھی، نہ مستعدی اسکا سارا وقت کاہلی کی نذر تھا۔ ادھر یہ تھا۔ ادھر نارتھمبریا ومرسیا

ل اس پادری کو کہتے ہیں جس کے سامنے لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور وہ انہیں معاف کرتا ہے

کے امراء عظام، سیورڈ ولیوفرک خود اپنی ولایتوں کے معاملات میں ایسے منہمک تھے، کہ انہیں انتظامات سلطنت سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ اس لئے گوڈوین کو اپنے اقتدار وقوت کے بڑھانے کے لئے میدان بالکل خالی ملا۔ اور اس نے اپنے اعزہ وخاندان کی دل کھول کر اعانت کی۔ چنانچہ اپنے لڑکوں اور بعض عزیزوں کو اس نے مستقل ریاستوں کا والی بنادیا اور ۱۰۴۵ء میں اپنی لڑکی ایڈگتھ کو خود بادشاہ کے عقد میں دے دیا۔

۱۰۵۱ء میں کچھ تو امرا کے رشک وحسد، اور کچھ خود بادشاہ سے اختلاف ہوجانے کے باعث گوڈوین، فلانڈرز کو واپس گیا۔ لیکن دوسرے ہی سال رعایا نے اسے واپس بلوایا، اسلئے کہ بادشاہ نے اس درمیان میں پھر نارمنوں کو سرچڑھانا شروع کردیا تھا۔ ۱۰۵۱ء میں ولیم "حرامی" والی نارمنڈی، ایڈورڈ لاولد کے پاس آیا، اور اس کے بعد اس سے اپنے لئے تخت انگلستان کا وعدہ لے لیا اسوقت دربار نارمنوں سے بھرا ہوا تھا، لیکن گوڈوین کے آتے ہی سب نے راہ فرار اختیار کی۔ منجملہ ان کے ایک رابرٹ آف جومیثر بھی تھا، جسے کنٹربری کا لاٹ پادری مقرر کردیا گیا تھا۔ اس کے بھاگ جانے پر اس عہدہ پر ایک انگریز کا تقرر کیا گیا۔ لیکن پاپا کو یہ امر سخت ناگوار گزرا، اس لئے کہ پاپا کا دعوی تھا، کہ تقررات کلیسا میں عزل ونصب کا اختیار صرف اسی کو حاصل ہے۔

چند روز کے بعد گوڈوین کا بھی انتقال ہوگیا، اور اسکا وارث اس کا فرزند ہیرولڈ ہوا۔

ایڈورڈ لاولد تھا، اس لئے اس کی ولیعہدی کا مسئلہ طے ہونا ضروری تھا۔ ہیرولڈ کونسل شاہی سے نہ تھا، تاہم اگر کوئی ولیعہدی کا مستحق ہوسکتا تھا، تو وہی تھا، اُمرا میں سب سے بڑا وہ تھا، بادشاہ کا دست راست ابتک وہ رہا تھا اور بلحاظ صاحب فوج وفرماں روا ہونے کے اب تک وہی نہایت سربرآوردہ مسلّم ہوچکا تھا۔ اب سوا اس کے اور کوئی صورت نہ تھی، کہ قدیم جرمن دستور کے مطابق بہترین شخص کا انتخاب کیا جائے اور اس معیار پر ہیرولڈ پورا اترا۔

اپنے عہد حکومت کے آخری دس برس میں ایڈورڈ کی کاہلی اور زیادہ بڑھ گئی۔ اس وقت ہیرولڈ سیاہ وسفید کا مالک تھا، اس نے ویلز کی زبردست بغاوت کو فرو کیا ملک میں امن ونظم قائم رکھا، اور پوری معدلت گستری کی ملک کے امرا میں صرف ایک لیوفرک والی مرسیا ایسا تھا جو اس کا حریف ہوسکتا تھا، مگر اس کو اس نے یوں توڑ لیا، کہ نارتھمبریا کی ریاست جو ابتک اس کے بھائی ٹوسٹگ کے قبضے میں تھی، اور جس کے خلاف رعایا نے علم بغاوت بلند کیا تھا، وہ اس نے لیوفرک کے بھائی مورکیر کو دیدی چنانچہ اس کے بعد جب ۵۔ جنوری ۱۰۶۶ء کو

ایڈورڈ کا انتقال ہوا، تو ہیرولڈ بلا اختلاف تخت نشین ہوگیا۔

نویں صدی تک ڈنمارک، سویڈن و ناروے کے جرمن قبائل روما کے اثر سے بالکل آزاد رہے، اور مسیحیت کا تو سایہ تک ان پر نہیں پڑنے پایا تھا۔ یہ لوگ مختلف جرگوں میں منتشر رہتے تھے، اور کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ لیکن نویں صدی میں ان کے بعض سرداروں نے انکے متعدد قبائل میں اتحاد پیدا کیا (جیسا کہ پانچویں صدی میں کلوڈوگ نے فرنگیوں میں پیدا کیا تھا) اور اب ان کی تین مستقل حکومتیں ناروے، سویڈن و ڈنمارک کے نام سے قائم ہوئیں۔ مگر ان کے اکثر سردار چونکہ کسی بادشاہ کے آگے سر جھکانا اپنی توہین جانتے تھے، انہوں نے اپنی آزادی و خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لئے۔ دوسرے ممالک پر بحری قزاقی کا پیشہ اختیار کرلیا۔ شروع شروع انہوں نے گال، جرمنی، شمالی اسپین، بلکہ اٹلی تک کے علاقوں پر دست برد جاری رکھی۔ ان کا دستور یہ تھا، کہ دریاؤں کے راستہ سے اندرون ملک میں دور تک گھس کر چھاپہ مارتے، تاخت تاراج لوٹ مار کرتے، شہروں میں آگ لگا دیتے، اور خانقاہوں وکلیساؤں پر ان کے خزانوں کے لالچ میں خاص طور پر حملہ آور ہوتے۔ ابتداءً ان کے حملے صرف گرمیوں تک محدود رہتے، اور یہ موسم سرما میں واپس چلے جاتے لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ قید اٹھ گئی۔ اب یہ جس ملک پر

حملہ آور ہوتے وہیں اپنی مستقل آبادی قائم کر لیتے، اور وہاں کے سابق حکمرانوں سے قرار داد کر کے وہیں توطن اختیار کر لیتے۔ جوں جوں اِن کے اہل وطن کو ان کی کامیابی و فتوحات کی خبر پہنچتی ان کو بھی طمع گھیرتی، اور وہ بھی ان کی دولت میں شریک ہونا چاہتے۔ اِس شرکت کو یہ لوگ کیونکر گوارا کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا، کہ کسی ملک میں آباد ہو جانیکے بعد جب ان کے اہل وطن اس ملک پر حملہ آور ہوتے، تو یہ خود اہل ملک کے ساتھ موافقت کرتے اور اپنے نئے وطن کی حفاظت و حمایت میں خود اپنے اہل وطن کا مقابلہ کرتے۔

ان شمالیوں میں جرمنوں کی خصوصیت، زمانہ شناسی و مطابقت ماحول کی پوری طرح موجود تھی۔ چنانچہ فرانس میں اگر یہ لوگ فرنچ بن جاتے تھے، انگلستان میں اگر انگریز اور روس میں بس کر روسی۔ بایں ہمہ یہ اپنے خصوصیات کو بھی برابر لئے رہتے تھے۔ جرات، شجاعت، و تہور، جنگجوئی، شہرت پسندی، اور حکمرانی کی قابلیت، یہ تمام جوہر ان میں بدستور قائم رہتے تھے۔ قوم گوتھ کی طرح یہ ہجرت وطن کیوقت گو اپنا مذہب ترک کر دیتے تھے، لیکن مذہبی روح اسی طرح قائم رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسیحیت کو قبول کر کے اس میں اس قدر خلوص و غلو سے کام لیا، کہ گویا یہی پاپائیت کے علم بردار ہو گئے۔ اپنے تباہ کردہ خانقاہوں

اور کلیساؤں کو انہوں نے ازسرنو تعمیر کیا، اور یورپ بھر میں بہ حیثیت زائرین مقامات مقدسہ کے یہ گشت لگایا کرتے تھے۔ اشخاص و مقامات مقدسہ کا یہ بیحد احترام کرتے تھے، اور قزاقوں سے دفعتہً یہ مسیحی نائٹ بن گئے تھے۔

بالٹک کا مشرقی علاقہ بھی شمالیوں کے حملوں کی زد میں تھا۔ نویں صدی کے تقریباً وسط میں یہ لوگ اس ساحل پر آباد ہونا شروع ہوئے۔ اور ان کے سردار روِرک نے فِن، لِپ، ولٹ وغیرہ ان تمام قبائل کو، جو مغربی روس میں متفرق ومنتشر تھے، متحد کردیا۔ یہ اور اس کے جانشین اپنا اقتدار اندرون ملک کی جانب برابر بڑھاتے رہے چنانچہ نووگروڈ واقع جھیل المان، اور کیو واقع دریائے نیپر ان کے اہم مرکز ہوگئے۔ ۳سو برس سے زائد تک روِرک کا خاندان تمام روس پر حکمراں رہا۔ اپنے مشرقی وجنوبی یورشوں میں یہ قسطنطنیہ تک پہنچے۔ جہاں پہنچکر یہ مسیحیت وتمدن سے دوچار ہوئے دسویں صدی میں شمالیوں کی ایک کثیر تعداد دریائے وولگا کو عبور کرکے آئی، اور ایران کے ایک حصہ کو تاخت وتاراج کیا۔ بحر بالٹک سے لے کر بحر اسود تک شمالی تمام دریاؤں کے کنارے اپنی آبادیاں قائم کرتے آئے، اور اس طرح سے اسکینڈینوی ممالک میں سفر وتجارت کے رلستے قسطنطنیہ ومشرق تک کھل گئے۔

بوہیمیا، ہنگری، قسطنطنیہ بلکہ خلفاء بغداد کے جو سکے سویڈن میں پائے گئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ تجارت بہت وسیع تھی شمال کے مسیحی زائرین کو اس سے فلسطین پہنچنے میں بڑی سہولت ہوگئی، اس لئے کہ راستہ بھر انہیں برابر اپنے وطن کے لوگ ملتے جاتے تھے۔ گیارھویں صدی میں بہت سے شمالی سپاہیوں نے شہنشاہ قسطنطنیہ کی ملازمت اختیار کی اور ان میں سے اکثر اسکے باڈی گارڈ میں داخل ہوگئے۔

تقریباً ۸۰۰ء میں شمالیوں نے جزیرہ ہیبرائیڈز، آرکنیز، وسٹلینڈ میں جو اب تک صرف آئرش راہبوں اور زاہدوں سے آباد تھے، توطن شروع کیا۔ ان جزائر سے وہ اصل اسکاٹلینڈ میں آئے، اور سو برس کے اندر اندر یہ تمام نوآبادیاں ملکر ایک حکومت متحدہ بن گئیں۔ نویں صدی میں ان کا قبضہ آئس لینڈ پر ہوگیا، اور اس ملک پر یہ ایسا چھائے۔ کہ آئس لینڈ میں ان کے رسم ورواج خود اپنے وطن سے زیادہ محفوظ و بے تغیر باقی رہ گئے۔ دسویں صدی میں اہل شمال گرین لینڈ میں آباد ہوئے اور چودھویں صدی تک اپنے وطن سے برابر تعلقات قائم رکھنے کے بعد، کسی نامعلوم سبب کی بناپر یہاں سے چل دئے۔

تقریباً ۱۰۰۰ء میں شمالی ملاحوں نے ساحل امریکہ دریافت کیا، اور یہاں اپنی نوآبادی قائم کرنی چاہی، مگر کامیابی نہ ہوئی آئرلینڈ کے مشرقی وجنوبی ساحل میں بھی انہوں نے آبادیاں

قائم کیں، جن میں بعض بارہویں صدی تک موجود رہیں۔ انگلستان و فرانس پر انہوں نے جو حملے کئے انکا ذکر گزر چکا ہے وادی جنوبی سین (نارمنڈی) میں رولف نے جو زبردست ریاست قائم کی، اس نے اہل شمال کے حملوں کو روک دیا۔ ڈیوک رولف (۹۱۱ تا ۲۷) اور اس کے اخلاف (ولیم لانگسورڈ)، ۹۲۷ تا ۹۴۳، رچرڈ "بیخوف" ۹۴۳ تا ۹۶، رچرڈ نیک "، ۹۹۶ تا ۱۰۲۷؛ رابرٹ "عظیم الشان" ۱۰۲۷ تا ۳۵) نے زبردست حکومت قائم رکھی، جس سے نارمنڈی کا شمار فرانس کی قوی ترین و بہترین حکومتوں میں ہونے لگا۔ قوانین و آئین کی پوری پابندی ہوتی تھی، امن و نظم ہر جگہ قائم تھا، اور ماتحت رئیس سب کے سب مطیع تھے ۹۱۱ء میں رولف نے قبول مسیحیت کا اقرار کرلیا تھا، اور ابتدائی وعدہ خلافیوں کے باوجود وہ اور اس کے رفقا بالآخر کلیسا کے بڑے راسخ الاعتقاد پیرو ہوکر رہے۔ اور نارمنڈی نے اپنے مدارس، اور خانقاہوں، اور کلیساؤں کے سبب سے خاص شہرت پیدا کی، بلکہ اس کا اسپے آف بک اپنے نامور بانیوں لانفرانک و انسلیم کی وجہ سے تمام یورپ میں مشہور ہوگیا۔ ۱۰۳۵ء میں رابرٹ "عظیم الشان" کا جب انتقال ہوا، تو اس کا ناجائز ہفت سالہ بچہ ولیم، اس کا جانشین ہوا۔ بالغ ہوکر جب اُس نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینی چاہی، رعایا نے بغاوت کردی۔ سخت جد و جہد شروع ہوئی، آخر ولیم نے اپنے تمام دشمنوں کو مغلوب کرلیا،

اور نہایت قابلیت، و فرزانگی، و قوت کے ساتھ حکمرانی شروع کر دی۔

اب روایت یہ مشہور ہوئی، کہ ایڈورڈ "معترف" اپنے بنی عم ولیم کو اپنا ولی عہد بنا چکا ہے۔ اسی کے ساتھ دوسری روایت، جو اس سے بھی زیادہ مشتبہ تھی، یہ مشہور ہوئی کہ ہیرولڈ کا ایک بار جہاز تباہ ہوگیا، اور اسے ساحل فرانس پر اُتر کر پناہ لینی پڑی، اُس وقت ولیم نے اس سے عہد لے لیا تھا کہ یہ اس کو تخت انگلستان دلانے میں معین ہوگا۔ اس بناء پر جب ولیم کو یہ خبر پہنچی، کہ ہیرولڈ تخت نشین ہوگیا ہے، تو وہ سخت غضبناک ہوا، اور حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، کہ انگلستان کو بہ زور حاصل کرے۔ اس نے پہلے ہیرولڈ، کو بار بار ایفاء عہد پر توجہ دلائی لیکن ہیرولڈ متوجہ نہ ہوا۔ اب ولیم نے ہیرولڈ پر چند الزامات لگا کر پاپا کے پاس اپنا سفیر بھیجا، یہ پیام لے کر کہ اگر پاپا اس کی تائید پر آمادہ ہو جائے تو یہ کلیسائے انگلستان کو اس کے ماتحت کر دے گا۔ پاپا الگزنڈر ثانی اس کی تائید پر آمادہ ہوگیا، اسے برکت دی اور ایک علم مقدس اس کی فوج کے لئے بھیجا۔ اس اثناء میں ولیم نے بیڑہ تیار کیا، اور فوج بھی خوب جمع کر لی۔

شاہ ہیرولڈ کو تخت نشین ہوتے ہی دو طرف سے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کا بھائی ٹوسٹگ اس سے

منحرف ہوکر ڈنمارک فرار ہوگیا تھا، اور وہاں جاکر اس نے
شاہ ہیرولڈ ہارڈراڈا کو انگلستان پر فوجکشی کے لئے برانگیختہ کیا
ہیرولڈ کو اسی زمانہ میں ولیم کے قصد فوجکشی کی بھی اطلاع ہوئی
لیکن اس خبر پر اس نے کچھ اعتبار نہیں کیا۔ احتیاطاً اس نے
ایک فوج جمع کرکے ساحل کی نگرانی رکھی، لیکن جب دشمن کا
کہیں وجود نہ نکلا، تو فوج رفتہ رفتہ منتشر ہوگئی۔ اتنے میں
دفعتاً ہیرولڈ ہارڈراڈا و ٹوسٹگ ساحل یارک شائر پر موج زن
ہوئے، اور اڈون و مورکیر، دونوں امیروں کو شکست دیکر
یارک پر قابض ہوگئے۔ شاہ ہیرولڈ فوراً شمال کی طرف متوجہ
ہوا، غنیم کا اسٹیمفرڈ برج کے قریب مقابلہ کیا، اور انہیں
ہزیمت کامل دی۔ عین اسی دن ولیم بھی پچاس ہزار کا لشکر جرار
لئے ہوئے وارد ہوگیا، اور قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کردیا۔
ہیرولڈ نہایت جلد کوچ کرتا ہوا اس نئے غنیم کے مقابلہ کیلئے
بڑھا، اور گو مرسیا، نارتھمبریا، اڈون، و مورکیر، کے امرانے اسوقت
ساتھ چھوڑ دیا، اور خود اس کی فوج بھی نہایت خستہ ہورہی تھی،
پھر بھی اس نے تھکی ہوئی فوج کو آرام کی مہلت دئے بغیر
ولیم سے مقابلہ کرہی دیا۔ مقام ہیسٹنگز کے قریب۔ سنلیک
نامی ایک پہاڑی پر اس نے اپنی فوج کی ترتیب کی، اور
کئی گھنٹے تک کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا۔ آخر خود قتل
ہوا اور سپاہ منتشر ہوگئی۔ میدان اور تاج ولیم کے

ولیم نے پہلا کام یہ کیا، کہ کنٹ و سکس پر جہاں کے باشندے اس کے جلال و غضب سے دہشت زدہ ہو گئے تھے، قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد وہ لنڈن پر بڑھا، اور اہل شہر کے دلوں میں اپنی دہشت بٹھانے کے لئے سوتھ وارک میں آگ لگادی۔ مگر اہلِ لندن نے شہر کے پھاٹک بند کرلئے اور اپنا بادشاہ ایڈمنڈ آیرن سایڈ کے پوتے اڈگر ایتھلنگ کو بنالیا۔ مرسیا، نارتھمبریا، اڈون و مورکیر کے رؤساء اس کے انتخاب کے وقت موجود تھے، لیکن جب ولیم نے دریائے ٹیمس کو عبور کرلیا، تو یہ سب اپنے علاقوں کی حفاظت کے لئے اپنے وطن چل دیئے۔ اہلِ شہر نے یہ دیکھکر، کہ مقابلہ لاحاصل ہے، ہتیار رکھ دیئے، اور خود ہی تاج ولیم کی نذر کردیا۔ وہ لندن میں داخل ہوا، اور ۲۵ ڈسمبر ۱۰۶۶ء کو ویسٹ منسٹر میں لاٹ پادری اِڈیلرڈ کے ہاتھ سے اس کی تخت نشینی ہوئی تخت حکمرانی کا حق تو اُسے بزور شمشیر حاصل ہی ہوگیا تھا، لیکن اس نے اپنے تئیں اہلِ شہر سے باضابطہ بھی منتخب کرالیا، اور اگر اس کے استحقاق میں کسی شئے کی کمی رہ بھی گئی، تو اس کی تلافی، لاٹ پادری کے ہاتھ سے تاج پہن لینے سے ہوگئی۔

اب تک انگلستان کا صرف جنوبی و مشرقی ہی علاقہ اس کے قبضہ میں تھا۔ لنڈن کی حفاظت کے لئے اس نے ایک زبردست قلعہ تعمیر کیا، جو آگے چلکر منارہ کے نام سے

مشہور ہوا، مرسیا و نارتھمبریا کے امیر صرف برائے نام اس کے مطیع ہوئے۔ ضبطی اراضی میں اپنے تئیں حق بجانب ثابت کرنے کے لئے ولیم نے یہ اعلان کردیا، کہ ہیرولڈ کا انتخاب وتخت نشینی ایک غداری و بغاوت تھی، جس کی سزا موت اور ضبطی جائداد تھی، اس لئے تمام ملک جس نے ہیرولڈ کو بادشاہ تسلیم کرلیا تھا، مجرم قرار پایا، اور ساری زمین کا حقدار ولیم ٹھیرا۔ چنانچہ جن جن لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا تھا، ان کی جائدادیں اس نے ضبط کرلیں، اور باقی سے جرمانے وصول کئے۔ اس کے سوا اور کوئی تغیر نہیں ہوا۔

۱۰۶۷ء میں ملک میں اس قدر امن وسکون قائم ہوگیا تھا کہ ولیم نارمنڈی کو واپس گیا، اور اپنا نائب اوڈو، کینٹ کے نواب وبیئیو کے پادری، اور ولیم فٹز اسبرن ہرفرڈ کے نواب کو بنا گیا۔ لیکن یہ دونوں اس بار امانت کے اہل نہ ثابت ہوئے۔ اور نارمن امرا کو انگریزوں پر مظالم کرتے ہوئے دیکھا کئے۔ انگریزوں نے بغاوت کی، جسے فرو کرنے کے لئے ولیم اسی سال پھر واپس آیا۔ ۱۰۶۹ء میں حقیقتہً ساری کی ساری قوم یکدل ہوکر ولیم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اُدھر سوین شاہ ڈنمارک بھی ولیم کے مقابلہ میں تخت انگلستان کا مدعی پیدا ہوگیا، اور ایک بیڑہ لے کر آیا۔ ستمبر میں جس وقت وہ پہنچا ہے، ملک کا تمام مغربی، شمالی، اور جنوب مغربی علاقہ علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھا، اور شاہ اسکاٹ لینڈ ان کی

حمایت پر تھا۔ ولیم نے ہمبر کی جانب کوچ کیا، اور ڈینوں کے بیڑہ کو ہٹایا۔ اس کے بعد وہ سرکش امرا کی طرف متوجہ ہوا، اور چونکہ ان میں اتحاد کامل نہ تھا، آسانی سے انہیں مغلوب کرلیا۔ یارک شایر اس کی شاہین غضب کا خاص طور شکار ہوا اور اس علاقے کو بہت ہی بیدردی سے پامال کیا کہ ایسا آفت کا قحط پڑا، جس میں ایک لاکھ جانیں ضائع ہوئیں اور تقریباً ایک صدی تک زمین پیداوار کے قابل نہ رہی اکثر جری انگریزوں نے دریائے واش کے جنوبی و مرطوب علاقہ فنس میں جاکر پناہ لی، اور وہاں سے ہرورڈ کے زیر علم برابر پرجوش مقابلہ کرتے رہے۔ آخرکار ان کا بھی قلع و قمع کردیا گیا، اور اُس وقت سے انگلستان پوری طرح ولیم کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد اس کا حملہ اسکاٹ لینڈ پر ہوا، اور وہاں کے فرمانروا کو اس نے خراج دینے پر مجبور کردیا اب اچھی طرح قابض و مالک ہوجانے کے بعد ولیم نے نہایت استحکام و استقلال کے ساتھ حکمرانی شروع کردی۔

اس نارمن فتح کا تاریخ انگلستان پر بہت گہرا اثر پڑا، نہ صرف اس لئے کہ ولیم کے عہد میں اہم سیاسی تغیرات ہوئے، بلکہ چونکہ ولیم صرف انگلستان کا بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ والی نارمنڈی، اور شاہ فرانس کی رعایا، اور پاپا کا مخلص دوست تھا، اسلئے اسکی ان حیثیات کا لازمی نتیجہ یہہ تھا کہ انگلستان کا تعلق یورپ کے دوسرے ممالک سے

بہت زیادہ ہوجائے، اور شاہان انگلستان اپنے بیرونی مقبوضات
کے زعم میں اکثر شاہان فرانس سے سرگرم آویزش ہو جائیں،
اور انگلستان بھی پاپا کے عالمگیر اقتدار و اثر میں آجائے۔
چنانچہ اس فتح کے وقت سے انگلستان کا شمار دول یورپ
میں ہونے لگا، اور یورپ کے دوسرے اقطاع سے اس کے
بہت زیادہ تعلقات قائم ہوگئے۔
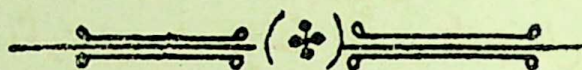
باب (۶)

فرانس کی سیاسی تاریخ (۸۸۷ تا ۱۱۰۸)

اڈو کو بادشاہ بنانے میں امراء فرانس کا قرعۂ انتخاب بہترین شخص پر پڑا۔ یہ تمام امیروں میں بہ لحاظ جاگیر سب سے بڑا، اور سب سے زیادہ شجاع، عادل، و نیک کردار تھا۔ اس کی مقبولیت و ہر دلعزیزی میں اس سبب سے اور بھی اضافہ ہوگیا تھا، کہ اس کے والد رابرٹ محکم نے (۸۶۶ء میں) اہل شمال کی مدافعت میں ملک پر جان فدا کردی تھی۔ تاہم اس کی تخت نشینی خطرہ سے خالی نہ تھی، اس لئے کہ چند اور امیر بھی اپنے تئیں اس کا ہم پایہ سمجھتے تھے، اور اس کی مخالفت پر تلے ہوئے رہتے تھے۔ کارل اعظم کے کمزور جانشینوں کے عہد میں اُن امرا نے جو حکومت کے

ارکان بھی تھے، اپنے اختیارات کو بہت بڑھالیا تھا، اور اپنے عہدوں کو اپنی ہی نسل کے ساتھ گویا مخصوص کرلیا تھا۔ اور اس طرح فلانڈر، پوٹیو، انجو، گیسکنی، پیرس، وغیرہ کے امرا کی جاگیریں "پائیگاہیں" کہلانے لگی تھیں، اہلِ شمال کے حملے اب بھی بدستور قائم رہے، لیکن اوڈو کو ان کی مدافعت میں پھر کامیابی نہ ہوسکی۔ اور ۸۹۳ء کے بعد سے تو اُسے ان امرا کی سازشوں کا بھی، مقابلہ کرنا پڑا جو چارلس سادہ لوح کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے۔ اوڈو اپنے تخت و تاج کے بچانے میں کامیاب رہا، تا آنکہ خستہ و ماندہ ہوکر ۸۹۸ء میں وفات پاگیا، اور بجائے اپنے بھائی کے رابرٹ جو وارث صحیح تھا، اپنی جانشینی کے لئے چارلس "سادہ لوح" کو نامزد کرگیا۔ رابرٹ نے اس کی تخت نشینی کو قبول کرلیا، اور اس اطاعت کے صلہ میں اسے فرانس کا صوبہ عطا ہوا، جس میں منجملہ اور شہروں کے پیرس، ٹور، و آرلینس بھی شامل تھے۔

چارلس متعدد حیثیات سے اہلیت و قابلیت رکھتا تھا۔ لیکن جس آسانی سے یہ اپنی رعایا کی اظہار وفاداری اور مواعید پر اعتماد کرلیتا تھا، اُس نے اسے ہمیشہ سخت تکلیف و نقصان میں مبتلا رکھا، اور اسی بنا پر اس کا لقب "سادہ لوح" پڑگیا۔ اہل شمال کے حملے اب بھی اسی زور شور سے جاری تھے، بلکہ اب انکے بعض گروہوں نے،

دریائے سین کے دہانے پر اور بعض اور شہروں پر قبضہ کرکے موسم سرما اسی ملک میں بسر کرنا شروع کردیا تھا۔ ۹۱۱ء میں چارلس نے ان کے خاص سرغنہ رولف کو جنوبی سین کی وادی دے دی، اور اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کردیا تاکہ وہ مسیحیت قبول کرکے اسی ملک میں آباد ہوجائے۔ یہ ایک دانشمندانہ فعل تھا، اس لئے کہ رولف کا بھی فائدہ اسی میں تھا۔ چنانچہ وہ ان شرائط کو قبول کرکے وہیں بس گیا، اور شمال کے جھونکوں کو برابر روکتا رہا۔ جس خطہ میں یہ آباد ہوا تھا، اس کا نام نارمنڈی ہوگیا۔

اب رابرٹ کو یہ خیال پیدا ہوا، کہ ۸۹۹ء میں اس نے ناحق تخت سے دست برداری کرلی تھی۔ اس نے دو اور امیروں کو اپنا شریک کرکے شطرنج کا تختہ اُلٹ کر اپنے تئیں بادشاہ بنالینا چاہا۔ ۹۲۳ء میں ان کے لشکر نے عسکر سلطانی کو قریب سوئیسنس کے شکست دی، لیکن خود رابرٹ اس معرکہ میں کام آگیا۔ اس کا لڑکا ہیوگو تاج سے دست بردار رہا، اس لئے امرا نے رابرٹ کے داماد، روڈلف آف برگنڈی کو بادشاہ منتخب کیا، اور فریب سے چارلس کو گرفتار کرکے قید کرلیا، لیکن اس کی بیوی اپنے بچہ سمیت بچ کر نکل گئی، اور اپنے باپ ایڈورڈ اکبر شاہ انگلستان کے پاس جاکر پناہ لی۔ روڈلف نے بارہ برس تک بادشاہی کی، گو ابتدا میں کئی برس تک اس کی حکومت برائے نام ہی تھی اسلئے کہ

اس کے اختیارات بہت ہی محدود تھے، اور اکثر امرا کو اس کی بادشاہی کے تسلیم کرنے میں کلام تھا۔ اس درمیان میں امرا کی مخالفت کے باعث چند روز کے لئے چارلس پھر تخت نشین ہوگیا تھا، لیکن پھر مقید کرویا گیا، اور وہیں فاقہ کشی سے مرگیا (۹۲۹ء)۔

روڈولف ۹۳۶ء میں لا ولد مرگیا۔ اور لوئی چہارم کو انگلستان سے بلاکر، تخت اس کے حوالے کرویا گیا۔ ڈیوک ہیوگو یہ دیکھکر کہ بادشاہی میں حکومت تو برائے نام ہے، اور اُلٹے خطرات عظیم کا سامنا ہے، اب بھی تخت سے دست بردار ہی رہا، اور بدستور اپنی حیثیت صرف مشیر کی رکھی، جس سے وہ اپنی ریاست میں بھی معقول اضافہ کرسکتا تھا۔ اب اس کے پاس حسب ذیل جاگیریں تھیں نیوسٹریا، فرانسیا، بلوے، شیمپین، چارٹرے، اینجو، وغیرہ لوئی چہارم کو بہت دفعہ اس امیرکبیر ہیوگو سے جنگ کرنی پڑی۔ تا آنکہ ۹۵۴ء میں اس کا خود انتقال ہوگیا، اور تاج اس کے ہشت سالہ لڑکے لوتھیر (۹۵۴-۹۸۶) کو ملا۔ ہیوگو نے اکیوٹین، و برگنڈی کی ریاستوں کو بھی اپنا شریک کیا، لیکن قبل اس کے کہ اکیوٹین اس کے پورے دخل و تصرف میں آسکے، وہ فوت ہوگیا۔ اس کے دونوں لڑکے ہیوگوکیپٹ، و آٹو نے، جو اب مالک ہوئے، اپنے نامور باپ ہی کے نقش قدم پر چلے،

اور جنوبی گال میں اپنے مقبوضات کی توسیع کرنے لگے۔ لوتھیر ایک قابل شخص تھا، لیکن اس سے دو سخت خطرناک غلطیاں ہوئیں۔ ایک یہ کہ اس نے کلیسا سے بگاڑ کرلیا، دوسرے یہ کہ اس نے لوتھیرنجیا لے لینا چاہا، جو اب جرمنی کے قبضہ میں تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ایک طرف سے ارکان کلیسا نے اپنے مسلسل منافشات سے ستانا شروع کردیا، دوسری طرف اس سے شاہان جرمنی سے بھی جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس کے ان معاندانہ تعلقات سے فائدہ اٹھاکر ہیوگوکیپٹ نے آٹو سوم سے دوستی پیدا کرلی، اور جب لوتھیر نے جرمنی سے اعانت چاہی، تو معلوم ہوا، کہ اس کے اس بڑے باجگزار و شاہ جرمنی میں پیشتر سے دوستی ہے۔ لوتھیر کا انقلاب سے پیشتر ہی انتقال ہوگیا، اور ۹۶ءمیں اس کا فرزند جانشین ہوا۔ مگر اس کا بھی اگلے سال انتقال ہوگیا، اور اب کارل کی نسل میں صرف چارلس نواب لوتھیرنجیا باقی رہ گیا تھا، جو اثر و قوت سے معرّی تھا، اور اس لئے مطلق توقع نہیں رکھ سکتا تھا، کہ امرا اس کے حق میں رائے دینگے۔ اس کے مقابلہ میں ہیوگوکیپٹ کو آٹو سوم شاہ جرمنی، امرا و کلیسا سب کی تائید حاصل تھی۔ اکثر اعیانِ ملک اس کے رشتہ مصاہرۃ میں منسلک تھے ارباب کلیسا خانقاہ اس لئے اس کے ہمدرد تھے، کہ وہ

برابر روپیہ سے ان کی مٹھی گرم کردیا کرتا تھا رئیس کے لاٹ پادری ایڈلبرون اور دیگر پادریوں نے ملک کے سارے امرا کو دعوت دی، کہ یکجا ہوکر بادشاہ کا انتخاب کریں۔ اور عین جلسہ میں ایڈلبرون نے ایک نہایت مدبرانہ تقریر کے بعد، جس کا مقصود یہ تھا کہ چارلس بادشاہی کے لئے موزوں نہیں، اور تاج موروثی نہیں بلکہ انتخابی ہے، ہیوگوکیپٹ کا نام فرماں روائی کے لئے پیش کیا، اور اس کے فضائل ومناقب کی تفصیل بیان کی۔ نواب فوراً بادشاہی کے لئے منتخب ہوگیا، اور حسب ذیل لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا "اقوام گال، برٹن، ڈین، نارمن، اکیوٹینین، گوتھ، اسپینی، وگاسکون، کا تاجدار"۔

اس طریقہ پر تاج کیپٹی خاندان میں آگیا، اور یہ خاندان مسلسل تین سو برس سے زیادہ تک حکمران رہا (۹۸۷ء تا ۱۳۲۸ء) گو تاجدار کا تقرر انتخابی ظاہر کیا گیا تھا، لیکن چند ہی روز میں موروثی ہوگیا۔ اور اس خاندان کی تاریخ میں اس امر کا بھی ایک اہم اثر پڑا کہ اس مدت دراز میں کبھی ایسا اتفاق ہوا ہی نہیں، کہ خاندان میں کوئی مرد وارث، بالغ، حکومت کا اہل نہ نکلا ہو۔ اس لئے جانشینی میں اختلافات، اتالیقی کی ابتریاں اختلافی انتخابات کبھی ہوے ہی نہیں۔

کیپٹ کا یہ خاندان ضعف و قوت دونوں کے آثار اپنے اندر رکھتا تھا۔ میروونجی و کارلی دونوں نسلوں کی

کلیسا نے تقدیس و تبریک کی تھی، اور اس لئے ان کی فرمانروائی
بالکل جائز تھی۔ خاندان کیپٹ کا تاج تمامتر کلیسا ہی کا ممنون
منت تھا، اس لئے خلقت نے ان کی فرمانروائی کو بھی
بہ طیب خاطر قبول کرلیا۔ اس طرح بادشاہ کی حیثیت گویا
نائبِ الٰہی، و فرمانروائے مطلق کی ہوگئی تھی، جس کا کام
فصلِ خصومات و قیام امن تھا۔ لیکن ایک اور طبقہ بھی تھا،
جو زیادہ تر امرا پر مشتمل تھا، جو ابتک نظام جاگیرداری کے
عادی تھے، اور جن کے نزدیک بادشاہ کی مطلق العنانی
مسلم نہ تھی۔ یہ لوگ بادشاہ کو محدود الاختیار سمجھتے تھے۔
یہ لوگ خود چھوٹے چھوٹے بادشاہ تھے، اور بجز نام کے
ہر طرح سے اپنے تئیں بادشاہ سمجھنے میں حق بجانب تھے
کیپٹی تاجداروں کو ان خیالات کی قوت تسلیم کرنا پڑی
شاہی اختیارات محدود رہے، اور اسے ان کی انتہائی
خوش نصیبی ہی کہنا چاہیۓ، کہ آخر میں یہ لوگ نظام جاگیرداری
کو توڑ کر ایک زبردست مرکزی حکومت قائم کرنے میں کامیاب
ہوگئے۔ لیکن یہ کامیابی کہیں مدت میں جاکر ہوئی۔ سو برس
سے زیادہ تک سلطنت و اقتدار میں انتشار ہی رہا۔ خاندان
کیپٹ، اپنے ماتحت حکّام کو اپنے عہدوں اور منصبوں کے
موروثی بنانے سے روکنے کی کوشش میں ناکام رہا،
اور خود ان کے رقبۂ سلطنت میں غاصبانہ کارروائیوں سے
برابر کتربیونت ہوتی رہی۔ گیارہویں صدی میں ان کا

ضعف بے نہایت تھا۔ البتہ بارہویں صدی ان کے موافق آئی، اور اس وقت سے ان کا اقبال برابر ترقی ہی کرتا رہا۔

ہیوگوکیپٹ کا عہد حکومت، بہ دادید حالات زمانہ جسقدر کامیاب رہ سکتا تھا، رہا۔ اس کے باجگزاروں نے علی العموم اس کی حکومت کو تسلیم کرلیا تھا۔ اور اس نے سلاطین جرمنی وپاپا کے مقابلے میں اپنا طرز عمل بالکل خود مختارانہ رکھا۔ اس کے زمانہ میں قومیت کا احساس برابر ترقی کرتا رہا جس سے فرانس اور اس کے ہمسایوں کے درمیان اختلاف لسانی و اختلاف مراسم کی بنا پہ جس قدر بیگانگی تھی، اس میں اور اضافہ ہوتا رہا۔

اس کا فرزند وجانشین رابرٹ دوم (۹۳۶ء تا ۱۰۳۱ء) جو تواضع و خدا ترسی کے لحاظ سے "متقی" کے لقب سے ملقب ہوا، ایک جوانمرد و جری حکمران تھا، جو تھیر بخنیا کے لئے بڑی شجاعت سے لڑا، اور اپنے ملک میں متعدد اضلاع اور شہروں کا اضافہ کرلیا۔

ہنری اول (۱۰۳۱ء تا ۱۰۶۰ء) کا عہد حکومت اقتدار شاہی کے حق میں سخت مضر ہوا، گویہ بادشاہ ذاتی طور پر مستعد بھی تھا اور شجاع بھی۔ یہ برابر اُن اُمرا سے مناقشات میں الجھا رہا، جن کی املاک اس کی سلطنت کے ہمسایہ میں تھیں، خصوصاً بُلوے کے سرداروں

اور نارمنڈی کے نوابوں سے۔ اس کی ریاست میں سمندر تک
پہنچنے کا راستہ صرف دریائے سین تھا، جس کا جنوبی حصہ
نارمنوں کے قبضہ میں تھا، جو اپنی کثرت تعداد و جنگجوئی کی
بنا پر، اس کے خطرناک حریف تھے۔ ہنری اول کو اس
خطرہ کا احساس ہوا، اور اس نے ہر طریقہ پر کوشش کی، کہ
نارمنڈی کو اپنے تحت میں لے آئے، لیکن ناکام رہا۔ اس
علاقہ کا نواب ولیم، جس کو ہم سب فاتح انگلستان کی حیثیت
سے جانتے ہیں، بدستور خود مختار رہا۔

فلپ اول (۱۰۶۰ء تا ۱۱۰۸ء) نارمنڈی اور دیگر جاگیروں کے
معاملہ میں بالکل اپنے والد کے نقش قدم پر چلا۔ وہ ابھی
اس قدر کمسن تھا، کہ ولیم کو تسخیر انگلستان سے کیا روک سکتا،
البتہ اس نے ولیم کے خاندان میں باہمی رنجش پیدا کرا کے،
اور انگلستان و نارمنڈی کو ایک دوسرے سے بے تعلق رکھکر
ولیم کو جتنا نقصان پہنچا سکتا، پہنچا دیا۔ اس کے جانشین بھی
اسی روش پر قائم رہے۔ اپنے اور بڑے باجگزاروں سے
وہ بہ کامیابی متعدد لڑائیاں لڑا، اور اپنی قلمرو کے حدود کو
وسیع کرتا رہا۔ محاربہ صلیبی اول میں اس نے شرکت سے
انکار کردیا، گریگوری ہفتم کے مطالبات کو نامنظور کردیا، اور
فرانس کے اُس حصہ کے ساتھ، جو پاپا کا پیرو تھا، تشدد کا
برتاؤ کیا۔ اُس کا یہ طرز عمل گو آج بہت پسندیدہ نظر آتا ہے
لیکن اس کے معاصر تذکرہ نویسوں کے سخت برہم کردینے

کے لئے کافی تھا۔ اور اس لئے انہوں نے عجب عجب معائب کا اس کی جانب انتساب گیا ہے۔ پرخوری، کاہلی، عیاشی، ڈاکہ زنی، اور طرح طرح کی بدکاریاں اس کے سر تھوپی گئی ہیں۔ بڑھاپے میں اس کی مستعدی میں اس کے فربہی کی وجہ سے، جو مرض کے درجہ تک پہنچ گئی تھی فرق آگیا تھا۔ تاہم اس کے عہد کے کارنامے کچھ کم نہیں گو ملک کی روز افزوں جاگیرداری نے شاہی اقتدار کو بہت ہی محدود کر رکھا تھا۔ جاگیرداروں کے محل اور قلعے کثرت سے تھے، اور بادشاہ کی ہر سمت سے مخالفت ہوتی تھی۔ مونٹلیری کا مشہور قصر پیرس کے دروازہ ہی پر تھا، اور بڑا اندیشہ رہتا تھا کہ بادشاہ اگر بہت سخت پہرہ کا انتظام کئے بغیر محل سے باہر قدم نکالے، تو خود اپنی ہی شریر رعایا کے ہاتھ میں گرفتار ہوجائے اور بغیر فدیہ دئے رہا نہ ہوسکیگا۔ جاگیرداری کی یہ بدنظمی و بدامنی اپنے منتہائے شباب پر تھی، کہ لوئی چہارم کے عہد حکومت (۱۱۰۸ء تا ۱۱۳۷ء) نے اس کا رخ پلٹ دیا۔ اس کے زمانہ میں بادشاہ کی قوت بڑھی اور طوائف الملوکی و بدامنی گھٹی، امن ایک حد تک قائم ہوا، اور جاگیرداری کے رسوم و رواج زیادہ مستحکم و راسخ ہو گئے، جن کی وجہ سے نقض امن کے مواقع میں بہت تخفیف ہوگئی۔ ملک کی حالت اب بھی بالکل درست و مطمئن نہ تھی۔ تاہم بہت بڑی بات یہ ہو گئی تھی، کہ

حکومت و جماعت کے قانون و دستور ایک خاص نہج و اسلوب میں ڈھل گئے تھے۔ سلاطین فرانس کو سلاطین جرمنی کے مقابلہ میں ایک بڑا نفع یہ حاصل تھا، کہ فرانس میں جو جاگیریں لاوارث ہوجاتی تھیں، وہ بادشاہ کی ملک ہوجاتی تھیں برخلاف اس کے جرمنی میں بادشاہ مجبور تھا کہ ایک سال کے اندر کسی اور کو عطا کرے۔ اس بنا پر سلاطین فرانس کو اپنے قلمرو میں اضافہ کرنے کا برابر موقع رہتا تھا، اور سلاطین جرمن کو یہ بات نہیں حاصل تھی۔

باب (۷)

(۸)

جرمنی کا تعلق اٹلی سے (۸۸۷ء تا ۱۰۵۶ء)

کارل "فربہ" کی معزولی پر آرنولف، تحت جرمنی کا مالک بن بیٹھا (۸۸۷ تا ۹۹) کارل کا جانشین ہوکر وہ سمجھتا تھا کہ تمام مغربی سلاطین اس کے دست نگر ہیں، چنانچہ اس نے برگنڈی، اٹلی، و مغربی فرینکون کے سلاطین سے اپنی بالادستی باضابطہ تسلیم کرائی، اہل شمال کو اس نے (۸۹۱ء) میں بڑی سفاکانہ شکست دی، لیکن موریویا کی سلافی سلطنت پر، جو اس وقت بوہیمیا و اسٹریا پر مشتمل ہے، غالب نہ آسکا پاپا کی استدعا پر آرنولف نے اٹلی میں بھی دوبارہ قدم رکھا وہاں کے فتنہ و فساد کو فرو کیا، پاپا کو ہجوم اعدا سے نجات دلائی، اور اس کے صلہ میں ۸۹۶ء میں پاپا نے

اس کے سر پر تاج رکھا۔

اس کے فرزند لڈوگ "طفل" (۸۹۹-۹۱۱) کا عہد حکومت اتحاد جرمنی کا قاطع ثابت ہوا۔ امراے مقامی نے مناصب اور جاگیروں پر قبضہ کرکے سب کو اپنے خاندان کے لئے موروثی بنالیا۔ اور جس طرح کارل اعظم کی سلطنت دو چھوٹے حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی، اسی طرح آرنولف کی سلطنت فرینکونیا، سیکسنی، بویریا، سوابیا، لوتھیرنجیا کی پانچ ولایتوں میں تقسیم ہوگئی۔ بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر ان ولایتوں میں متعدد اشخاص خود حکومت پر قابض ہوگئے، اور گویا اپنی اپنی جگہ والی بن بیٹھے۔ ان ولایتوں کی تقسیم نے، جو قبائل کی تقسیم پر مبنی تھی، ان پانچوں جرمن قبائل کے تفرقہ و اختلاف کو اور مستحکم کردیا۔ ہر ولایت کے باشندے دوسری ولایتوں سے آزاد و بیگانہ رہ کر اپنے مخصوص اغراض کو قومی اغراض و مقاصد پر ترجیح دیتے تھے۔

لڈوگ "طفل" کی وفات پر کارل اعظم کی نسل کا خاتمہ ہوگیا، اور اس لئے ایک جدید بادشاہ کا انتخاب ناگزیر تھا۔ یہ شرف کانرڈ اول (۹۱۱ تا ۹۱۸) والی فرینکونیا کے حصہ میں آیا۔ یہ گو ایک قابل، دلیر، بیدارمغز فرماں روا تھا، اور چاہتا تھا کہ حکومت نہایت شایستہ اصول پر قائم رکھے، تاہم اس کی ساری زندگی امرا سے اپنی بالادستی تسلیم کرانے کی سعی لاحاصل میں صرف ہوئی۔ اس نے کلیسا کو اپنا دوست بنایا،

اور ۹۱۶ء میں التھیم کی مجلس کلیسا نے یہ فتویٰ دیدیا، کہ کانرڈ کی مخالفت سے تکفیر لازم آتی ہے۔ لیکن کلیسا کی مدد کے باوجود بھی کانرڈ امرا کو مغلوب نہ کرسکا، اور اپنے بستر مرگ پر اُسے اپنے سب سے بڑے حریف ہنری آف سیکسنی کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کرنا پڑا۔

سیکسنی و فرینکونیا کے امرا نے فرزلر میں مجتمع ہوکر ہنری کو پادشاہ منتخب کیا (۹۱۹ تا ۳۶)۔ وہ ایک معاملہ فہم شخص تھا۔ اس نے مشکلات کا اندازہ کرکے بجاے خود طے کرلیا، کہ بادشاہت کے بجائے اس وقت صرف امیرالامرائی ہی پر قناعت کرنا قرین مصلحت ہے۔ خاندان کارل کا اب خاتمہ ہوچکا تھا۔ امرا کا زور توڑنا ناممکن تھا، اپنی اپنی ولایت میں وہ بالکل خود مختار تھے، اور بادشاہ کے سامنے اگر ان پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی تھی، تو صرف ان کے جاگیردار ہونے کی حیثیت سے، اب بادشاہ نے جو محض امیرالامرائی پر قناعت کی، اس کا ایک اثر یہ ہوا، کہ بادشاہ کو کلیسا کی خاص موافقت کی ضرورت باقی نہیں رہی امرا سے اس کے تعلقات بہت اچھے رہے، چنانچہ اس کے انتخاب کے بعد جب لاٹ پادری مینز نے بہ حیثیت شیخ النصاریٰ اس کے سر پر تاج رکھنا چاہا، تو اس نے یہ کہکر انکار کردیا کہ امرا کے انتخاب کر چکنے کے بعد کسی مزید رسم کی ضرورت باقی نہیں۔

۹۲۴ء میں میگیاروں نے جو ہنگیریا والے تھے سیکسنی پر حملہ کیا۔ ہنری نے اپنے میں مقابلہ کی قوت نہ پاکر ان نے ۹ برس کے لئے سالانہ ایک گرانبہا خراج دینے کی شرط پر صلح کرلی۔ اس ساری مدت میں ہنری اپنے ملک کی اصلاح کرتا رہا، اور فوج کو خوب درست کیا۔ اسکی تیاریوں کا ذکر وِڈی کونڈ نے یوں کیا ہے:-

"اس نے پہلا کام یہ کیا، کہ ہر ان نو سپاہیوں میں سے جو دیہات میں رہتے تھے، ایک ایک سپاہی کو شہر میں بسنے پر مجبور کیا، اس شرط پر کہ وہ باقی آٹھوں کے رہنے کیلئے گھر بنائے۔ اور کل پیداوار میں سے ⅓ جمع کرتا رہے۔ اور باقی آٹھ اس کے لئے بھی کاشت کرتے رہیں۔ شہروں کا کام دن رات جاری رہنے لگا، اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر قسم کی مجالس، مقدمات، جشن وغیرہ کا انعقاد یہیں ہوا کرے تاکہ لوگ جنگ کے زمانہ میں ہل مل کر رہنے کے خوگر ہوں۔"

بعض شہروں مثلاً مرسبرگ، مایسین کوڈلنبرگ وغیرہ کو اس نے قلعہ بند کرایا۔ اس میں شبہ نہیں، کہ شہرپناہ کا وجود اس کے زمانہ سے پیشتر بھی تھا، لیکن جرمنوں کے اکثر جرگے کھلے ہوئے دیہات ہی میں رہنے کے عادی تھے۔ ہنری نے مدنیت کو بہت ہی رواج دیا، اور یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ ہوا، کہ جرمن شہروں کی تعداد میں اضافہ ہوا

اور اس کے بعد کی صدی میں شہریوں کی ایک بڑی پرنخوت جماعت پیدا ہوگئی۔ شہروں کی تعمیر سے تجارت کو بھی خوب فروغ ہوا۔ اور ہنری نے فرصت پاکر ایک لشکر جرار تیار کرلیا فنون حرب کی تعلیم جنگی کھیلوں کے ذریعہ سے دی جانے لگی، اور رسالہ بھی تیار ہوا۔ اب تک سیکسن صرف پیادہ فوج کے عادی تھے۔ رسالہ کے وجود میں آتے ہی جو لوگ صاحب مقدرت تھے، وہ تو سواروں کی حیثیت سے بادشاہ کے ہمرکاب رہنے لگے، اور باقی جنہیں اتنی مقدرت نہ تھی، وہ جنگی خدمت سے علیحدہ رہکر غلام بن گئے۔

ہنری نے شمال میں ڈینوں اور مشرق میں سلافون کا علاقہ دبالیا۔ ۹۳۳ء میں اس نے میگیاروں کو خراج دینا بند کردیا، نتیجہ یہ ہوا، کہ معرکہ ہوا، اور اس نے انہیں متعدد معرکوں میں شکست فاش دی۔ شہر پناہ و رسالہ کے وجود، اور پیدل کی قواعد دانی کی علت غائی اب سب کی سمجھ میں آگئی۔ ہنری نے اپنی وفات (۹۳۶) سے قبل اپنے فرزند آٹو کو اپنا جانشین تسلیم کرالیا۔

آٹو اول (۹۳۶ تا ۹۷۳) اپنے انداز طبیعت اور اصول حکمرانی میں اپنے باپ سے مغائر تھا۔ ہنری کا بڑا وصف اس کا انکسار و تحمل تھا، وہ کبھی خیالی باتوں پر توجہ نہیں کرتا تھا، اور اپنے حوصلوں کو محدود رکھتا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا، کہ امرا کا زور توڑنا اس کے بس کی بات نہیں

اور یہ سمجھکر اس نے اس کی خود مختاری کو تسلیم کرلیا تھا۔ آٹو، بہ خلاف اس کے نہایت مغرور و بلند نظر شخص تھا، شاہانہ حقوق و اقتدار کے متعلق اس کا خیال حد سے گزرا ہوا تھا۔ اسے مرتبۂ امیرالامرائی پر قناعت نہ تھی، بلکہ وہ اپنے تئیں کارل اعظم کا وارث سمجھتا تھا۔ بادشاہ کی شان ظل اللہی، اور کلیسا کے ساتھ اس کا تعلق خاص، جس پر ہنری نے کبھی توجہ نہ کی تھی، آٹو نے اسے از سرنو بڑھانا چاہا۔ امرا کو اس کا باپ اپنا ہمسر سمجھتا تھا، آٹو نے انہیں ماتحت بنانا چاہا۔ ہنری کو کلیسا کی امداد کی حاجت نہ تھی، اس لئے کہ اسے امرا کو اپنے ساتھ رکھنا مد نظر تھا، بہ خلاف اس کے آٹو چونکہ امرا کا زور توڑنا چاہتا تھا، اس لئے کلیسا کی امداد اس کے لئے ناگزیر تھی۔ اس کے انتخاب و تخت نشینی کے وقت جو واقعات پیش آئے، ان سے خود ہی یہ واضح ہوگیا، کہ اس کے اور اس کے باپ کے خیالات میں کسقدر فرق ہے۔ ہنری کی سادگی طبائع پر گراں تھی، اور لوگ چاہتے تھے کہ کارل اعظم کا جاہ وحشم پھر عود کر آئے۔ چنانچہ اس عام خواہش کے مطابق قدیم دارالسلطنت آکسن جشن تخت نشینی کے لئے منتخب کیا گیا۔ تمام نواب و امرا حاضر تھے، اور یہ رسم نہایت تزک واحتشام کے ساتھ انجام پائی۔ اس کے بعد ضیافت ہوئی، اس میں اُمرا نے بادشاہ کو کھانا کھلایا۔ گسلبرٹ والی لورین اس کا

حاجب ہوا، ابرہارڈ والی فرینکونیا خانساماں، ہرمان والی سوابیا ساقی، اور آرنولف والی بویریا نقیب۔

لیکن بالآخر امرا آٹو کی بد مزاجی کی تاب نہ لاسکے۔ اور اس کے بلند نظر بھائیوں سے ملکر اس کی معزولی کی سازش شروع کی۔ اب ایک طولانی معرکہ شروع ہوا، جس میں آٹو نے بالآخر تمام امرا کو بیدخل کرکے ان کی ریاستیں اپنے اعزہ کو دیدیں۔ امرا کے مقابلہ میں دوسرا پلہ بھاری رکھنے کیلئے آٹو نے کلیسا سے ساز باز رکھنا ضروری سمجھا، اور اس غرض کے لئے بزرگان کلیسا کو دولت و اقتدار سے پوری طرح بہرہ ور کرنا شروع کردیا۔ رفتہ رفتہ بزرگان کلیسا کا بھی شمار امرا میں ہونے لگا۔ آگے چلکر یہی روش مضر ثابت ہوئی اس لئے کہ آئندہ جب شہنشاہی و ریاست مذہبی کے درمیان اختلاف ہوا، جرمن کلیسا نے اپنے محسنوں کی مخالفت ہی کی۔

جرمنی کے سمت مشرق میں جو وحشی آباد تھے، انکے متعلق آٹو کی ایک خاص روش تھی۔ ۵۵۹ھ میں اگسبرگ کے متصل، دریائے لیچ پر اس نے میگیاروں کو شکست فاش دیکر ان کو قبول نصرانیت پر مجبور کیا، اور اسکے بعد انہیں ہنگری کے علاقہ میں بساکر ان کی یورشوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا۔ سلافی بھی آٹو کا اقتدار تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے، اور ان کے حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے ساری مشرقی سرحد بہ جا بجا چوکیاں بٹھادیں، اور ہوشیار

افسروں کو ان پر تعینات کردیا۔
سلافیوں کا مذہبی دارالحکومت اور لاٹ پادری کا مستقر میجبرگ قرار پایا۔ ان کے درمیان تبلیغ مذہب کاکام زورشور سے جاری ہوا، اور اس غرض کے لئے آٹو نے ہیولبرگ، بریڈنبرگ، مرسبرگ، زائیٹس، مالین، وپورین، میں اسقفیاں قائم کردیں۔ خانقاہیں بہ کثرت قائم ہوئیں، اور راہبوں نے نہ صرف فرائض تبلیغ ادا کرنا شروع کئے بلکہ وحشی قبائل میں تعلیم و تربیت، تہذیب و شائستگی کے شیوع کا کام بھی انہوں نے اپنے سر لے لیا۔ راہبوں اور پادریوں کے ہمراہ جرمن مدبرین بھی جاتے تھے، اور اس طرح سلافیوں کو جرمن بنانے کا کاروبار شروع ہوگیا۔ یہ سہرا آٹو اعظم ہی کے سر ہے، کہ اس نے سب سے پہلے اس طرز عمل کو اختیار کیا، جس نے بالآخر وحشیوں کو جرمن بنادیا، اور ان کے علاقوں کو جرمنی میں شامل کرادیا۔ اس وقت مغرب کی طرف جرمنوں کو بڑھنے اور پھیلنے کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ صرف مشرقی سمت البتہ ایسی تھی، جدھر جرمن بڑے بڑے وسیع علاقے اپنے حدود میں شامل کرسکتے تھے۔ مذہب و تمدن میں ان قوموں کے جرمنوں کے مطیع و متبع ہوجانیکے معنی ہی یہ تھے کہ کچھ روز میں ان کی قومیت فنا ہوکر یہ سب جرمن بن جائینگے۔ اس زمانے سے جرمن تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ، مشرقی علاقوں میں جرمنوں کی مداخلت

و پیشقدمی اور ان کی تسخیر کی داستان ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ دریائے اِلب کے مشرق میں جتنا پروشیائی علاقہ ہے، سب سلافیوں کے ہاتھ سے نکل کر جرمنوں کے قبضہ میں آگیا۔ بوہیمیا و ہنگری البتہ جرمنی کی دسترس سے باہر رہے؛ اس لئے کہ آٹو کے جانشینوں کی کمزوری کے باعث ان قوموں نے اپنا ایک علٰحدہ و مستقل نظام مذہبی قائم رکھا، اور اس طرح اپنی قومی ہستی کو بھی فنا نہ ہونے دیا۔

آرنولف کی تخت نشینی کے وقت اٹلی کا ستارہ گردش میں آگیا تھا۔ آپس میں نفاق و شقاق شد و مد کے ساتھ قائم تھا۔ ملک کا جنوبی علاقہ شہنشاہ یونان کے قبضہ میں تھا، اور سسلی و دیگر جزائر اور بعض بندرگاہوں کو مسلمان دبائے ہوئے تھے۔ خاص شہر رومہ میں زبانی حکومت پاپا کی تھی، لیکن سارا شہر امرا کی طوائف الملوکی کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ بینیونٹو و اسپلیٹو کی ولایتیں گویا بالکل خود مختار ہوگئی تھیں۔ لومبرڈی کے بیسیوں حصہ بخرے ہو چکے تھے، اور ہر حصہ دار اٹلی کے تخت و تاج کا مدعی تھا۔ انہیں مدعیان سلطنت میں ایک لوتھر والی پروونس تھا۔ اس نے ۹۵۰ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات پر اس کی بیوہ ایڈیلیڈ (ایک برگنڈی شہزادی) کو ایک دوسرے مدعی سلطنت نے زبردستی اپنے فرزند کے عقد میں لے آنا چاہا۔ ایڈیلیڈا کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا۔ اس نے شاہ جرمنی سے استمداد چاہی

آٹو نے فوراً الپس کو طے کیا، (۹۵۱ء) اور شہزادی کے ساتھ خود نکاح کرلیا۔ اس کے بعد وہ رومہ پر فوجکشی کرنا چاہتا تھا، کہ اتنے میں خود جرمنی میں بغاوتیں شروع ہوگئیں، اور اسے مجبوراً وطن کو مراجعت کرنا پڑی۔

اس اثنا میں ان سیاسی مناقشات کے ہنگامے میں پاپا کا اقتدار بالکل زوال میں آگیا تھا۔ لیو اعظم کے سارے کلیسا کے اسقف اعظم ہونے کے جو دعوے تھے، وہ ان سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں بالکل غائب ہوگئے تھے۔ رومہ کے سارے اُمرا کے خاندان مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم ہوگئے تھے، اور ہر خاندان کسی اپنے ہی شخص کو اسقف بنانا چاہتا تھا، تاکہ اس منصب کے اقتدار و اختیارات سے متمتع ہو۔ ایک فریق والی اسپلیٹو تھا، دوسرا برینگر، اور اسی طرح بیسیوں اور فریق تھے، جو اپنی اپنی جگہ پر بادشاہت کے مدعی تھے۔ کچھ لوگ فرماں روائے جرمنی کی تائید میں تھے اور کچھ اس کی مداخلت کے قطعاً مخالف تھے۔ ان مختلف جماعتوں کا شدید مجادلہ ناقابل بیان ہے ۸۹۱ء میں آرنولف شاہ جرمنی کا ایک دوست فورموسس، پاپا مقرر ہوا۔ اس کے دور میں لوگوں کو اس سے بے انتہا ناخوشی رہی، اس بنا پر کہ وہ جرمنی کا دوست و ہمدرد تھا، اس کے بعد اسپولیٹو کے طرفداروں نے اسٹیفن ششم کا انتخاب کیا۔ اسے جرمنی سے اسقدر نفرت تھی، کہ فارموسس کی نعش قبر سے نکلواکر اس پر مقدمہ چلایا۔

نعش کو پاپاؤں کا لباس پہنایا گیا، پاپا کے تخت پر اُسے بٹھایا گیا، اور مجلس عدالت کے سامنے اس پر فرد جرم عائد کی گئی۔ نتیجہ جو کچھ نکلنا، وہ ظاہر ہی تھا۔ چنانچہ اس کی نعش کی پوری بیحرمتی کر کے دریائے ٹائبر میں اسے ڈالدیا گیا۔

ان ہنگامہ آرائیوں کا سلسلہ کوئی چالیس سال تک قائم رہا۔ اور امن و نظم پیدا کرنے کی ساری کوششیں بے کار ہوئیں۔ یہاں تک کہ بالآخر البرک نامی ایک شخص پیدا ہوا، جو تمام مدعیان تخت پر غالب آکر خود فرماں روا بن بیٹھا۔ ۹۵۴ء میں اس کی وفات کے وقت تک اسکا اقتدار نہ صرف شہر رومہ پر بلکہ پاپاؤں پر بھی قائم رہا۔ اُس کے معاصروں نے اپنی تصانیف میں گو اُسے بہت ہی سب وشتم کیا ہے؛ تاہم اس کے خلاف میں کوئی معقول جرائم نہیں ملتے۔ اس میں حکمرانی کی خاص قابلیت تھی۔ اس نے مشرقی شہنشاہ سے دوستی پیدا کی، اور کلونی کے اسقف آڈو سے یہ فرمائش کی، کہ کلونی کی اصلاحات رومہ کی خانقاہوں میں بھی جاری کرے۔ البتہ اہل کلیسا کے خیال میں اس کا یہ جرم نا قابل عفو ہے، کہ اُس نے پاپا کو ہمیشہ اپنا ماتحت سمجھا، اور اس پر اپنا اقتدار قائم رکھا۔ بلکہ اس نے تو یہاں تک چاہا تھا، کہ پاپا کا عہدہ اپنے ہی خاندان کیساتھ مخصوص کرلے۔ اس کا جانشین اس کا شانزدہ سالہ فرزند

آگسٹوین ہوا، اور دوسرے سال اسے پاپا کا منصب حاصل ہوگیا (۹۵۵ء)۔ اس نے اپنا لقب جان ہفتدہم اختیار کیا۔ اس کا زمانہ نہایت ہی شرمناک و ذلت انگیز رہا۔ اس نے اپنی علانیہ عیاشیوں، فحاشیوں، اور بدمستیوں سے سارے شہر کو اپنے سے بدظن کردیا۔ روایت ہے، کہ آخر میں اس نے اور رعایائے لومبرڈی دونوں نے آٹو سے استمداد چاہی۔ چنانچہ آٹو نے پھر اٹلی کی سرزمین پر قدم رکھا، اور ۹۶۲ء میں بہ حیثیت شہنشاہ اپنی تاج گزاری کراکے کئی مہینے مقیم رہکر اقتدار پاپا کی بنا مستحکم کی، اور ملک میں از سرنو امن وامان قائم کیا۔ رومہ والوں سے حلف لیا، کہ بغیر اس کی اجازت کے وہ کسی کو پاپا نہ منتخب کرینگے۔

آٹو کے عہد میں جرمنی عظمیٰ کا شمار بہ حیثیت یورپ کی اول درجہ کی طاقت کے ہونے لگا۔ ۹۷۳ء میں اس نے کوئڈلنبرگ میں ایسٹر کا جشن منایا، اور یہاں رومہ، قسطنطنیہ اور ہنگیریوں، بلغاریوں، روسیوں، سلافیوں، اور ڈینوں کے ہاں سے سفراء اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور والیان بوہمیا و پولینڈ خود ہی حاضر ہوئے۔ چند روز کے بعد میلبن میں اسکی وفات ہوئی، اور اپنے محبوب شہر، میگڈبرگ میں مدفون ہوا۔

آٹو اعظم کا عہد حکومت، جرمنی کی تاریخ تمدن میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، اوپر گزر چکا ہے، کہ امرا کا

زور توڑنے کے لئے اس نے کلیسا کو اپنے موافق بنالیا تھا، تاہم اس کا اس نے ہمیشہ خیال رکھا، کہ اس اقتدار سے ان لوگوں میں اخلاقی و روحانی انحطاط نہ پیدا ہونے پائے چنانچہ اس کے زمانہ کے سب پادری و لاٹ پادری نہایت متورع و عالم تھے۔ اس کے عہد میں علم و مذہب دونوں کی ترقی ہوتی رہی۔ اس کے متعدد اعزہ کلیسا کے اعلیٰ عہدہ دار تھے، اس کا بھائی برونو، کولون کا لاٹ پادری تھا، اس کا ایک فرزند ولیم مینز کا لاٹ پادری تھا، اس کا چچا رابرٹ، ٹرایر کا پادری تھا، اسی طرح اس کے متعدد اعزہ کلیسا کے مختلف مناصب جلیلہ پر سرفراز تھے، اور سب کے سب تاج و کلیسا دونوں کے یکساں خدمت گزار تھے دربار میں کسی قسم کی بد اخلاقی کا گزر نہیں ہونے پاتا تھا۔ آٹو کے گرد و بیش ہمیشہ اہل علم و فضل کا مجمع رہتا تھا۔ علم کا ہر طرف چرچا تھا۔ اکثر بڑی خانقاہوں میں واقعات بصورت تاریخ محفوظ رکھے جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں بعض نہایت اہم تاریخیں، سوانح عمریاں، نظمیں، اور ڈراما وجود میں آئے۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:۔

لیوٹ پرانڈ کی "تاریخ آٹو" Liutprand's "History of Otto"

وقائع کویڈلنبرگ۔ Annals of Quedlinburg

〃 ہلڈیشائم۔ Do Hildesheim

〃 سینٹ گال۔ Do St. Gall

Widukind's Res Gesta Saxonicae　ویڈوکنڈ کی تاریخ سیکسن

Ekkehard's "Walthari Lied,"

تاریخی نظمیں و ڈراما مصنفہ ہروسٹ سوتھا، جو گینڈر شائم کی خانقاہ میں ایک راہبہ تھی، اور جس کی ایک نظم خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے۔

خانقاہوں میں ٹرنس، ہوریس، ورجل، سلٹ، وسیسرو، کا کلام زیر مطالعہ رہتا تھا۔ آٹو نے کارل اعظم کے نمونہ پر شاہی بیت العلم بھی قائم کیا۔ اس نے لاطینی زبان بھی سیکھی، گو اس کے بہ خوبی بولنے پر قادر نہ ہو سکا۔ اس کے عہد میں جرمن ایک علمی زبان بن گئی۔ ایک اعلیٰ رزمیہ نظم "مسیح" کے عنوان سے تیار ہوئی، جس میں حضرت عیسیٰ کی سوانح عمری کو جرمن انداز میں بیان کیا ہے، اور جس کے مطالعہ سے اُس زمانہ کے جرمن رسم و رواج، طرز معاشرت، و خیالات کا حال آئینہ ہو جاتا ہے۔

آٹو نے تاج شہنشاہی حاصل کرنے کے بعد اٹلی و جرمنی کے قدیم سیاسی تعلقات کی از سر نو تجدید کی۔ یہ اتحاد متعدد حیثیتوں سے دونوں ملکوں کے لئے مضر ثابت ہوا۔ اس لئے کہ بجائے خود جرمنی میں اتحاد، اور مرکزی طاقت میں تقویت پیدا کرنے کے شہنشاہان جرمنی کی ساری قوت پاپا کے ساتھ خونریزی ومقابلہ و مناقشہ میں صرف ہونے لگی، اور اسکا سارا زور اٹلی پر لاحاصل حملہ کرنے میں منتشر ہوگیا۔

جس کا نتیجہ آخرکار ہوہنسٹافن نسل کے حق میں مہلک ہوا۔ فرانس اور انگلستان اپنے اپنے سلاطین کے زیرنگیں علٰحدہ علٰحدہ اپنے میں سیاسی اتحاد پیدا کرتے رہے، بخلاف اس کے جرمنی و اٹلی میں اب سے کچھ بیشتر تک انتشارقوت و عدم مرکزیت قائم رہی۔

آٹوے ثانی (۹۷۳ تا ۹۸۳) گو ایک قابل شخص تھا، مگر انحطاط کی رفتار کو نہ روک سکا۔ بربریوں نے سرحدی چوکیوں کے انتظام کو درہم و برہم کر ڈالا، اور مشرق میں جرمن پیشقدمی کا سدباب کر دیا۔ اس کا جانشین آٹوے ثالث (۹۸۳ تا ۱۰۰۲) ایک سہ سالہ بچہ ہوا، اس کی ماں اور اتالیق اس کی تربیت اس امید موہوم کی بنیاد پر کرتے رہے، کہ وہ رومہ کو دارلحکومت قرار دیکر اس کی عظمت رفتہ پھر واپس لے آئیگا۔ اس نے منصب پاپا کی اصلاح و رفع شورش کی غرض سے اٹلی کے متعدد سفر کئے۔ ۹۹۶ء میں اسنے اپنے ابن عم گریگوری پنجم کو پاپا مقرر کیا۔ ۹۹۹ء میں اس نے یہ منصب اپنے اتالیق جربرٹ کو عطا کیا جو اسکے معاصرین میں سب سے بڑا عالم تھا، اور جس نے اپنا لقب سلوسٹر ثانی اختیار کیا۔ ۱۰۰۱ء میں جرمنی کو امرا اور بربریوں کے حوالہ کرکے آٹوے ثالث اٹلی روانہ ہوا، اور اونٹیاین ہل کو اپنا مسکن قرار دے لیا۔ آئندہ سال اس کی موت نے ایسے عہد حکومت کا خاتمہ کر دیا، جو اقتدار شہنشاہی و ملک جرمنی دونوں کے لئے یکساں منحوس تھا۔

ہنری ثانی (۱۰۰۲ تا ۲۴) الملقب بہ "ولی" نے کلیسا سے رشتہ اتحاد قائم کرکے اور جرمنی پر زیادہ متوجہ ہوکر گرتے ہوئے شاہانہ اقتدار کو ایک حد تک سنبھال لیا۔ اور اس کام کو اس کے جانشین کونرڈ ثانی (۱۰۲۴ تا ۳۹) والی فرنیکونیا نے اس سے بہتر طریقہ پر جاری رکھا۔ اس نے شاہانہ اقتدار کو ہر ممکن طریقہ پر تقویت دی۔ برگنڈی کے شاہ متوفیٰ کے وصیت کے بموجب اس مملکت کا بھی وارث وہی ہوا (۱۰۳۲) وہ جرمنی کی ولایتوں پر بھی قابض ہو گیا، جن میں سے بعض کو اپنے ذاتی تصرف میں رکھا، اور بعض کو اپنے اعزہ میں تقسیم کردیا۔ عظیم الشان جاگیرداروں کی قوت کو توڑنے کے لئے اس نے یہ فرمان جاری کردیا، کہ رعایا پر جنگی خدمت براہ راست بادشاہ ہی کی واجب ہے۔ اس نے چھوٹے زینداروں اور پٹی داروں کی جائداد کو موروثی قرار دے دیا، جس سے امرا بغیر کسی وجہ خاص کے انہیں بیدخل نہیں کرسکتے تھے، اور اس سے اس طبقہ میں خاص ہردلعزیزی اسے حاصل ہوگئی۔

علاقوں کے حدود کی توسیع، اور بنائے مملکت کے استحکام سے، نیز ولایتوں کو اپنے قبضہ میں لاکر اور پٹی داروںمیں ہر دلعزیزی حاصل کرکے کونرڈ ثانی اپنے فرزند ہنری ثالث (۱۰۳۹ تا ۵۶) کے عہد حکومت میں مرفہ الحالی کی بنیاد ڈال گیا ہنری ثالث کو گو سلافیوں اور ہنگیریوں کے مقابلہ میں کامیابی نہیں ہوئی، تاہم جرمنی کے سرکش امرا کو اس نے

کبھی اُبھرنے کا موقع نہ دیا۔ نظام جاگیرداری کے اصول کے مطابق، ہر امیر دوسرے امیر پر بطور خود اعلان جنگ کر سکتا تھا، چنانچہ جس امیر کے پاس کافی فوج جمع ہو جاتی تھی، وہ انتقام لینے کے لئے دوسرے امیر پر چڑھائی کر دیتا تھا۔ کلیسا نے اس بنا پر کہ کسی مسیحی کو خوں ریزی جائز نہیں، دنیا میں امن الٰہی یوں قائم کرنا چاہا، کہ جنگ کی قطعاً ممانعت کر دی۔ لیکن یہ حکم جب تجربہ سے ناممکن العمل ثابت ہوا، تو اس نے یہ حکم دیا، کہ کم از کم چہار شنبہ کی شام سے لیکر دوشنبہ کی صبح تک ہر قسم کی جنگ و جدل موقوف رہے۔ ہنری نے یہی نہیں، کہ اس حکم پر اپنی منظوری کی مہر کر دی، بلکہ امن عامہ میں خلل ڈالنے والے کو سزا دینا بھی اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔

بخلاف اپنے والد کے، ہنری ثالث نے مناصب کلیسا کی خرید و فروخت جائز نہیں رکھی بے شبہ اسقفوں کا تقرر اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا، تاہم اس نے انتخاب کرتے وقت ہمیشہ صرف اہلیت و صلاحیت کو معیار رکھا۔ اس نے خانقاہ کلونی کی تحریک اصلاح میں تعمیم کرنا چاہی، کہ کل کلیسائے جرمنی کی اخلاقی حالت اس کے مطابق ہو جائے اس نے خانقاہوں میں مدارس قائم کرائے۔ اور عام لوگوں کے لئے علیحدہ مدارس کھلوائے، بلکہ امرا کے بچوں کے لئے تو اس نے داخلہ مدارس لازمی قرار دینے کی بھی

تجویز کی۔

ہنری نے (۱۰۴۶ و ۱۰۵۵ میں) اٹلی کا دو بار سفر کیا۔ پہلے سفر میں اس نے تاج شہنشاہی سر پر پہنا۔ پاپا کی حکومت پھر سیاسی مناقشات کے جال میں پھنس کر ایک دنیوی منصب رہ گئی تھی۔ ہر فریق اپنی حسب ضرورت اپنا ایک علٰحدہ پاپا منتخب کر لیتا تھا۔ چنانچہ جب ہنری اول بار اٹلی پہنچا، تو اس منصب کے اسے تین دعویدار ملے۔ ستری و روما کی مجالس مذہبی میں اس نے ان تینوں پاپاؤں کو معزول کر کے پاپا کا تقرر خود اپنا حق بنایا، اور اس عہدہ پر سوڈگر والی بیمبرگ کو سرفراز کیا جس نے کلیمنٹ ثانی کا لقب اختیار کیا۔ ہنری نے اپنے بقیہ عہدہ حکومت میں اسی طرح تین اور پاپاؤں کا تقرر کیا، اور ہمیشہ اس کی نظر انتخاب بہترین شخص پر پڑی۔ اٹلی میں اس نے منصب فروشی کو ہر طرح سے روکا۔ اور امیدواران منصب پاپا جو کچھ اسے رشوت میں دینا چاہتے تھے، اسے سختی کے ساتھ واپس کر دیا۔ کلونی اصلاحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا تھا، اور چونکہ ہنری تہ دل سے انکا ہمدرد تھا، اس نے خود ان کی توسیع میں بہت کوشش کی، اور پاپاؤں و دیگر مصلحین کے ساتھ مل کر اس امر کی کوشش کی، کہ کلیسا کو اس کا واجبی مرتبہ حاصل ہو۔

ہنری ثالث بالکل مطلق العنان فرمان روائی چاہتا تھا۔

امراء اس سے سخت ناخوش رہتے تھے، اس لئے ۱۰۵۶ء میں جب اس کی وفات ہوئی، تو ان لوگوں کو اپنے اقتدار رفتہ کے ازسرِنو حصول کا خاص موقع ملا۔ اس کا شش سالہ بچہ ہنری چہارم ظاہر ہے، کہ کیونکر مقابلہ کرسکتا تھا شہنشاہوں نے عرصہ سے، اور ہنری ثالث نے علی الخصوص کلیسا کی بڑی مدد کی تھی، اور ان احسانات کے معاوضہ میں انہیں توقع تھی، کہ کلیسا ان کا ممنون رہیگا، اور وقت پر آڑے آئیگا۔ لیکن جب آزمائش کی گھڑی سر پر پہنچی، اور صغیر السن ہنری چہارم کو امداد کی خاص ضرورت پڑی، تو ارباب کلیسا نے یکسر اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اسقف رومہ کی تائید و حمایت کرنے لگے۔ اب تک شہنشاہوں کے ہاتھ میں پاپا کا تقرر تھا، لیکن زمانہ کی گردش سے اب پاپا، شہنشاہوں کا عزل و نصب اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے۔ اور اقتدار دنیوی کے لئے شہنشاہ و پاپا میں زور آزمائی اب شروع ہونے کو تھی۔

عین اس زمانہ میں جنوبی اٹلی میں ایک اور قوت وجود میں آرہی تھی، جو آگے چلکر پاپا کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ نویں صدی کے وسط سے اہل اسلام سسلی پر قابض ہو گئے تھے، اور اصلی اٹلی کے بعض مقامات بھی ان کے تصرف میں آگئے تھے۔ جنوبی اٹلی کا اہم حصہ اب تک شہنشاہ قسطنطنیہ کے زیر نگیں تھا،

اور اسی کے عمال اس پر حکمران تھے۔ مشرقی ساحل پر اسکے یہ علاقے شمالاً کوہ گارگنو تک پھیلے ہوئے تھے، اور مغرب میں سلرنو تک۔ اس علاقہ کے شمال میں بعض خود مختار یا نیم خود مختار ریاستیں قائم تھیں، مثل سلرنو، امالفی، نیپلز، کیپوا، بینونٹو، و اسپولیٹو وغیرہ کے جن پر اب تک نہ شہنشاہ جرمنی کا قبضہ ہونے پایا تھا، نہ شہنشاہ یونان کا۔ ان ریاستوں کے والی یا تو باہم جنگ آزمائی کرتے رہتے تھے، اور یا اپنے ہمسایہ یونانیوں اور مسلمانوں سے مصروف پیکار رہتے تھے۔ ان کی قلمرو میں سخت ابتری و بدنظمی شائع رہتی تھی، اور ان کا کوئی وجود سیاسی نہ تھا۔

۱۰۱۶ء میں کچھ نارمن، یروشلم کی زیارت سے واپس آرہے تھے، کہ سلرنو کے قریب ان کا جہاز تباہ ہوگیا۔ شاہ سلرنو کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا، اور اس نے مسلمانوں کے خلاف ان کی اعانت سے خاص فائدہ حاصل کیا۔ یہ لوگ جب مال غنیمت اور انعام و اکرام سے لدے پھندے اپنے وطن واپس پہنچے، تو ان کے ہموطنوں کے منہ میں پانی بھر آیا، اور اس وقت سے جنوبی اٹلی کے نارمن سپاہیوں نے اپنی خدمات فروخت کرنا شروع کردیا، تقریباً ۱۰۲۷ء میں والی نیپلز نے اورسا کا مقام ان لوگوں کو بطور جاگیر دیدیا، اور انہوں نے کچھ اور علاقہ بھی بزور شمشیر فتح کر کے اس میں اضافہ کرلیا۔ اسکے بعد

ایک بار مال غنیمت کی تقسیم میں ان سے یونانیوں سے جھگڑا ہو پڑا چنانچہ انہوں نے اپولیا پر حملہ کرکے اُسے مسخر کرلیا۔ اور ایک جمہوری حکومت قائم کرلی۔ اس چھوٹی سی ولایت کا فاتح ولیم "فولاد بازو" تھا، جس نے اپنا وارث اپنے بھائیوں کو چھوڑا، جن میں سے ہر شخص فتوحات سے اس کے حدود کو وسعت دیتا رہا۔ ۱۰۵۳ء میں ان لوگوں نے پاپا لیو نہم کے خلاف اعلان جنگ کیا، مگر جب اسے اسیر کرلیا، تو اس کے قدموں پر گر پڑے، اور اس سے اپنی خطا معاف کرا کے اس کی زبان سے اس ولایت پر اپنی ملکیت کا استحقاق تسلیم کرالیا۔ ۱۰۵۷ء میں ان میں کا قابل ترین شخص رابرٹ گسکرڈ والی اپولیا کا جانشین ہوا۔ دو برس کے بعد وہ پاپا نکولس ثانی (۱۰۵۹ تا ۶۱) کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کی اطاعت کا حلف اٹھایا، اور اس کے معاوضہ میں اس کی بارگاہ سے "والی اپولیا، وکیلیبریا، وسسلی" کا لقب حاصل کیا۔ سسلی، اور کیلیبریا کا ایک جزو اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا، اور اس جدید والی کو ان سے مقابلہ کرنا ضرور تھا۔ یہ جنگ آہستہ آہستہ کوئی ۳۰ سال تک ہوتی رہی بعد ہی مسلمانوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی، اور سسلی میں نارمن حکومت قائم ہوگئی۔ رابرٹ نے حکمرانی بہت خوبی سے کی۔ اتفاق اس کے زمانہ میں اٹلی کا

ایک مشہور تجارتی شہر رہا۔ اور سلرنو کے مدارس سے اس کی شہرت میں خاص اضافہ رہا۔

قسطنطنیہ میں بغاوت کی خبر سنکر رابرٹ کو مشرق میں اپنے حدود قلمرو کی توسیع کا موقع ملا۔ ۱۰۸۱ء میں الیکزیس کومننس نے علم بغاوت بلند کرکے شہنشاہ نسفورس سوم کو (خارج البلدؔ کر دیا تھا)، قسطنطین (فرزند شہنشاہ سابق میکائیل ہفتم) رابرٹ گسکرڈ کا داماد تھا۔ اس بہانہ سے، مگر غالباً دراصل خود اس تخت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے رابرٹ نے یونان پر فوجکشی کی۔ گریگوری ہفتم نے اسے دعاے خیر دی، اور وعدہ کیا، کہ وہ جتنی زمین فتح کریگا، وہ سب اسی کی ملک جائز قرار دی جائیگی۔ ڈورازو، جو ساحل ایپیرس پر واقع تھا، سب سے پہلے فتح ہوا۔ اب الیکزیس نے ہنری چہارم شہنشاہ جرمنی کی خدمت میں زرِ خطیر ارسال کیا، اور التجا کی، کہ اسی وقت جنوبی اٹلی پر حملہ کر دے۔ الیکزیس نے وینیشیا والوں کو بھی یہ کہکر توڑ لیا، کہ وہ انہیں بہت سے تجارتی حقوق عطا کر دیگا، مثلاً بعض محاصل سے استثنا، اور قسطنطنیہ میں ان کے لئے ایک محلہ مخصوص کر دیگا۔ تسخیر ڈورازو کے بعد رابرٹ نے اندرون ملک میں پیشقدمی کی۔ شہر پر شہر قلعہ پر قلعہ مسخر ہوتے چلے گئے، تا آنکہ ایپرس و تھسلی کا بہت سا ملک اس کے قبضہ میں آگیا۔ عین اس وقت

گریگوری ہفتم نے، جسے ہنری چہارم دباتا چلا آرہا تھا، رابرٹ سے کمک مانگی۔ رابرٹ نے اپنی حملہ آور فوج کو تو اپنے فرزند بوہمنڈ کے سپرد کیا، اور خود جلد روما کی جانب مراجعت کی، یہاں سے جرمنوں کو نکال کر پاپا کو اس نے نجات دی۔ لیکن تھسلی میں الیکزیس کی چال چل گئی۔ بڑی بڑی رشوتیں دے کر اس نے اکثر نارمن سرداروں کو توڑ لیا، اور ملک کے دوسرے حصوں سے اس نے تازہ دم فوج بھرتی کی۔ بہ خلاف اس کے بوہمنڈ کی فوج کی تعداد کچھ بیماری کی وجہ سے، کچھ ہزیمتوں سے بددل ہوکر، اور کچھ اس سبب سے کہ ایک حصہ حریف سے ملگیا تھا، رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی، تا آنکہ الیکزیس نے اسے شکست دیکر ایڈریاٹک تک بھگا دیا۔ ڈورازو پھر الیکزیس کے قبضہ میں آگیا، اور بوہمنڈ ناکام اٹلی واپس آیا۔ اب رابرٹ گسکرڈ نے دوبارہ فوجکشی کی، لیکن اس عرصہ میں الیکزیس نے اپنے ساحلوں کو اسقدر مستحکم کر لیا تھا، کہ ابکے اُسے کامیابی نہ حاصل ہوسکی۔ آئندہ سال (۱۰۸۵) میں اس کی بیوقت وفات نے جنگ کا خاتمہ کر دیا، اور بوہمنڈ نے الیکزیس سے مصالحت کر لی۔

لیکن رابرٹ گسکرڈ کی وفات کے ساتھ اس کے کارنامہ فنا نہیں ہو گئے۔ اس نے اپنی فتوحات سے سسلی اور جنوبی علاقہ اٹلی کو متحد کر کے ایک ولایت بنا دیا تھا،

جو آگے چل کر دونوں سسلیوں کی متحدہ حکومت کے لئے سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔ اس کا جانشین ۱۰۸۵ء میں اسکا بھائی راجر ہوا، اس کے بعد ۱۱۰۱ء میں اس کا فرزند راجر ثانی تخت نشین ہوا۔ اس راجر دوم میں جسے قابلیت و دانشمندی، و بلند نظری ترکہ میں ملی تھی، اپنی ریاست کو مملکت بنا دیا (۱۱۳۰ء)۔
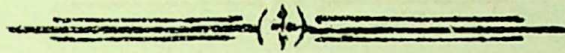
باب (۸)

زمینداری

زمینداری اصطلاح میں اُن اقتصادی، عمرانی، و سیاسی تعلقات و حالات کے مجموعہ کو کہتے ہیں، جو یورپ میں دسویں صدی سے تیرھویں تک قائم رہے۔ اِن میں سے اقتصادی تعلقات کے لئے رعیّت نامہ، کی اصطلاح موجود تھی، جس کا مفہوم یہ تھا، کہ کاشتکار کا زمین پر صرف قبضہ ہوتا تھا، وہ اس کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ زمین اس کے استعمال میں رہتی تھی، اور اس کے معاوضہ میں وہ اس کے اصل مالک یعنی زمیندار کو لگان دیتا تھا۔ زمین فی الحقیقت خدا کی ملک ہوتی تھی۔ مجازاً بادشاہ اُس کا مالک ہوتا تھا، وہ اُس پر بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کو قبضہ دلا دیتا تھا، اور پھر وہ اُسے چھوٹے چھوٹے

کاشتکاروں پر تقسیم کر دیتے تھے۔

عمرانی تعلقات کے اظہار کے لئے رعیت کا لفظ تھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ رعیت اپنے زمیندار کی دست نگر ہوتی تھی، اور زمیندار اُس کا آقا۔ سیاسی تعلقات کے لئے "خود مختاری و مطلق العنانی" کے الفاظ رائج تھے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اپنی جائداد کے معاملات میں ہر صاحب اراضی بالکل آزاد و خود مختار تھا۔ یعنی اپنے حدود ریاست کے اندر اُسے ہر طرح کے عدالتی و انتظامی، بلکہ ایک حد تک وضع قوانین کے بھی حقوق حاصل تھے، جن میں اُس کے اصل مالک کو مداخلت کا کوئی حق نہ تھا۔ گویا ہر صاحب اراضی اپنے حدود کے اندر، بجائے خود ایک چھوٹا سا بادشاہ ہوتا تھا۔

نظام زمینداری کے حقیقی اصول یہ تین چیزیں تھیں:- پٹہ اراضی، زمینداری، و خود مختاری۔

کارل اعظم کی وفات کے بعد دو صدیوں تک جو ابتری و بدنظمی پھیلی رہی، اتنے زمانہ تک یہ حالت قائم رہی خود اُسی کے زمانہ میں، حکومت میں پوری مرکزیت پیدا نہ ہونے پائی تھی، یعنی رعایا کا براہ راست اسکی ذات کے ساتھ تعلق قائم نہ ہوسکا تھا۔ اس کا سارا زمانہ فرماں روائی اسی کوشش میں صرف ہوا تھا، کہ مرکزیت اور اپنی ذات کے ساتھ وابستگی پیدا کرے، اور مختلف صوبوں میں خود مختاری کی جو تحریک

شایع ہو رہی تھی؛ اُسے مٹائے۔ اس کا نظام حکومت بجائے خود کمزور و ناقص نہ تھا، البتہ ضرورت صرف اس کی تھی، کہ اُسے چلانے والا کوئی زبردست شخصیت کا انسان ہو۔ اس کے جانشین چونکہ اس قدر قوی نہ تھے، اس لئے نویں اور دسویں صدی کے سرکش لوگوں اور امیروں کی کشمکش سے سلطنت پارہ پارہ ہوکر رہ گئی بادشاہ میں کافی قوت نہ تھی، پھر آخر نظم و مرکزیت کون پیدا کرتا، اور قوانین کا نفاذ کون کرتا؟ نتیجہ یہ ہوا، کہ لوگ بے خوف و خطر قانون شکنی کرنے لگے۔ ہر زبردست زیردست کو ستانے لگا، اُس کے مال و جائداد پر قبضہ کرنے لگا، بلکہ اکثر قوی دست اشخاص کمزوروں کو زبردستی اپنا غلام اور اپنی رعیت بنانے لگے۔ اس ظلم و ستم کے عہدہ کو جرمن جو دور شمشیر، کہتے ہیں تو کچھ بیجا نہیں، اس لئے کہ واقعتہً اُس زمانہ میں بالکل "جس کی تیغ اُس کی دیگ" پر عمل تھا۔ حکومت کی طاقت معطل تھی، رعایا کو مجبوراً اپنی حفاظت خود کرنا پڑتی تھی۔ مورخ لکھتا ہے، کہ "فرماں روا، فرماں روائی سے مطلق عاری تھا۔ اور فقط امن کے جو فرائض اس کے ذمہ تھے، عملاً ان کی انجام دہی کے لئے پادریوں، امیروں، اور سرداروں کی پناہ میں آنا پڑتا تھا" جب رعایا نے راعی کے فرائض خود اپنے ہاتھ

میں لے لئے، تو لامحالہ کثرت سے جدید مراسم دستور بھی
وجود میں آگئے۔ انہیں کا مجموعہ نظام جاگیرداری کہلاتا
ہے۔ کمزور مخلوق کو جب اس کا آسرا نہ رہ جاتا، کہ حاکم
ظالموں کی دستبرد سے اسے بچا سکے گا، تو اکثر چارہ کار صرف
یہ رہ جاتا، کہ وہ اپنے تئیں کسی بڑے پادری یا امیر
کی حفاظت میں دیدے، اور اس کی رعیت بن جائے۔
یہ تغیرات سب نویں اور دسویں صدی کے دور بدامنی
میں ہوئے۔ گو اس میں بھی شک نہیں، کہ اس
سے پیشتر بھی بعض ایسے رسم و رواج یورپ کی
بعض قوموں میں موجود تھے، جن میں اس نظام جاگیرداری
کی کچھ جھلک نظر آتی ہے، (مثلاً جرمنوں کے ہاں "Comitatus"
یا گال کے ہاں "Commendation") لیکن محض ان
چیزوں سے نظام جاگیرداری کی ترکیب نہیں ہو سکتی
تھی، تاوقتیکہ نویں اور دسویں صدی میں یورپ میں اقتصادی،
عمرانی، و سیاسی حیثیت سے بدنظمی نہ پیدا ہوئی ہوتی۔
کارل اعظم کے زمانہ میں عہدہ داروں کا عزل و نصب
تمام تر اُس کی مرضی و خوشی پر منحصر تھا۔ اس کے کمزور
جانشینوں کے زمانہ میں یہ ہوا، کہ اکثر عہدہ دار اپنے مناصب
کو اپنی ذات کے لئے دائمی، بلکہ اپنے خاندان کے لئے موروثی
سمجھنے لگے۔ اور یہ صرف ان کے زبانی دعوے ہی نہیں
ہوتے تھے، بلکہ قوتِ سلطانی کے علے الرغم اپنے اِن

دعاوی کا عملاً نفاذ بھی کر لیتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح رفتہ رفتہ مرکزی حکومت کے عدالتی، انتظامی، و قانون سازی کے اختیارات سب اس کے ہاتھ سے نکل گئے کارل اعظم اپنے خیرخواہ عہدہ داروں کو جاگیریں اور زمینیں عطا کرتا تھا۔ اس کے جانشینوں کے عہد میں وہ عہدہ دار ان جائدادوں کو اپنے خاندان کے ساتھ مختص کر کے عملاً ان کے پورے مالک بن بیٹھے گو برائے نام اب بھی یہ زمینیں سلطانی کہلاتی رہیں۔

اکثر جن کے پاس معافیاں چلی آتی تھیں، انہیں ان کی زمینوں سے بیدخل کر کے زبردستی رعیت بنا لیا گیا۔ بہتوں نے یہ رنگ دیکھ کر اور اپنے تئیں خطرات میں مبتلا پا کر ازخود اپنی زمینیں کسی بڑے زمیندار کے حوالہ کردیں، اور اس کی پناہ میں آگئے اس شرط پر کہ وہ انہیں اپنی رعیت کی حیثیت سے پھر وہی زمینیں عطا کردے۔ یاد ہوگا کہ چھٹی اور ساتویں صدی کے شہنشاہوں کے زمانہ میں بھی، حکومت کی سخت گیریوں، اور ٹیکس کی زیادتیوں سے مجبور ہو کر لوگوں نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ پہلے تمام زمینیں معافیوں کی حیثیت رکھتی تھیں، لیکن رفتہ رفتہ بارھویں صدی کے آخر میں یہ مسلم ہو گیا، کہ رعیت داری ہی کا اصول مناسب ہے، اور سب کو کسی زمیندار کی رعیت بن کر رہنا چاہئے۔ تیرھویں صدی میں، مغربی و شمالی یورپ میں شاید ہی کوئی قطعہ زمین ہو، جو اس اصول کے اثر سے مستثنیٰ ہو۔ خلاصہ یہ کہ اب رعیت کے پاس

جتنی زمینیں تھیں، وہ یا تو غصب کی ہوئی تھیں، یا عطا کی ہوئی۔ اور یا وہ جن سے ازخود دست برداری کر لی گئی تھی۔

زمینداری، جو بجائے خود نتیجہ تھی بدنظمی و بد امنی کا، کیونکر ممکن تھا، کہ اس میں یکسانی و یکرنگی ملحوظ رہے۔ چنانچہ ہر صوبہ کی زمینداری دوسرے صوبہ کی زمینداری سے مختلف تھی۔ ایک عام ہلچل اور انتشار کے زمانہ میں جسکو جس طریقہ میں سہولت نظر آتی، وہی اختیار کرتا۔ اس بنا پر زمینداری کو ایک مستقل و مرتب نظام سمجھنا صحیح نہیں، جیسی بدنظمی اس زمانہ میں شائع تھی، بعینہ اُسی طرح یہ نظام زمینداری بھی نظم سے خالی ہے یہی سبب ہے، کہ کوئی کلیہ اس کے متعلق قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ ہر کلیہ میں اکثر مستثنیات ملیں گے۔ نوعی حیثیت سے اس کی تقسیم کرنا چاہیے۔ تو یہ بھی نہ بن پڑے گا، اس لئے کہ اس کے اقسام و اصناف بیشمار ہیں، اور اس کے اندر تنوع کی کوئی حد نہیں۔ غرض نظام، کے اگر یہ معنی ہیں، کہ اس کے اندر کسی قسم کا نظم، ترتیب یکسانی و یکرنگی ہے تو زمینداری پر نظام کا اطلاق کسی نہج سے ممکن نہیں۔

اس صورت حال میں اصلاح کا پہلا قدم اُس وقت بڑھا، جب ہنری سوم نے اس کا اعلان کیا کہ وہ امن

عامہ کا محافظ ہے، اور جو کوئی اس میں خلل انداز ہوگا، وہ اپنی پاداش کو پہنچیگا۔ اس سے ذاتی نزاعات دخانہ جنگیوں کی کسی قدر روک تھام ہو گئی اور نویں دسویں صدی کی طوائف الملوکی میں ایک حد تک اصلاح ہوئی۔ اب رسموں و دستوروں میں ایک حد تک نظام و انضباط پیدا ہونے لگا، زمینداری کے اصول زیادہ منضبط و مرتب ہونے لگے ملک کی حالت فی الجملہ سدھرنے لگی شورش و بد امنی میں تخفیف ہونے لگی، راستے زیادہ محفوظ و مامون ہو گئے، اور اسی لئے سفر میں سہولتیں پیدا ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ تجارتی کاروبار کو ترقی ہونے لگی، اور گیارھویں صدی کا زمانہ گزرنے کے ساتھ اس میں بھی اور پھیلاؤ پیدا ہوتا گیا۔

کلیسا بھی زمینداری کا ایک جز بن گیا تھا۔ اس قتل و غارت، شورش و فساد کے زمانہ میں، قزاقوں و رہزنوں کے ہاتھ نہ کلیسا کا ادب ملحوظ رکھ سکتے تھے، نہ کلیسا کا احترام۔ اس لئے عام اشخاص کی طرح کلیسا اور خانقاہیں بھی اس پر مجبور تھیں، کہ ظالموں کی دستبرد سے کسی زبردست کے سایہ میں پناہ لیں۔ چنانچہ اکثر پادری و راہب، شیخ خانقاہ یا بزرگ کلیسا، اپنی خانقاہ یا اپنے کلیسا کو کسی زمیندار کی ملک میں قرار دیکر خود اس سے دست بردار ہو جاتے جو پھر انہیں وہی چیزیں بہ اخذ لگان

دے دیتا۔ ایسے کلیساؤں و خانقاہوں کی حیثیت قانون کی نظر میں محض رعیت کی تھی، اور ان پر سارے وہی فرائض عاید ہو جاتے تھے، جو عام رعیت پر ہوتے تھے۔ اصولاً زمینیں اب بھی کلیسا کی ملک تھیں، اور کوئی انہیں مذہبی مقاصد سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن عملاً یہ کیفیت تھی، کہ گیارھویں صدی تک عہدہ داران کلیسا چونکہ علی العموم متاہل ہوتے تھے، اور ان کی جاگیریں موروثی ہوتی تھیں، اس لئے یہ ضرور تھا کہ ان کی اولاد کی پرورش و پرداخت انہیں جاگیروں سے ہو۔ لیکن چونکہ یہ ضروری نہ تھا، کہ ان کی اولادیں بھی انہیں کی طرح متوسلین کلیسا میں سے ہوں، اس لئے اکثر یہ جائدادیں مذہبی ہاتھوں سے نکل کر دنیاداروں کے پاس چلی جاتیں۔ پادریوں کے لئے ازدواج کی جو ممانعت ہوئی، اس کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی، کہ کلیسا کی زمینیں کلیسا کی ملک سے باہر نہ جانے پائیں۔

زمین، جائداد، منصب، عہدہ، ان میں سے جو شے بھی عطا ہو سب کے لئے عام اصطلاح "جاگیر" کی تھی۔ زمیندار وہ شخص تھا، جو یہ جاگیردار عطا کرتا تھا، اور رعیت اُس شخص کو کہتے تھے، جو موردِ عطا ہوتا تھا۔ شِکمی پٹہ اس کو کہتے تھے، کہ رعیت اپنی زمین کسی دوسرے شخص کو لگان پر دے، گویا یہ تیسرا شخص رعیت در رعیت

ہوتا تھا۔ رعیت بنانے کی ایک خاص رسم ادا ہوتی تھی جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جو شخص رعیت بننا چاہتا ہے، وہ زمیندار کے سامنے برہنہ سر، دست بستہ آگے جھکے، تلوار اپنی کمر سے کھول کر اُسے پیشکش کرے، اور کچھ بندھے ہوئے فقرے کہے جن کا منشا یہ تھا، کہ وہ آج سے اُس کا خادم ہوتا ہے، اور آئندہ تمام فرائض خدمت ادا کرے گا۔ اس پر زمیندار اُس کا سر زمین سے اٹھاتا تھا، اور اس کا حلف وفاداری قبول کر کے کسی خاص عمل سے (مثلاً ایسی تلوار، علم یا انگوٹھی وغیرہ عطا کر کے) اُسے جاگیر سے سرفراز کرتا۔

زمیندار پر فرض ہوتا تھا کہ اپنی رعیت کا سینہ سپر رہے۔ اس کے دشمنوں سے بدلہ لے، اس کی حمایت کرے، اور اُسے اُس کے حقوق دلائے۔ اس کے مقابلہ میں رعیت کے ذمہ بھی مختلف خدمات و فرائض عائد رہتے تھے۔ ان میں سے جنگی خدمت، بعض حیثیت سے اہم ترین، اور اُس زمانہ کے خیالات کے لحاظ سے شریف ترین تھی۔ دوسری قسم کی خدمات (مثلاً محنت مزدوری، یا روپیہ پیسہ سے) ذلیل سمجھی جاتی تھیں کارل اعظم کے زمانہ میں فوجی خدمت ہر آزاد مرد پر فرض تھی۔ اُس کی فوج عبارت ہوتی تھی، پوری مسلح رعایا سے۔ جب سے رسالہ کا وجود قائم ہوا۔ اور زرہ بکتر پہننے کا رواج پڑا، ہر شخص کے لئے گھوڑا رکھنا،

اور اتنا سامان بہم پہنچانا دشوار ہو گیا۔ پھر دور دراز ممالک پر فوج کشی کے وقت بھی یہ ضرور تھا، کہ کچھ لوگ وطن میں رہ کر کاشت کریں۔ کارل اعظم کو یہ پورا حق حاصل تھا، کہ جس وقت، جس مدت، اور جس صوبہ کے لئے چاہے، فوج طلب کر سکے۔ لیکن رفتہ رفتہ رعیت نے عذرات پیہم کر کر کے اس میں دو قیدوں کا اضافہ کرا لیا تھا۔ ایک یہ کہ وہ سال بھر میں صرف ۴۰ دن فوج کا کام کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اپنے وطن سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ جائیں گے۔

زمیندارانہ فوجیں براہ راست بادشاہ طلب نہیں کر سکتا تھا، بلکہ وہ اپنے بڑے زمینداروں کو طلب کرتا تھا کہ وہ اتنے اتنے سپاہی اپنے ہمراہ لے کر آئیں یہ لوگ اپنے پٹے داروں کو طلب کرتے تھے، اور وہ اپنی رعیت کو، وعلیٰ ہذا القیاس مسلسل۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی جمع کی ہوئی فوج اگر فراہم ہو بھی جاتی، تو کس کام آ سکتی تھی۔ لیکن ان کے بے مصرف ہونے کے باعث جنگ تو ٹل نہیں سکتی تھی، اس لئے بادشاہوں نے بجائے ان کے تنخواہ دار سپاہیوں سے کام لینا شروع کیا، اور ان کی مستقل فوج قائم کی۔ دوران جنگ میں رعیت کے فرائض حسب ذیل ہوتے تھے:-

(۱) آقا کا گھوڑا اگر بیکار ہو جائے، تو رعیت اپنا گھوڑا

پیش کرے۔

(۲) آقا جس وقت خطرہ میں ہو، رعیت کو چاہئے، کہ اپنی جان پر کھیل کر اُس کے بچانے کی کوشش کرے۔

(۳) آقا اگر گرفتار ہو جائے، تو خود رعیت کو اس کا فدیہ بنکر جانا چاہئے۔

زمیندار کو روپیہ حاصل کرنے کے متعدد مواقع حاصل رہتے تھے۔ زمیندار جب اپنے بڑے لڑکے کو نائٹ بناتا، یا اپنی لڑکی کی شادی کرتا، یا خود کہیں گرفتار ہو جاتا، ان میں سے ہر موقع پر اُسے پورا حق حاصل تھا، کہ رعیت میں جتنی رقم دینے کی سکت ہو، اس سے وصول کرے۔ ان رقوم کے لئے نذرانہ کی اصطلاح تھی، اور یہ مستقل طور پر بندھ جاتی تھیں۔ کوئی شخص جب مر جاتا، اور اس کا فرزند اُس کی جائداد کا وارث ہوتا، تو وہ اپنی ایک سال کی آمدنی نذر کرتا اسی طرح مذہبی مناصب میں بھی دستور تھا، کہ جب کسی شخص کو اول اول اسقفیت کا عہدہ ملتا، تو اپنے پہلے سال کی آمدنی نذر کر دینا اس کا فرض تھا۔ رعیت میں کوئی شخص جب مرجاتا، تو اُس کی جائداد زمیندار کی ملک ہو جاتی جس کا اختیار تھا، کہ جسے چاہے اُسے عطا کرے کوئی رعیت اگر اپنی زمین کا دوسرے سے تبادلہ کرنا چاہتا تو پہلے زمیندار کی خدمت میں نذرانہ پیش کرکے اِس کی

اجازت حاصل کرتا۔ کسی رعیت پر اگر غداری کا الزام عائد ہوتا، تو زمیندار کو اس کی زمین ضبط کر لینے کا پورا حق حاصل رہتا۔ انگلستان میں بادشاہ رعایا کے بلوغ و ازدواج کا بھی ذمہ دار رہتا۔ یعنی کوئی رعیت اگر نا بالغ اولاد چھوڑ کر مرجاتی، تو اُس کے سن بلوغ تک بادشاہ ہی اُس کا نگران رہتا، اور اُس کی جائداد و آمدنی سب بادشاہ ہی کے ہاتھ میں رہتی۔ اور پھر اس کی شادی بادشاہ ہی کی منظوری سے ہو سکتی تھی، جس کے لئے ایک معقول رقم نذرانہ کی پیش کرنا پڑتی زمینداروں کو ایک نہایت ظالمانہ حق رسد رسانی کے متعلق حاصل تھا۔ یعنی جن مقامات سے زمیندار مع اپنے حشم و خدم، بلکہ مع اپنے لشکر کے گزرتا، وہاں کے باشندوں پر اس سارے انبوہ کے لئے رسد پہنچانا لازمی تھا۔ اور صرف سامان خوراک ہی نہیں بلکہ سامان باربرداری کے لئے گھوڑوں اور گاڑیوں کا انتظام بھی رعیت کے سر تھا۔

رعایا سے انواع و اقسام کے لگان وصول کئے جاتے، زمین کا لگان الگ، مکان کا الگ، آتشخانہ کا الگ گائے بیل بھیڑ وغیرہ خانگی جانوروں پر الگ۔ غرض لگان کی بیسیوں قسمیں تھیں۔ اس کے علاوہ رعیت کی تمام پیداوار غلہ گھاس، مرغیوں، شہد، موم، غرض ہر شئے

میں زمیندار کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ زمیندار کے مملوکہ جنگلوں اور چراگاہوں میں جانوروں کے چرانے، اُس کے جنگلوں سے لکڑیاں لانے، اور اس کے چشموں سے مچھلی پکڑنے، ان سب کے لئے الگ الگ لگان دینا ہوتا تھا۔ کاشتکار فصل تیار ہو جانے پر ایک مدت معین تک نہ غلہ فروخت کر سکتے تھے، اور نہ شراب تیار ہو جانے پر شراب۔ اس لئے کہ اتنی مدت تک ان پر زمیندار کا تصرف کامل رہتا تھا۔ رعیت پر فرض تھا، کہ زمیندار کے تنور میں روٹیاں پکائیں، اس کی چکی میں غلہ پیسیں، اُس کے شرابخانہ میں شراب تیار کریں، اور ان میں سے ہر عمل کے لئے انہیں ایک خاصہ معاوضہ، نقد کی نہیں بلکہ جنس کی صورت میں ادا کرنا ہوتا تھا۔ زمیندار پورا مجاز ہوتا تھا، کہ رعیت کے غلہ، شراب، یا جس شئے پر چاہے، قبضہ کرلے، اور جب اور جس طرح چاہے اُسکی قیمت ادا کرے۔

رعیت پر یہ بھی واجب تھا، کہ سال میں ایک مدت معین کے لئے زمیندار کے ہاں کام کرے۔ زمیندار کے کھیتوں کی کاشت کرنا، اس کی فصل کی خبر رکھنا، اُس کے لئے شراب بنانا، اس کے لئے گھوڑے اور گاڑیاں بہم پہنچانا۔ اُس کے ہاں ہلانے

کے لئے لکڑی چیرنا، اُس کے تعمیرات کے لئے اینٹ پتھر فراہم کرنا، اُس کے مکانات و عمارات کی مرمت کرتے رہنا، اس کے قلعوں کی تعمیر کرنا، اُس کی سڑکوں اور پلوں کو درست رکھنا، وغیرہ، غرض اسی طرح بیسوں فرائض رعیت کے سر تھے۔

زمیندار کو رعیت کے تمام فصل خصومات کا بھی اختیار تھا۔ تمام مقدمات اُس کے یا اُس کے عہدہ داروں کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ جرائم پر جو جرمانے ہوتے تھے۔ ان کی رقوم وہی وصول کرتا تھا۔ ہر جرم کے لئے تاوان یا جرمانہ کی ایک مخصوص رقم مقرر رہتی تھی، اور اس لئے فصل خصومات، زمیندار کے لئے بجائے خود ایک بڑا ذریعہ آمدنی تھا۔ زمیندار کی عدالت سال میں تین بار قائم ہوتی تھی۔ شروع شروع ہر موقع پر کل رعیت کا حاضر ہونا ضروری تھا۔ لیکن آگے چل کر رعیت نے اس سے پریشان ہوکر کچھ فیس کے معاوضہ میں حاضری کی قید سے اپنا پیچھا چھڑالیا۔

زمیندار کے خاص و اہم ترین حقوق حسب بالا تھے۔ قدرتی طور پر زمینداروں کا فائدہ اسی میں تھا، کہ جہاں تک ممکن ہو، ان حقوق کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے برخلاف اس کے رعیت کی آرزو یہ رہتی کہ جہاں تک ممکن ہو ان میں کمی اور ان کی آزادی و

خود مختاری میں اضافہ ہوتا رہے۔ لیکن ظاہر ہے، کہ رعیت کے ہاتھ پیر ہر طرح بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور زمیندار کے اختیارات اس قدر وسیع تھے، کہ وہ جب چاہتا، تو ان کی زندگی کو دوبھر بنا دیتا۔ ملک بڑے بڑے علاقوں اور تعلقوں میں منقسم رہتا، جن پر زمینداروں کی حکومت قائم رہتی یہ زمیندار خود اور کوئی کام تو کیا کرتے محض نگرانی تک بھی نہ کر سکتے۔ ان کا سارا کام ان کے مختار و کارندے کرتے۔ یہ مختاری کا عہدہ اکثر ایک جاگیر ہو جاتا۔ مگر کبھی کبھی اس کے لئے زمین کا کچھ حصہ الگ کر دیا جاتا۔ مختار کو کوئی مخصوص تنخواہ نہ ملتی۔ بلکہ اُس کا فرض ہوتا کہ خود جائداد میں سے اپنی تنخواہ نکال لے وہ جائداد سے کیا، رعیت ہی کے حقوق پامال کرکے اپنی تنخواہ نکالتا۔ زمیندار کے لئے ایک مخصوص مستقر ہوتا تھا، لیکن بڑے زمیندار اس کے پابند ہوکر نہیں رہتے تھے، وہ پھرتے ہی رہتے تھے اور ان کی بجائے یہی مختار صاحب وہاں مقیم رہتے۔ اس مکان کے اطراف زمیندار کی ذاتی اراضی بہت ہی ہوتی۔ اور چونکہ رعیت پر زمیندار کے ہاں مزدوری واجب تھی زمیندار کو اپنی اراضی کی کاشت میں کبھی دقت نہ ہوتی۔

قابلِ کاشت اراضی کے حصہ بخرہ ہوکر جو حصہ جس کاشتکار کے پاس آتا، وہ اس کاشتکار کے خاندان کے ساتھ

مخصوص ہو جاتا۔ کاشتکار چھوٹے چھوٹے گھروں میں ایک دوسرے کے متصل رہتے، اور انہیں کا مجموعہ موضع کہلاتا تھا۔ گاؤں کے تمام لوگ گنوار کہلاتے۔ اور ان کی دو قسمیں تھیں، آزاد و غلام یا احرار و عبید۔ لیکن خود ان دو تقسیموں کے اندر بیسیوں تقسیمات اور تھیں۔

اس وقت کی کل آبادی تین طبقوں میں رکھی جا سکتی ہے۔ ایک کاشتکار، یا اہل دیہات، دوسرے کاروباری اشخاص یا اہل شہر، تیسرے امراء جو ان دونو طبقوں کے گویا آقا و مختار ہوتے تھے۔

قدیم زمانہ شہنشاہی کی غلامی اب رعیت داری کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی، اب غلام خرید و فروخت ہونے کے بجائے کاشت پر لگا دئے جاتے تھے۔ اب وہ شادیاں کر سکتے تھے، اور حسب قواعد زمینداری انہیں کوئی قطعہ اراضی کاشت کے لئے مل جاتا تھا شروع شروع زمیندار کو رعیت پر تشخیص لگان کے اختیارات کامل حاصل رہتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ وہ محدود ہوتے گئے۔ رعیت ایک بندھی ہوئی رقم سالانہ لگان کی دیتی تھی، اور اگر اس کا کوئی فرد کسی دوسرے علاقہ میں شادی کرنا چاہتا، تو اس کے لئے اُسے نذرانہ دینا ہوتا۔ وہ اپنی جائداد کو اپنی خوشی سے

کسی طرح الگ نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اس کی وفات پر لازمی
طور پر اُس کی جائداد زمیندار کے قبضے میں جاتی تھی۔ رعیت
کو اختیار نہ تھا، کہ اپنی زمین چھوڑ دے۔ تاہم بہت سی
رعیت اپنے زمینداروں سے بھاگ کر اور اپنے تئیں
آزاد ظاہر کر کے دوسری جگہ ملازمت قبول کر لیتی تھی
اور گو جب پتہ چل جاتا تھا تو یہ لوگ پھر اپنی سابق
جگہ پر بہ جبر واپس لائے جاتے تھے، لیکن خدمت
کلیسا میں شریک ہو جانے سے یہ لوگ آزاد ہو جاتے
تھے۔ اس کے علاوہ حصول آزادی کے اور بھی بعض
طریقے تھے، مثلاً ایک صورت یہ تھی، کہ رعیت
باقاعدہ دست برداری لکھدے، اپنا تمام مال و
اسباب چھوڑ جائے، اور اس علاقہ سے باہر چلی
جائے۔ اسی طرح آقا بھی اس کا مجاز تھا، کہ ایک
مخصوص رقم لیکر رعیت کو آزاد کر دے۔ اور چونکہ
اس میں آقا کا مالی نفع کافی ہوتا تھا، اس لئے یہی صورت
عام ہو گئی۔ اس میں زمیندار کا کوئی نقصان تو ہوتا
نہ تھا، اس لئے کہ رعیت آزاد ہو کر بھی بہر حال اسکی
رعیت ہی رہتی تھی، اور اُس کی زمین کی کاشت
اس پر فرض رہتی تھی۔ بلکہ سراسر نفع ہی ہوتا تھا،
اس معنی میں کہ معقول رقم زر نقد میں مل جاتی تھی۔ لیکن
زمیندار جس طرح رعیت کو آزاد کرنیکا مجاز تھا، اُسی طرح آزادوں کو

غلام بنا لینے میں بھی مختار تھا - بلکہ اب آزادی و غلامی زمین کی نوعیت کے ساتھ مخصوص ہو گئی تھی، بعض زمینیں آزاد کہلاتی تھیں اس لئے کہ شروع سے اس کے کاشتکار آزاد رہتے تھے اس کے مقابلے میں بعض زمینیں غلاموں کے ساتھ وابستہ چلی آتی تھیں۔ اب اگر پہلی قسم کی اراضی کا کوئی کاشتکار قسم دوم کی اراضی کو حاصل کرتا تو وہ بھی معاً اپنی آزادی کو کھوکر غلام بن جاتا۔ آزاد کاشتکاروں پر پابندی صرف اتنی تھی، کہ انہیں ایک مقررہ لگان سالانہ زر نقد یا غلہ کی صورت میں ادا کرنا پڑتا تھا ان کی زمینیں موروثی ہوتی تھیں۔ انہیں اپنی جائداد پر پورا تصرف و اختیار حاصل رہتا تھا۔ اور انہیں متمول ہونے سے کوئی امر مانع نہ تھا۔

شہری آبادی، یا طبقۂ اہل شہر کا ذکر کسی آئندہ باب میں آئیگا۔ خود شہروں کا وجود، زمینداری کے وجود سے موخر ہوا ہے، لیکن زمینداری سے ان کے تعلقات غیر منفک رہے ہیں، وہ گویا اس "نظام" کے عناصر ترکیبی تھے، اور ان سے بہ حیثیت "مفردات زمینداری" کے کام لیا جاتا تھا۔ شہر پر بہ حیثیت مجموعی زمیندارانہ فرائض عائد رہتے تھے۔ مگر جوں جوں شہروں میں تمول و اثر بڑھتا گیا۔ زمینداروں کے ہمہ گیر اقتدار میں رخنہ پڑتا گیا۔ درحقیقت جن چیزوں نے زمینداری کا استیصال گیا، ان میں سے ایک شہروں کا وجود بھی تھا۔

امیروں کے گروہ سے بالکل الگ اور ممتاز طبقہ روساء کا تھا۔ یہ طبقہ بجائے خود دو جماعتوں پر مشتمل تھا، دنیوی و دینی، یا ملکی و مذہبی۔ ملکی امیروں کا مشغلہ خاص سپہگری تھا۔ اس طبقے میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکتے تھے جو فکر معاش سے مطمئن اور آلات حرب وغیرہ کے لئے سرمایہ رکھتے ہوں خود محنت کر کے معاش حاصل کرنا منافی امارت تھا۔ غالباً صدیوں تک یہ ہوتا رہا، کہ جس شخص کے پاس کافی روپیہ ہوا وہ امرار کی صف میں داخل ہو گیا، لیکن تیرھویں صدی سے یہ مرتبہ موروثی ہو گیا، اور اب امرار و غیر امرار کے درمیان پوری تفریق قائم ہو گئی۔ عالی خاندانی بھی امیر کے لئے ایک لازمی شرط قرار پا گئی، اور آگے چل کر صرف یہی ایک شرط باقی رہ گئی۔ اب امارت کا معیار دولت نہ رہی، اور امرار و عوام کے درمیان باہمی ازدواج ممنوع قرار پا گیا، جرمنی و فرانس میں یہ دستور رہا، کہ امیر گھرانے کے تمام لڑکے حق امارت رکھتے تھے۔ لیکن انگلستان میں حق امارت صرف فرزند اکبر کے ساتھ مخصوص رہا۔ اپنے ہمچشموں میں ازدواج صرف اسی کے لئے واجب تھا۔ اس کے باقی بھائیوں کو اختیار تھا، کہ جہاں چاہیں شادی کر لیں۔ یہی سبب ہے کہ بخلاف دیگر ممالک کے صرف انگلستان ہی ایسا ملک ہے، جس میں امرار و

عوام کے درمیان بہت سی چیزیں مشترک رہی ہیں۔
دسویں صدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرنیکا دستور پڑ گیا تھا۔جس شخص میں اتنی مقدرت ہوتی کہ گھوڑا اور آلات حرب و ضرب رکھ سکے وہ امرا کے طبقے میں شریک ہو جاتا۔اب پیدل سپاہی صرف عوام رہ گئے تھے۔اسی گھوڑے کی سواری کے دستور سے الفاظ "Chivalier" اور "Chivalry" مشتق ہیں۔فارس کا جسم و گھوڑا دونوں زرہ بکتر و پاکھر وغیرہ سے بالکل ڈھکے ہوئے رہتے۔"نائٹ" (فارس) کے سر و چہرے پر خود اور جسم پر زرہ ہوتی، اور ڈھال تلوار و نیزے سے مسلّح رہتا۔ان اسلحہ میں برابر اضافہ ہوتا گیا، تا آنکہ کچھ عرصے کے بعد انسان پیدل رہ کر ان کا وزن ہی نہیں سنبھال سکتا تھا۔فارس عموماً اپنی سواری میں معمولی گھوڑا رکھتا تھا، لیکن لڑائی کے وقت انہی اسلحہ کے وزن کے خیال سے اُسے قوی و مضبوط گھوڑا رکھنا ضروری تھا۔ہر سوار کی اردلی میں ایک پیادہ بھی رہتا تھا، جو اس کے اسلحہ اور گھوڑے کی نگہداشت رکھتا تھا۔

سپہگروں کے اس گروہ نے اپنے اوپر کچھ خاص دستور و فرائض عائد کر لئے۔اور اب گویا ایک ایسی مخصوص جماعت ہو گئی۔جس میں داخلہ کے لئے ان شرائط کا بجا لانا ضروری تھا جو نوجوان امیرزادہ اس میں داخل ہونا چاہتا

اُس کے لئے ضروری تھا کہ وہ پانچ سے سات برس تک فن سپہگری کی تعلیم پائے۔ عموماً وہ کسی فارس کی شاگردی میں دیدیا جاتا تھا، جس کی خدمتگزاری کو وہ باعث فخر خیال کرتا۔ اور یہ خدمت گزاری کچھ بھی معیوب نہیں خیال کی جاتی تھی اس مدت شاگردی کے خاتمے پر شاگرد غسل کرکے اسلحہ سے آراستہ ہوتا اُس وقت اُس کا استاد اس کی کمر میں تلوار آویزاں کرتا، اس کے شانے کو تھپکتا، اور اسے فارس کے لقب سے خطاب کرتا۔ یہ دستور ابتدا میں تھا۔ بارھویں صدی سے پادریوں نے اس کے ساتھ اور بیسیوں رسوم بڑھا دیئے، جو خالص مذہبی نوعیت کے تھے از انجملہ، یہہ کہ شاگرد اُس روز روزہ رکھے، تمام رات عبادتگزاری کرے، صبح نماز میں شریک ہو، اور قربانگاہ پر اپنی تلوار رکھ کر پادری صاحب سے برکت حاصل کرے، اور وہ اسے فارس کے لقب سے پکاریں۔

زمانے کی جنگجوئی کی جھلک امرا کے مساکن و ملاعب دونوں میں اچھی خاصی نظر آتی ہے۔ امرا بجائے مکانات کے قلعوں میں رہتے تھے ان کے مکانات ایسے مواقع پر واقع ہوتے تھے، جو بآسانی قلعہ بند ہوسکیں بیرونی حصار کی محافظ خندقیں، اور مضبوط دیواریں وغیرہ ہوتی تھیں، اور اندرونی قلعہ کی نمایاں خصوصیات ایک

بلند منارہ، جو دیدبان کے کام آسکے، اور ایک مستحکم قلعہ، جو سخت محاصرے کو برداشت کرنے کے لئے بجائے خود کافی ہو، یہ دو ہوتے تھے، امراء کے مشاغل تفریح عموماً سیر، صید افگنی، و مصنوعی لڑائیاں، ہوتی تھیں۔ "مصنوعی لڑائیاں" کہنے کو "مصنوعی" ہوتی تھیں، لیکن واقعتہً ان کے نتائج اکثر مہلک ہوتے تھے۔ ایک بار صرف ایک مصنوعی لڑائی میں ۶۰ فارس کام آئے!۔

زمینداری، اور زمیندارانہ آئین و مراسم کا کلیسا پر بھی نہایت گہرا اثر پڑا۔ لاٹ پادری، پادری، اسقف، غرض سارے کلیسا نے اپنے مقبوضات ملکی کی بناء پر اپنے تئیں زمیندارانہ تعلقات سے متاثر پایا!۔ کلیسا کی تعلیم شروع سے یہ تھی کہ خیر و خیرات نہ صرف ایک اہم فرض ہے، بلکہ یہ کہ اس کا مستحق کلیسا سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ چنانچہ لوگ نہایت فراخ دلی کے ساتھ کلیسا کی روپیہ پیسے سے خدمت کرتے رہتے تھے، اس امید پر کہ حشر میں کلیسا کی شفاعت کام آئیگی! اس کا نتیجہ یہ تھا، کہ کلیسا، کلیسا کے مدارس، خانقاہیں وغیرہ نہایت متمول ہو گئی تھیں اور کلیسا کے قبضے میں بڑی بڑی جائدادیں آچکی تھیں گویا، ہر اسقف، پادری، و لاٹ پادری بجائے خود اپنے علاقہ کا زمیندار تھا۔ پھر بلحاظ تمول، و نیز بہ لحاظ اثر و عظمت، بزرگان کلیسا کا شمار طبقۂ امراء میں ہوتا تھا، اور یہ لوگ مثل ملکی رئیسوں کے سمجھے جاتے تھے اس کے علاوہ، ان کے علم و فضل کی بنا پر فرمانروائے

وقت انہیں اپنے مشیروں اور اعلیٰ عہدہ داروں میں بھی رکھتا تھا
ان کی خانقاہوں و اسقفیوں کی دولت کے شہرے سنکر نوعمر امیرزادوں
کو اُن کے والدین انہیں کی صحبتوں میں رکھنے لگے۔ لیکن بایںہمہ
آئین زمینداری کے شکنجے سے یہ آزاد نہ رہ سکے ہر ملک
کے حاکم نے اعلان کردیا، کہ یہ مذہبی جائدادیں بھی عام
زمیندارانہ حیثیت سے اُس کے ماتحت رہیں گی۔ اس بنا پر
ہر پادری یا اسقف، رعیت ہوگیا، اور اُس پر فرض ہوگیا،
کہ عام رعیت کی طرح اپنے آقا کی وفاداری کا حلف اُٹھائے
اور اس کے معاوضہ میں اپنی جائداد کا پٹہ حاصل کرے
گویا ارکان کلیسا پر علاوہ مذہبی خدمت کے عام رعیت
کے ملکی فرائض بھی عائد ہوتے تھے۔ کلیسا کے اس دوگانہ
حیثیت نے آگے چل کر پاپائیت اور شہنشاہی کے آگ کو
بھڑکا دیا۔ ارکان کلیسا کے لئے ناممکن تھا، کہ ایک ہی
وقت میں دو آقاؤں کی خدمت گزاری کریں۔

زمینداری کا شباب دسویں سے تیرھویں صدی تک رہا
اس کے بعد تدریجی زوال شروع ہوا۔ بارود کے ایجاد نے
طریق جنگ کو سرے سے بدل دیا۔ گولی بارود کے مقابلہ
میں فارس کے اسلحہ و قلعے سب بیکار تھے قرون وسطیٰ
کے اختتام پر سلاطین کی قوت میں مرکزیت و اضافہ
پیدا ہوتا جاتا تھا، اور امرا اپنا اقتدار کھوتے جاتے تھے
بلکہ سچ یہ ہے کہ زمینداری کے اجزاء پراگندہ ہی پر سلاطین

نے اپنے اقتدار و عظمت کی عمارت قائم کی۔ شہروں کی ترقی بھی زمینداری کی قوت کو توڑنے میں معین ہوئی اس لئے کہ شہروں کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ شہریوں میں آزادی بھی آتی گئی، اور وہ روز بروز زمینداروں سے مستغنی ہوتے گئے۔ محاربات صلیبی، وبادِ عظیم، اور عام سلسلۂ جنگ، یہ تمام چیزیں بھی زمینداری کا زور توڑنے میں معین ہوئیں، اس لئے کہ اب زمینداروں کو اپنے کام کے لئے رعیت کی کافی تعداد ملتی نہ تھی۔ آزاد مزدوروں کی جتنی مانگ بڑھتی گئی، اُسی قدر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، تا آنکہ تقریباً سب کے سب بجائے رعیت بنے رہنے کے آزادی کے ساتھ مزدوری پیشہ بن گئے۔ آئین زمینداری کا خاتمہ پندرھویں صدی میں ہوا، گو فرانس میں اس کے آثار انقلاب کے وقت تک باقی رہے، اور یورپ کے نظام معاشرت میں اب بھی اس کی کافی جھلک نظر آتی ہے۔

باب (۹)

ریاست مذہبی کا نشو و نما

کلیسا کے وجود کی ابتدائی دو صدیوں میں، اس میں کسی قسم کا نظم و انضباط نہ تھا۔ ہر پادری اپنی جگہ پر خود مختار اور دوسرے سے بے تعلق تھا۔ لیکن اتحاد و ارتباط کی تحریک اسی وقت سے پیدا ہوگئی تھی، اور روز بروز اس میں ترقی ہورہی تھی کلیسا کے سامنے شہنشاہی کے نظم ملکی و سیاسی کا عظیم الشان نمونہ موجود تھا، جس کی وہ غیر محسوس طور پر تقلید کرتا جاتا تھا۔ جس طرح ملکی افسر صوبہ وار ہوتا تھا، اسی طرح ہر صوبہ میں ایک سب سے بڑا مذہبی حاکم تسلیم کیا جانے لگا، جس کا مستقر صوبہ کا دارالحکومت ہوتا تھا، جس کے اختیارات تمام صوبہ پر محیط ہوتے تھے، اور جسے اصطلاح میں لاٹ پادری کہتے تھے گویا مذہبی حیثیت سے بھی ملک مختلف صوبوں میں منقسم تھا، اور صوبہ وار دارالحکومت کا

پادری اس صوبہ کا لاٹ پادری ہوتا تھا۔

پھر جس طرح ملکی حیثیت سے سب صوبہ داروں کے اوپر اُن سے بالا تر ایک افسر ہوتا تھا، اسی نمونہ پر سب لاٹ پادریوں کے اوپر ایک بڑا لاٹ پادری مقرر ہوا۔ اس کے لئے چوتھی صدی میں بطریق کی اصطلاح قائم ہوئی۔ ان بطریقوں کے دارالحکومت حسب ذیل تھے :۔ یروشلم، انطیوخ، افیسس، قیصریہ، ہرقلیہ، کورنتیو، اسکندریہ، رومہ، چھٹی صدی میں صرف حسب ذیل رہ گئے :۔ یروشلم انطیوخ، اسکندریہ، قسطنطنیہ۔ رومہ۔

اس ریاست مذہبی کی تاریخ کے بیان میں دو چیزوں کو الگ الگ رکھنا چاہئے۔ ایک رومہ کے پادری کا سب پادریوں کا افسر ہونا، دوسرے اس کا دنیوی اقتدار و استیلاء۔ ۷۵۵ء تک یہ دونوں چیزیں بالکل الگ رہیں، اس کے بعد مدغم ہو گئیں اسقف رومہ کی چوتھی صدی سے دو حیثیتیں جدا ہو گئی تھیں ایک یہ کہ وہ اسقف رومہ تھا دوسرے یہ کہ مضافات رومہ کے علاقہ کا لاٹ پادری تھا دیکھنا یہ ہے کہ ان دو حیثیتوں کے علاوہ اُس نے ایک تیسری حیثیت سارے کلیسا کی افسری کی کیونکر پیدا کرلی جو قدرتی موثرات اس امر میں معین ہوئے وہ یہ تھے۔

اسقف رومہ، مغرب میں ایک ہی بطریق تھا، اس لئے کوئی اس کا حریف و مدمقابل تھا ہی نہیں، رومہ تمام شہنشاہی کا دارالحکومت تھا، اس لئے یہاں کے پادری کو تمام

دنیا کے پادریوں پر بھی ایک طرح کی افضلیت حاصل تھی۔ ہر شخص کی نظر بہ آسانی، اس کی اور شہنشاہ کی مماثلت پر جاتی تھی۔ رومہ کا کلیسا تمام دیار مسیحیت کے حاجتمندوں اور مظلوموں کی مال سے اعانت کرتا رہتا تھا اس خزانہ کا کلید بردار خود اسقف رومہ ہوتا تھا اس لئے لامحالہ اُسے عالم مسیحی کا محسن تسلیم کیا جاتا تھا اہم مختلف فیہ مذہبی مسائل میں اساقف رومہ ہمیشہ قدامت کی پاسداری کرتے تھے، اس لئے یہ خیال بھی عام اذہان میں قائم ہوگیا تھا، کہ یہ لوگ شریعت حقہ کے حقیقی محافظ ہیں مشرقی اساقفہ میں، نہ صرف سیاسی، بلکہ مذہبی مسائل کے باب میں بھی عموماً مناقشات گرم رہتے تھے۔ اگر ایسے مواقع پر وہ لوگ اسقف رومہ کو حکم بناتے تھے۔ رفتہ رفتہ اسقف رومہ نے اس محاکمہ کا حق اپنے لئے مخصوص کرلیا۔ مجلس سارڈیکا (۳۴۳ء) میں یہ تجویز ہوا کہ جولیس اسقف رومہ کو اس کا مجاز کیا جائے، کہ کوئی پادری اگر اپنے متعلق مجلس کے فتویٰ سے غیر مطمئن ہو تو اس کے سامنے مرافعہ کرسکے۔ اس تجویز پر اختلاف ہوا، اس بنا پر کہ یہ اختیار جولیس کو کبھی پیشتر نہیں حاصل تھا۔ اور مشرقی پادریوں نے تو کہدیا کہ "یہ ایک مقامی مجلس کا فتویٰ ہے۔ تمام کلیسا کے لئے کیونکر واجب العمل ہوسکتا ہے" پھر یہ جدید اختیار اگرچہ صرف جولیس کو شخصی طور پر دیا گیا تھا، لیکن اس کے جانشینوں نے بھی اس پر اپنا حق جتایا اس لحاظ سے مجلس کا فتویٰ

مذکورۂ بالا اختیارات اسقف روما کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے مجلس نیسیا (۳۲۵) نے جو کارروائی کی تھی اس کے لحاظ سے تمام بطریقوں (یعنی روما، اسکندریہ، انطیوخ، افیسس، قیصریہ، و ہرقلیہ کے اساقفہ) کی باہمی مساوات لازم آتی تھی مجلس قسطنطنیہ (۳۸۱) نے یہ فیصلہ کیا، کہ اسقف روما کے بعد اُسقف قسطنطنیہ کا مرتبہ تمام اساقفہ میں افضل ہے، اسلئے کہ خود قسطنطنیہ کا مرتبہ روما کے بعد ہی ہے اس مجلس نے محض بہ لحاظ آداب یہ فیصلہ کیا تھا، کہ اُسقف روما کا عہدہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ معزز ہے مجلس کالکیڈن کی (۴۵۱) نے یہ فتویٰ صادر کیا، کہ گو اُسقف روما کا مرتبہ نہایت معزز ہے اس بنا پر کہ روما قدیم دارالحکومت ہے تاہم اسقف قسطنطنیہ کا مرتبہ بھی اس سے کم نہیں۔ اس لئے کہ قسطنطنیہ شہنشاہ کا مسکن اور سینیٹ کا مستقر ہے، لیو اعظم، اسقف روما نے اس فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس کا استدلال یہ تھا، یہ سچ ہے کہ قسطنطنیہ موجودہ دارالحکومت ہے، لیکن کسی شہر کی سیاسی اہمیت کو اس کے پادری کے مذہبی تعزز سے کیا واسطہ؟ مذہبی افضلیت کا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ کس حواری نے کلیسا کی بنا ڈالی ہے۔ کلیسائے روما اُس حواری کا بنا کردہ ہے، جو تمام حواریوں کا رئیس تھا، یعنی پطرس اور چونکہ وہ سب حواریوں سے افضل تھا، اسکی فضیلت اُس کے جانشینوں پر منتقل ہوئی۔ اسلئے اُس کے

جانشین (روما کے) پادری اپنے تمام ہمچشموں سے افضل و ممتاز ہیں اور پطرس کے نام لیوا ہونے کی بنا پر اسقف روما کو سارے کلیسا کی سرداری و افسری حاصل ہے" یہ استدلال جو برابر اس وقت سے آجتک افضلیت اسقف روما کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، اُس کے سب سے پہلے پیش کرنے کا سہرا لیو کے سر ہے۔

چھٹی صدی کی ابتدا میں روما کے ایک زاہد ڈائیونیسیس اگزگیوس نے دو کتابیں شائع کیں، جن میں سے ایک، مختلف مجالس کنیسہ کے فتاوی کا مجموعہ تھا، اور دوسری کتاب پاپاؤں کے مکاتیب و مختلف مسائل پر اقوال تھے ڈائیونیسیس، پاپاؤں کے اقوال، اور مجالس کنیسہ کے فتاوے کو ایک درجہ پر رکھتا تھا، اور چونکہ اس کی دونوں تالیفات مغرب میں نہایت مقبول ہوئیں، ان کے سبب سے پاپا کے اقتدار میں کافی اضافہ ہوا۔

یہ تمام اسباب بالا تو پاپا کے اقتدار میں معین ہو ہی رہے تھے، سب سے بڑھکر اس میں معین وہ کوششیں ہوئیں، جو اس نے مغرب میں بربریوں کو مسیحی بنانے میں کیں۔ اساقف روما مسلسل اس سعی میں مصروف رہے، کہ ایرین جرمنوں کو راسخ الاعتقاد مسیحی بنائیں، اور جب کلوڈوگ نے مذہب حقہ کو قبول کرلیا، تو انھوں نے فرانکوں سے خاص اتحاد پیدا کرلیا۔ انگلستان میں شیوع مسیحیت کی جو کوششیں گریگوری اعظم نے کیں، ان کا تذکرہ اوپر ہوچکا ہے۔ پاپا کے یہ نئے

مرید، اینگلوسیکسن اس کے بڑے ہی پُرجوش معتقد ثابت ہوئے۔ ان کے ذریعہ سے آیرستان، اسکاچستان، اور اُن تمام جرمن قبائل تک، جو اُسقف رومہ کی سرداری کے منکر تھے، اور یا تو محض برائے نام مسیحی تھے، یا سرے سے غیر مسیحی تھے مذہب حقہ کی تعلیمات کو پہنچا دیا، جن کا ایک جزو اُسقف رومہ کی سیادت وافضلیت بھی تھی۔ گیارھویں صدی کے آخر میں اسکاچستان کی ایک اینگلوسیکسن ملکہ مارگرٹ نے کلیسا سے اسکاچستان کو تمامتر کلیسائے رومہ کا تابع و ماتحت بنا دیا صرف کلیسائے آیرستان و کلیسائے سینٹ پیٹرک، رومہ کی محکومی سے آزاد و خودمختار رہ گئے تھے تاآنکہ ہنری دوم (۱۱۵۴ تا ۸۹) نے آیرستان کے ایک حصہ کو فتح کر کے اسے رومہ کا ماتحت بنادیا۔

آیرستان کے راہبوں نے انگلستان و اسکاچستان میں جو تبلیغی کوششیں کیں، اُن کا ذکر کسی گزشتہ باب میں آچکا ہے۔ لیکن ان کی کوششیں صرف انہیں ممالک تک محدود نہیں رہیں ان کی بہت سی تبلیغی جماعتیں، جو عموماً تیرہ اشخاص پر مشتمل ہوتی تھیں، یورپ کے علاقوں میں گئیں، اور فرلیسی و دیگر جرمن قبائل کے درمیان خاص طور پر کوششیں کیں، کہ ان میں اس وقت تک مسیحیت برائے نام تھی، ان کا نظام کلیسا بہت ہی غیر منضبط تھا، اور یہ لوگ اُسقف رومہ کے تابع نہ تھے آیرستان کے مبلغوں کو اپنی جدوجہد کے اظہار کے لئے

یہ بڑا میدان ملا۔

ایک مغربی سیکسن، و ینفرڈ، جو آگے چل کر بونی فیس کے نام سے مشہور ہوا، وہ شخص تھا جس نے جرمنوں میں نظام کلیسا کو منضبط کیا، اور اسے اسقف رومہ کے ماتحت کیا۔ اس کی ولادت تقریباً ۶۸۰ء میں ہوئی، تربیت ایک خانقاہ میں پائی اور تیس برس کی عمر میں اسے پروہت کا درجہ ملا ۷۱۸ء میں وہ رومہ گیا، اور وہاں پاپا کا یہ فرمان اسے ملا، کہ وسط یورپ کے جرمنوں میں مسیحیت و رومیت پھیلائے۔ یہ کوئی پانچ برس تک جرمنی میں بویریا سے فریسیا تک دورہ کرکر کے اس کام میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہا ۷۲۳ء میں وہ پھر رومہ آیا اور اس بار پاپا نے اسے مشنری پادری بناکر وہ تمام مراتب اسے عطا کئے، جو خاص رومہ کے پادریوں کے لئے مخصوص تھے گویا اس وقت سے پاپا جرمنی کو کلیسائے رومہ کے ماتحت سمجھنے لگا۔

بونی فیس نے اپنے کام میں پہلے کارل مارٹل اور اسکے بعد پیپن سے امداد حاصل کی اُسے انگلستان سے اشخاص بھی ملے اور زر و مال بھی، جس سے اُس نے جرمنی میں متعدد خانقاہیں تیار کرائیں۔ ۷۴۲ء میں مینز کا لاٹ پادری مقرر ہوا اُس نے مجالس منعقد کیں، جن سے کلیسا کا انتظام و انضباط زیادہ پختہ و درست ہوتا گیا، جن میں بدعتوں کا استیصال اور وہم پرستیوں و ضعیف الاعتقادیوں کی اصلاح کی جاتی تھی۔ اور

جن کے ذریعہ سے اسقف رومہ کے اقتدار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اہل کلیسا کی معاشرت کی پاکیزگی و اصلاح پر بھی زور دیا جاتا تھا ۷۵۳ء میں اُس نے مینز کے لاٹ پادری کے منصب سے استعفا دیدیا، اور اپنے بہت سے رفقار کو لیکر تبلیغ مذہب کیلئے پھر فریسیا گیا، جہاں اُسے (۷۵۴ یا ۷۵۵) میں درجہ شہادت نصیب ہوا۔ لیکن اُس وقت تک وہ اپنا مقصد زندگی پورا کرچکا تھا۔ سارا کلیسائے جرمنی منضبط و منتظم ہوکر کلیسائے رومہ کی ماتحتی میں آچکا تھا۔ اور اب کلیسائے جرمنی سے مسیحیت تمام باقی جرمن قبائل، (مثلاً سیکسن، ڈین، اہل اسکنڈنیویا اور الپ کے مشرق تک سلافیوں) کے درمیان شائع ہوئی۔ اُس طرح اسقف رومہ کی افضلیت و سرداری، تمام یورپ میں شائع ہوگئی، اور مسیحیت کا ایک لازمی جزو تسلیم کی جانے لگی اس واقعے کو ہم رومن کتھولک تسخیر مغرب سے تعبیر کرسکتے ہیں اس لئے واقعتہً یہ ایک بڑی فتح تھی، اور اس حکمت عملی کا نتیجہ، جس کے نتائج تک اُس وقت پاپاؤں کی نظر بھی نہیں پہنچی تھی۔

بونی فیس کی کارگزاریوں کے متعلق سخت اختلاف آرا ہے۔ ایک جماعت اُسے جرمنوں کے درمیان حواری کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اُس نے کلیسائے جرمنی کی گردن میں طوق غلامی پہنا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں مقابلہ شرک و محکومیت رومہ کا تھا۔ یا تو شرک وبت پرستی کو گوارا کیا جاتا، اور یا رومہ کی محکومی و ماتحتی کو

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کون دوسری شق کو نہ قبول کرتا!
چنانچہ یہی بونی فیس نے کیا۔ فرنیکوں اور جرمنوں کا کلیسا نہایت
ذلیل حالت میں تھا کلیسا کی جائدادیں اکثر دنیا داروں کے ہاتھ
میں تھیں، باہم کسی طرح کا ربط و اتحاد تھا، نہ انضباط و انتظام
ہر پروہت اپنی اپنی جگہ پر مطلق العنان تھا۔ کثرت سے آوارہ
و بدمعاش، پروہتوں و زاہدوں کے بھیس میں لوگوں سے حصول
زر کرتے پھرتے تھے۔ عوام کے خیالات و اعمال میں شرک و
بت پرستی کے کافی اثرات باقی تھے۔ گویا مسیحیت و شرک میں
محض برائے نام فرق تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ مذہب، اور یہ کلیسا ناممکن تھا کہ فرنیکوں کو
ان کے موجودہ معزز مرتبہ پر عرصے تک قائم رکھ سکے بونی فیس
ہی کے مساعی سے اس بدنظمی و ابتری کا خاتمہ ہوا۔ اُس نے یہ قاعدہ
مقرر کیا، کہ بلا وجہ موجہ کوئی راہب خانقاہ کے باہر نہ جائے
آوارہ گرد پادری اپنے صوبہ کے لاٹ پادری کے ماتحت قرار
دیئے گئے۔ خانقاہوں میں پوری پابندی کے ساتھ قواعد وضوابط
نافذ کئے گئے۔ تمام پروہتوں پر معاشرت میں سینٹ بینڈیکٹ
کی تقلید فرض کی گئی۔ دنیا داروں کے لئے کلیسا کی جائداد پر
قابض رہنا ناجائز قرار دیا گیا۔ غرض یہ کہ کلیسا میں ہر پہلو سے
اصلاح ہوئی، اور فرنیکوں کے درمیان اصلاح شدہ مذہب
کی اشاعت ہوئی۔ یہ سارے کام بونی فیس نے انجام دیئے
اور ان کے لئے اس کی جتنی مدح وستائش کی جائے

بالکل بجا ہے۔

یہانتک پاپا کے مذہبی اقتدار پر گفتگو تھی۔ اس کے دنیوی و ملکی اقتدار کی تاریخ بیان کرنا اتنا آسان نہیں، اس سلسلہ میں جب میں دو باتیں دیکھنا ہیں۔ ایک یہ کہ پاپا کو رومہ اور اس کے علاقہ میں اقتدار ملکی کیونکر حاصل ہوا، دوسرے یہ کہ سارے دیارِ مسیحیت کی سرداری اسے کیونکر ملی۔

پادریوں کو روز افزوں ملکی اختیارات قسطنطین ہی کے زمانہ سے حاصل ہونے لگے تھے۔ یہ لوگ جج ہوتے تھے، لوگوں کے اخلاق کے محافظ ہوتے تھے، مجسٹریٹوں کی نگرانی اور حکومت بلدیہ میں ان کا حصہ تھا۔ یہ اختیارات عام پادریوں کے تھے۔ اُسقف رومہ کو ان سے کہیں زیادہ حقوق حاصل تھے، یہانتک کہ سارے علاقہ رومہ میں وہ سب سے بڑا شخص تسلیم کیا جانے لگا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کی مذہبی مداخلت اُسے اپنے معاملات میں سخت ناگوار ہوتی رہی، یہانتک کہ شہنشاہ کی پیہم بے اعتنائیوں کو دیکھکر وہ بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ مسئلہ پرستش تصاویر میں اسے پوری طرح کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ جب شہنشاہ لیو سوم نے تصاویر پرستی کی ممانعت کی، تو پاپا گریگوری ثانی نے علی الاعلان کہا، کہ کلیسا کے عقائد و اعمال کے متعلق تصفیہ کا حق پاپائے رومہ کو ہے، نہ کہ شہنشاہ کو گریگوری ثالث (۷۳۱-۴۱ء) نے ایک قدم اور بڑھایا، اور خود شہنشاہ کے خلاف فتویٰ دیا۔

پاپا اور لومبرڈوں سے جب مخالفت ہوئی تو پاپا نے پہلے

کارل مارٹل، اور پھر پپن کے پاس (۷۴۲ و ۷۵۴ میں) آکر درخواست کی، کہ لومبرڈون کے شر سے محفوظ رہے پپن نے اس درخواست کے اوپر دو مرتبہ اٹلی پر حملہ کیا، لومبرڈوں کو مجبور کیا، کہ اپنے علاقہ کا جنوبی ٹکڑا (۷۵۵ میں) پاپا کی نذر کردیں۔ پاپا کے دنیوی اقتدار کی یہیں سے بنیاد پڑتی ہے، اب وہ مشرقی شہنشاہوں سے آزاد ہوگیا تھا، اور اس کی حیثیت رومہ، اور اس کے اطراف میں دینی و دنیوی دونوں طرح کے حاکم کی تسلیم کی جانے لگی، جس کا بالادست صرف پپن تھا۔

یہ کسی گذشتہ باب میں بیان ہوچکا ہے کہ پاپا نے کارل اعظم کی تخت نشینی کرکے شہنشاہ مشرق سے بالکل کھلم کھلا بغاوت کردی تھی۔ اب اس نے لڈوگ پارسا کو ترغیب دی، کہ وہ اپنی تخت نشینی دوبارہ اس کے ہاتھ سے کرائے۔ ۸۲۳ء میں اس نے لوتھر اور پھر اُس کے فرزند لڈوگ ثانی کو تخت نشین کیا ان تمام نظیروں کے قائم ہوجانے سے شہنشاہ کو تاج پہنانے کا حق پاپا کے لئے مسلم ہوگیا اور صدیوں تک مسلم رہا۔

یہانتک ریاست مسیحیہ کے تذکرہ میں ہم نے شخصیتوں سے تعرض نہیں کیا۔ لیو اول، گریگوری اول، گریگوری ثانی، گریگوری ثالث و نکولس اول (۸۵۸ تا ۷۶) بالکل بجا طور سے اس ریاست کے بانی مبانی تسلیم کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ پاپا کے اقتدار و حقوق کو دنیا سے تسلیم کرانے والے حقیقتاً یہی لوگ ہوے ہیں ان میں سے علی الخصوص نکولس اول بڑے زور کا شخص ہوا ہے کہ

جس کی شخصیت کی طاقت تمام یورپ کو مسلم تھی۔ اس نے اپنے
عہد ریاست کے اعمال و افعال کا اصول اس حقیقت کو
رکھا، کہ یہ ساری شہنشاہی کے معاملات کا ذمہ دار ہے، یہ اس کا
منتظر نہیں رہتا تھا، کہ کوئی معاملہ اس کے سامنے پیش ہو بلکہ جب کسی
معاملہ میں اسے مداخلت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، یہ خود ہی اس میں
دخل دینا شروع کر دیتا تھا۔ نکولس کے زمانہ میں پاپا کو جو عروج و اقتدار
حاصل ہوا، وہ اس سے پیشتر کبھی نہیں نصیب ہوا تھا، اور اس کے
بعد بھی اس کی نظیر بجز گریگوری ہفتم کے زمانے کے اور کبھی نہیں ملتی۔
بے شبہ دسویں صدی میں کچھ عرصے کے لئے ایسا معلوم
ہونے لگا تھا، کہ رومہ کے مقامی مناقشات سے یہ ریاست
نصرانیہ فنا ہو جائے گی۔ پاپا کو اب جو سیاسی اقتدار حاصل تھا اس کے لحاظ
سے ہر بڑے آدمی کے دل میں اس کی طمع پیدا ہو گئی تھی اور اس کے
مرتبہ و عظمت کو بالکل پس پشت ڈال کر اسے آوارہ عورتوں اور
بدچلن مردوں کا گویا چکلہ بنا دیا گیا۔ دنیوی مرتبہ و اعزاز کے آگے مذہبیت
و دینداری کو طاق نسیاں پر رکھدیا گیا، اور پاپا اسے بالکل بھول گئے
کہ انہیں دوسروں کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ لیکن آٹو اول،
آٹو ثالث، ہنری ثالث نے اس شرم انگیز حالت سے نجات
دلائی اور پاپاؤں کو یہ یاد دلا دیا، کہ وہ محض دنیوی حاکم نہیں،
بلکہ سارے کلیسائے رومہ کے دینی پیشوا بھی ہیں۔ گیارھویں صدی
میں پاپائیت نے اپنے گزشتہ ادعائے ہمہ گیری کو ملحوظ رکھکر اپنے
حقوق و اقتدار پر پھر زور دیا۔ اب اصلاح کلونی کی تحریک شروع

ہوگئی تھی، پاپا بھی انہیں خیالات سے متاثر ہوئے بلکہ انھیں
کو اپنے آئندہ رفتار عمل کے لئے دلیل راہ بنالیا۔ مجلس پیویا (۱۰۱۸)
میں بینڈیکٹ ہشتم نے عہدہ داران کلیسا کے لئے تاہل
ناجائز قرار دیدیا۔ اسی طرح بجز پادریوں کے انتخاب کے اور کسی
ذریعہ سے کوئی منصب حاصل کرنا بھی ممنوع ہوگیا۔

ہنری ثالث نے پاپاؤں کا عزل ونصب بالکل اپنے ہاتھ
میں رکھا، اور ان کے ساتھ بالکل اپنی رعایا کا سا
برتاؤ کیا۔ لیکن اس کے آخری زمانے میں لیو نہم (۱۰۴۸-۵۴ھ)
نے حصول آزادی کی تحریک کی، جو آئندہ انقلاب کا پیش خیمہ
ثابت ہوئی۔ اس کا تقرر ہنری سوم نے کیا تھا، لیکن
اس نے اس تقرر کو ناجائز سمجھا، تا وقتیکہ رومہ کے پادریوں
اور عام خلقت نے اپنے انتخاب سے اس کی توثیق نہ کردی
وہ اٹلی فرانس و جرمنی میں مسلسل سفر کرتا رہا اور دوران
سفر میں انعقاد مجالس، فصل خصومات، تصفیہ معاملات، سب
کچھ نہایت آزادانہ وغیر مسئولانہ شان کے ساتھ کرتا رہا۔ وہ صرف
اسی پر قانع نہ رہا بلکہ آزادی حقوق میں اس نے ایک قدم
اور آگے بڑھایا۔ ابتک ہر پادری محض متوسل کلیسا ہی نہیں،
بلکہ سرکاری عہدہ دار بھی ہوتا تھا، اور بعض ملکی خدمات انجام
دینے پر مجبور رہتا تھا، اس کے علاوہ وہ شہنشاہ کی رعیت
بھی، بہ حیثیت اس کے زمیندار اعظم ہونے کے ہوتا تھا، اس لئے
کلیسا کی زمین کا وہ لگان بھی ادا کرتا تھا۔ اور شہنشاہ محصول ہر زمین

کا لیتا تھا، خواہ وہ کلیسا کی ہو یا کسی کی، ان حالات کی بنا پر
کوئی پادری اپنے عہدہ پر مقرر نہیں ہوسکتا تھا تا وقتیکہ وہ
اطاعت شہنشاہی کا حلف نہ اُٹھائے، اور اس کے بعد شہنشاہ
سے کلیسا کی اراضی کا ٹپہ نہ حاصل کرے۔ ان تمام مراتب و مراحل
میں پاپا کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ تھا۔ لیونہم نے دیکھا کہ یہ شئے
اُس کے اغراض اور کلیسا کے حقوق کے کس قدر منافی ہے۔
چنانچہ اس نے مجلس ریمس (۱۰۴۹) میں یہ فتویٰ شائع کردیا،
کہ پادریوں کے تقرر کا حق صرف پاپا کو ہے۔ گو اس نے اس
تجویز کے نفاذ پر زور نہیں دیا۔

رفتہ رفتہ ریاست مذہبی کا اثر بڑھنا شروع ہوا۔ پاپاؤں نے
دیکھا، کہ انہیں کیسے نادر مواقع حاصل ہیں۔ اپنے اثر کی جہانگیری
کا جو خواب وہ دیکھ رہے تھے، اب اس کی تعبیر نظر آنے لگی
پاپا اور شہنشاہ اب پوری طرح ایک دوسرے کو حریفانہ نظروں
سے دیکھنے لگے دلوں میں بخار مدت سے بھرا ہوا تھا، اب مواد
خوب پک گیا، اور صرف اس کا انتظار باقی رہ گیا، کہ ذرا چھیڑ
ہوجائے پھر مادّہ پھوٹ نکلے یہ موقع اُس وقت حاصل ہوا۔
جب ہنری سوم نے ایک شش سالہ بچہ کو اپنا وارث چھوڑکر
وفات پائی۔ ہلڈبرانڈ، ایک پاپا کا عہدہ دار اُس وقت ملک کا
سب سے زیادہ ذی اثر وزبردست شخصیت کا آدمی تھا، قسمت
کی خوبی، کہ تخت نشین بچّے کا اتالیق ونگران پاپا مقرر ہوا۔

باب (۱۰)

پاپائی اور شہنشاہی کے درمیان کشمکش

۱۰۵۶ء سے ۱۲۵۴ء

جرمنی میں ہنری چہارم کے زمانۂ خرد سالی میں تخت نشین ہو جانے سے دربار پوپ کو وہ موقع ہاتھ آگیا جس کا وہ منتظر تھا۔ ہنری سوم کی اصلاحات کے زمانہ سے (۱۰۴۶ء) پاپاؤں کی قوت بہت ہی جلد جلد بڑھتی جارہی تھی، پس ہلڈبرانڈ کو متواتر کئی پاپاؤں کے مشیر رہنے کیوجہ سے یہ موقع ملگیا تھا کہ وہ ان سب کی کوششوں کو اسی ایک مقصد کی طرف منعطف کردے۔

نقولاس دوم ۱۰۵۹-۱۰۶۱

نقولاس دوم (۱۰۵۹-۱۰۶۱) کا عہد اسیوجہ سے مشہور ہوا کہ اُس نے رابرٹ گسکرڈ سے محالفہ کرلیا اور پوپ کے انتخاب کے لئے ایک طریقہ

معین کرکے بذریعہ فرمان اُسے شایع کیا۔ اُسوقت تک پوپ کے انتخاب میں بہت بڑی بیضابطگیاں ہوا کرتی تھیں۔ اصولاً یہ سمجھا جاتا تھا کہ پوپ کا انتخاب پادریوں اور روما کے باشندوں کی طرف سے ہوتا ہے، مگر فی الواقع بارہا ایسا ہوا ہے کہ شہر کے مختلف فریقوں نے پوپ کے انتخاب پر قابو حاصل کرلیا ہے، اور اکثر خود شہنشاہ بھی پوپ کو نامزد کردیا کرتا تھا۔ ہلڈبرانڈ صاف طور پر یہ سمجھتا تھا کہ انتخاب کو عام لوگوں کے اختیار سے نکال لینا چاہئے اسی کے خیالات کے موافق ۱۰۵۹ء میں نقولاس نے باجلاس کونسل یہ فرمان شایع کیا کہ آیندہ سے صرف روما کے ان سات اساقفہ کو جو کارڈنل کے لقب سے مُلقب ہوتے ہیں،پوپ کو نامزد کرنے کا حق حاصل ہوگا اور روما کے پادریوں کو لازم ہوگا کہ اُسی شخص کو قبول کرکے اسی کا انتخاب کیا کریں۔ عام لوگوں کو انتخاب میں کچھ دخل نہ ہوگا البتہ اس منتخب شدہ پوپ کی نسبت شہنشاہ کو غالباً توثیق کا حق حاصل ہوگا مگر استرداد کا حق نہیں ہوگا۔

کارڈنل

"کارڈنل،، ایک خطاب تھا جو روما اور اُس کے قرب وجوار کے بہت ہی قدیم واہم کلیساؤں کے پادریوں کو دیا جاتا تھا، خود روما کے تمام کلیسا، روما کے استقف کے ماتحت تھے اور اُنکے کارفرما پرسبیٹر اور ڈیکن کہلاتے تھے۔ انہیں میں کارڈنل پرسبیٹر اور کارڈنل ڈیکن وہ لوگ تھے جو بڑے کلیساؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ سات کارڈنل اساقفہ ایسے تھے

جو اسقف روما کی مجلس شوریٰ کا کام دیتے تھے اور اُس کی عدم موجودگی میں جب وہ شہر سے کہیں باہر ہو اُس کے حدود اسقفی کے تمام معاملات کے یہی سات شخص ذمہ دار ہوتے تھے اور نیز اس کے اہم فرایض منصبی میں اُس کے مُعین و مددگار ہوتے تھے۔اب انہیں سات شخصوں کے اندر پوپ کے منتخب کرنے کا حق محدود کردیا گیا۔ یہ لوگ پالسٹرینہ، پورٹو، اوسٹیا، ٹسکیولم، کانڈیداسلو، البینو، سابینو کے اساقفہ تھے۔ کارڈنلوں کے حلقۂ انتخاب کے قائم ہونے کی ابتدا یہیں سے ہوی۔ یہ فرمان انتخاب اس کارنامہ کا زرّین ورق تھا جس نے پوپ کو ملکی حکمرانوں کے اقتدار سے آزاد کردیا۔

جرمنی میں یہ فرمان اسوجہ سے نامنظور ہوا کہ اس میں شہنشاہ کے حقوق تسلیم نہیں کئے گئے تھے۔فی الحقیقت جرمنی کے اساقفہ کی ایک مجلس نے نقولاس کو معزول کردیا اور اُس کے انتقال کے بعد پاپائے روما کے مقابلہ میں ایک دوسرے شخص کو پوپ منتخب کرلیا۔ ملکہ ایگنس کمسن بادشاہ کی متولیہ مقرر ہوئی تھی لیکن اُس میں انتظامِ ملک کی لیاقت نہ تھی، انجام یہ ہوا کہ لوگ بادشاہ کو بھگا لے گئے اور کولون کا اسقف اعظم متولّی مقرر ہوگیا۔ اب حکومت نے نئے پوپ الگزنڈر دوم سے زیادہ مصالحت آمیز برتاؤ شروع کیا اور بالآخر اس کا پوپ ہونا تسلیم کرلیا۔

ہنری چہارم ۱۰۶۵ء میں ہنری چہارم کے رُشد و بلوغ کا اعلان ہوا اور اُس نے عنانِ سلطنت خود اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ ایک مستثنیٰ قابلیت کا شخص تھا اور اگر اُس کی تربیت اچھی ہوئی ہوتی اور اس میں اخلاقی استقامت موجود ہوتی تو اُسکی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی، لیکن جس مرتبہ پر وہ تھا اُس کی قدر اُس نے کماحقہٗ نہ جانی۔ اُسے اصلاح کا مطلق خیال نہ تھا۔ وہ اپنا وقت شکار کھیلنے اور عورتوں کی صحبت میں ضایع کیا کرتا تھا اور اُن عورتوں پر زر پاشی کرنے کے لئے کلیساؤں کو لوٹتا اور ملکی عہدوں کو فروخت کیا کرتا تھا۔ وہ ایک تحکم پسند و متکبر شخص تھا اور بڑے درجوں کے ڈیوک بہت جلد اُس سے کنارہ کش ہو گئے۔ سیکسنی اُس کے اطوار ناشائستہ سے سخت آزردہ ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو گئی۔ آخر کار ۱۰۶۹ء میں جب اُس نے اپنی ملکہ کو طلاق دینی چاہی تو بہت ہی نازک حالت پیدا ہو گئی۔ "ڈائٹ" نے اس امر کی منظوری دینے سے انکار کر دیا، اور الگزینڈر دوم کے پاس اُس کی باقاعدہ شکایت کی گئی۔ پوپ نے اُس کی مجلس شوریٰ کے ارکان کو خارج از ملت کر دیا اور خود اُسے روما میں حاضر ہونے کا حکم دیا، لیکن اُس کے تھوڑے ہی دنوں بعد پوپ کے مرجانے سے کچھ دنوں کے لئے اس نزاع کا خاتمہ ہو گیا۔

ہلڈبرانڈ جو کئی پاپاؤں کے عہد میں تخت کے پسِ پردہ

اصلی طاقت تھا اب خود پوپ بنا دیا گیا اور ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی خواہش سے ایسا ہوا۔ بظاہر نقولاس کے فرمان انتخاب کا اس اعتبار سے لحاظ نہیں کیا گیا کہ امیدوار پوپ کی نامزدگی کارڈنل اساقفہ کیطرف سے ہونا چاہئے تھی مگر یہاں عام لوگوں نے ہلڈبرانڈ کو اپنے اسقف بنائے جانے کا مطالبہ کیا اور روما کے پادریوں نے اُسے پوپ منتخب کر دیا۔ بعد انتخاب اُس نے گریگوری ہفتم کا خطاب اختیار کیا۔ ہلڈبرانڈ کو شخصی طور پر کچھ زیادہ حرص و ہوس نہیں تھی بلکہ پوپ ہونے کی حیثیت سے اس عہدہ کی نسبت اُس کی

گریگوری ہفتم
۱۰۷۳ء تا ۱۰۸۵ء

جو رائے تھی اُسی پر اس کے تمام کام بنی تھے۔ وہ کوئی مذہبی عالم نہیں تھا بلکہ ایک مرتبہ تو ایک دوست کی مداخلت میں قریب تھا کہ اُس پر لامذہبی تک کا الزام لگ جائے وہ معاملات کو عملی نظر سے دیکھنے والا شخص تھا اور اپنے مقدس عہدہ کی بڑی خدمت اُس نے یہی کی کہ اُس کے دنیاوی مفاد کا بہت خیال رکھا۔ وہ معاملات ملکی کا ایک ماہر و مدبر شخص تھا۔ جو کام کسی طرح نکل نہ سکتا ہو وہ اُسے تدبیر یا بزعم و عدہ و وعید سے نکال لیتا تھا۔ اگر وہ دیکھتا کہ بے دینوں اور لامذہبوں سے اس کا کام نکل سکتا ہے تو وہ اُن سے کام لینے میں بھی دریغ نہ کرتا۔ اقتدارات پوپ کے ہر مسئلہ میں وہ رعایت و مصالحت کرنے

کے لئے آمادہ رہتا تھا۔

اس زمانہ تک شہنشاہی کو روئے زمین پر خدا کی سلطنت اور شہنشاہ کو اس سلطنت کا سرگروہ سمجھا کرتے تھے۔ گریگوری نے اس خیال کے باطل ہونے کا اعلان کردیا۔ شہنشاہی اس لئے خدا کی سلطنت نہیں ہوسکتی کہ

خدا کی سلطنت کونسی ہے شہنشاہی یا کلیسا؟

اُس کی بنا قہر و غلبہ پر ہے برخلاف ازیں کلیسا کی بنا محض حق پر ہے جس سے کبھی خطاسرزد نہیں ہوسکتی۔ غرض گریگوری کی اصل حجت یہ تھی کہ کلیسا خدا کی سلطنت ہے اور پوپ جو کہ رئیس کلیسا ہے اسے تمام دنیا پر اختیار مطلق حاصل ہے۔

گریگوری کی عملی ذہانت نے اُس کو سمجھا دیا کہ کلیسا ایک متحد جماعت ہونی چاہئے جسکا نظم و نسق پوری طرح مکمل ہو اور وہ تمام و کمال پوپ کے ماتحت ہو۔

کلیسا کے لئے ایک مرکزی قوت کی ضرورت

کلیسا کا اتحاد اگر حاصل ہوسکتا تھا تو اسی طرح کہ تمام قوتوں کا مرکز ایک ہی شخص واحد ہو۔ کلیسا بس ایک ہی رائے کا تابع ہو جائے۔ یہ امر اسی صورت میں ممکن تھا کہ ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی طریق عبادت ہر جگہ جاری ہو جائے اور تمام پادری براہ راست رئیس کلیسا یعنی اسقف روما کے تابع فرمان ہو جائیں۔ اسی بنا پر اُس نے

تمام اسقفوں سے اس امر کی خواہش کی کہ سب اُس کی

اساقفہ پوپ کی وفاشعاری کا حلف اٹھاتے ہیں

وفاشعاری کا ویسا ہی حلف اٹھائیں جیسے ماتحت امرا اپنے آقا کی فرمان برداری کا حلف اٹھاتے ہیں۔ اُس نے پادریوں کو آزادانہ حق اس امر کا عطا کیا کہ وہ بذات خاص اسی کے پاس مرافعہ کیا کریں، اور اس حق کے کام میں لانے کی انھیں جرأت بھی دلائی۔ اُس سے لامحالہ اساقفہ کے اقتدارات کم اور خود اس کے اختیارات زیادہ ہو گئے۔ کلیساؤں کی مجلس عالیہ کے اختیارات اُس نے

مرافعہ

اِس طریق پر لے لئے کہ ہر مسئلہ کا فیصلہ یا وہ بذات خود کیا کرے گا یا اُس کے وکلا فیصلہ کرینگے۔ اُس کے عہد حکومت میں اُس کے وکلا وہی کام کرتے تھے جو کارل اعظم کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ جس سلطنت میں وہ بھیجے

وکلائے پوپ

جائیں وہاں کے تمام معاملات کی نگرانی پوپ کی جانب سے انجام دیں، کلیسا کی مجالس عالیہ کے کاموں کو اپنے زیر اثر رکھیں اور تمام ممالک کو پوپ کے ساتھ وابستہ کر دیں۔ یہ لوگ گویا اُسکے دست و پا تھے۔ اُس نے اس اعلان کے ساتھ مجلس شوریٰ کو قطعاً اپنے تابع کر لیا کہ وہ مجلس شوریٰ کے بغیر ہر ایک کام کر سکتا ہے مگر مجلس کا کوئی کام اُس کی منظوری کے بغیر بکار آمد

نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ کے چند اہل قلم بھی جو قوانین کلیسا پر خامہ فرسائی کیا کرتے تھے اس امر میں پوپ کے طرفدار ہوگئے۔ اُن اشخاص کا اصول مسلمہ یہ تھا کہ پوپ کو اقتدار مطلق حاصل ہے۔ اور انہوں نے گریگوری کے خیالات کے موافق قانون کلیسا کی اشاعت و ترقی میں پوپ کے فتووں کو مجلس شوری کے احکام سے زیادہ موثق و مستند قرار دیا تھا۔

گریگوری ہفتم اور حکام دنیاوی

گریگوری نے ابتدا ہی سے اپنے خیال پر عمل شروع کردیا تھا۔ ۱۰۷۳ء میں اُس نے حکمرانانِ اندلس کو لکھا تھا کہ زمانہ قدیم سے سلطنت اندلس سینٹ پیٹر کے حدود حکومت میں داخل رہی ہے اور اگرچہ وحشی قوموں نے اس ملک پر قبضہ کرلیا تھا مگر کسی وقت بھی اس کا تعلق روما کے اسقف سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ ۱۰۷۴ء میں اُس نے سالومن شاہ ہنگری کے نام ایک خط میں اس بنا پر اس ملک کا دعویٰ کیا کہ بادشاہ اسٹیفن نے یہ ملک سینٹ پیٹر کو دیدیا تھا اور حقیقتاً اپنے قبضہ سے نکال کر اُس کیطرف منتقل کردیا تھا۔ اسی قسم کے دعوے اُس نے روس، پراونس، بوہیمیا، سارڈینا کارسیکا اور سیکسنی کے اقتدار کے متعلق بھی کئے۔ اُس نے امیر دلماتیا کو اپنا ماتحت بناکر اُسے خطاب شاہی سے سرفراز کیا۔ فرانس کی نسبت وہ کہتا تھا کہ اُس پر ایک معینہ خراج ادا کرنا لازمی ہے۔ اُس نے ڈنمارک پر بھی

دعویٰ کیا مگر وہاں کے بادشاہ نے کامیابی سے اُس کی
مزاحمت کی۔ ولیم فاتح سے وہ اس امر کا متمنّی تھا کہ
ملکِ انگلستان کو اُس کے توابع میں شمار کرے۔ ولیم نے اُس کی
سیادتِ علیا کے تسلیم کرنے سے تو انکار کردیا لیکن انگلستان
سے پیٹر کی مقررہ رقم دینے پر راضی ہوگیا۔

روما کی ایک مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۰۷۵ء میں گریگوری نے
پادریوں کے لئے شادی کرنے کی بھی ممانعت کردی اور اسکے
ساتھ اوقاف مذہبی کی خرید و فروخت کو خواہ کسی صورت
میں ہو ناجائز قرار دیدیا۔ اُس نے ہر ایک اسقف اور رئیس
خانقاہ کو یہ دھمکی دی کہ اگر وہ کسی دنیاوی شخص کے ہاتھ سے
اپنا منصب قبول کرینگے تو وہ خارج از ملّت سمجھے جائیں گے،
نیز ہر ایک شہنشاہ بادشاہ یا کوئی اور دنیاوی فرمانروا
شہنشاہ ہو یا بادشاہ، جو اس قسم کے عہدوں پر کسی کو
نصب کرے گا وہ بھی خارج از ملّت قرار دیا جائے گا۔

جرمنی سے نزاع

تمام فرمانرواؤں اور خاص کر شہنشاہ
پر یہ ایک بہت ہی بڑا حملہ تھا کیونکہ
جرمنی کے پادری شہنشاہ کے خاص معاونین میں سے تھے
اور اُن کی بڑی بڑی جاگیریں تھیں اگر پوپ اس مقصد کے
پورا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو شہنشاہی کی ساری قوت
خاک میں ملگئی ہوتی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ہنری کو اُس نے (دسمبر ۱۰۷۵ء میں)

حکم دیا کہ روما میں حاضر ہوکر اس امر کی جواب دہی کرے کہ گریگوری نے جن بعض اشخاص کو خارج از ملت قرار دیدیا ہے اُنھیں وہ اپنے دربار میں کیوں رکھتا ہے اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی دھمکی دی کہ اگر آنے سے انکار کرے گا تو وہ خود بھی اُسی لعنت کا مستوجب قرار دیدیا جائیگا ہنری نے پوپ کے اس فعل کو اعلانِ جنگ کے مثل سمجھا اور خود سرانہ جواب دیا۔ وارمز کی مجلس شوریٰ میں ہنری نے پوپ پر یہ الزام لگایا کہ اُس نے خلاف ضابطہ انتخاب کرلیا ہے اور اُسے معزول قرار دیا۔

پوپ کے طرفدار

اب جنگ چھڑ گئی۔ گریگوری یہ اعتماد کرسکتا تھا کہ جنوب اٹلی کے نارمن، لمبارڈی کی جماعت عامہ، ٹسکنی کی ملکہ مٹلڈا، سیکسن، جرمنی کے بددل اُمرا، فرقہ کلونیاک کے لوگ جو اُس زمانہ میں تمام شہنشاہی کے اندر روز بروز ترقی کرتے جارہے تھے یہ سب اسکے طرفداروں میں ہونگے۔

ہنری کے طرفدار

ہنری کے طرفداروں میں اُس کی وفادار رعایا کا وہ گروہ کثیر تھا جس پر پوپ کے استقلال کا کچھ اثر نہیں پڑا تھا علاوہ ازین پادریوں کا ایک بڑا گروہ جن کے دل میں حُبِّ وطن بھری ہوی تھی لیکن جو اوقاف کی خرید و فروخت کرنے کے الزام سے غالباً بری نہ تھے، نیز اطالیہ کی شہنشاہی جماعت یہ سب کے سب اُس کے ہوا خواہ تھے۔

گریگوری کی معزولی کی نسبت ہنری کا (جنوری ۱۰۷۶ء والا) خط بہت ہی دلیرانہ و گستاخانہ تھا۔ اُس نے یہ لکھا تھا کہ اُس نے گریگوری کی بداطواریوں کا بہت تحمّل کیا کیونکہ وہ چاہتا تھا

الزامات اور رفع الزامات

کہ کرسی امامت کی عزت باقی رہ جائے، لیکن گریگوری نے سمجھا کہ وہ اس سے ڈرتا ہے۔ اسی بنا پر اُس نے یہ جُرأت کی کہ ہنری کو انتزاع سلطنت کی دھمکی دی گویا یہ سلطنت خدا کی دی ہوئی نہیں بلکہ گریگوری کی دی ہوی ہے۔ ہنری کو یہ عہدۂ فرمانروائی حضرت مسیح کی طرف سے ملا ہے مگر گریگوری نے پوپ کا منصب بغیر مرضی خدا کے حاصل کیا ہے۔ جن ذریعوں سے وہ اس منصب پر پہنچا ہے وہ چالاکی، رشوت دہی، جبر و تعدی عوام الناس کی ہمدردی اور زیادتی ہے۔ درانحالیکہ وہ امن کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے مگر اُس نے خود امن میں خلل ڈالدیا ہے۔ اُس نے بادشاہ پر جو خدا کا مقرر کردہ ہے، حملہ کیا، حالانکہ تمام اولیائے کرام کی تعلیمات کے موافق خدا کے سوا نہ کوئی بادشاہ کو معزول کرسکتا ہے نہ اس سے باز پرس کرسکتا ہے۔ کلیسا نے آج تک کسی بادشاہ یہان تک کہ جولین کے سے مرتد و بےدین شخص کو بھی معزول نہیں کیا اور یہی مناسب سمجھا کہ اس کے معاملہ کو خدا کے فیصلہ پر چھوڑ دے۔ سنٹ پیٹر جو کہ اصلی و حقیقی پوپ تھا وہ سب کو حکم دے گیا ہے کہ خدا سے ڈرتے رہیں اور بادشاہ کی تعظیم و تکریم کریں

لیکن گریگوری کو مطلق خدا کا خوف نہیں ہے۔ لہذا اب اُسے لازم ہے کہ سینٹ پیٹر کی کرسی کو خالی کردے۔ ہنری اور اُس کے یہاں کے اساقفہ گریگوری پر لعنت کا اعلان کرتے ہیں۔ پس اب پوپ کی کرسی پر کسی اور کو بیٹھنا چاہئے جو اپنے مظالم کو دین کی عبا کی اندر نہ چھپائے۔ ہنری باتفاق اپنے اساقفہ کے گریگوری کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کرسی کو فوراً خالی کردے۔

گریگوری کا (فروری ۱۰۷۶ء کا) جواب بھی ایسا ہی متکبرانہ و پر زور تھا۔ وہ پیٹر اور پال اور تمام اولیائے کرام کو گواہ قرار دیتا ہے، کہ رومن کلیسا نے پوپ کا منصب بزور اُسے دیا ہے، اُس نے اپنی خوشی سے اس عہدے کو قبول نہیں کیا ہے۔ یہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ تمام عالم عیسوی اُس کی حفاظت میں دیدیا گیا ہے۔ چونکہ ہنری نے اپنے ناگفتہ بہ غرور میں کلیسا سے بغاوت کی اس لئے پوپ، سینٹ پیٹر اور خدا کی مدد پر بھروسہ کرکے ہنری کو معزول کرتا ہے، اس کی تمام رعایا کو اُس کی اطاعت سے بری کئے دیتا ہے، اور چونکہ ہنری کو اپنے دعوٰی پر اور پوپ کی نافرمانی کرنے پر اصرار ہے اس لئے پوپ اُسے ملت سے بھی خارج قرار دیتا ہے۔ اُسے امید ہے کہ سینٹ پیٹر کی توجہ سے پوپ کی لعنت اُس پر (ہنری) پھٹ پڑیگی تاکہ تمام دنیا کو معلوم ہو جائے کہ پیٹر ایک ایسا بنیادی پتھر

ہے جس پر کلیسا کی بنا قائم ہے اور دوزخ کے دروازے بھی اس پتھر کے سامنے کچھ کام نہیں آسکتے۔ اس قسم کی باتوں کا گریگوری کی زبان سے نکلنا درحقیقت ایک نئی بات تھی، آج تک نہ کسی پوپ نے ایسے دعوے کئے تھے نہ شہنشاہ سے کبھی ایسی زبان درازی کی تھی۔ اب پہلی مرتبہ علانیہ یہ دعوی کیا گیا ہے کہ شہنشاہی بھی کلیسا کے توابع میں ہے۔

پوپ کی اس کارروائی سے اُمرائے جرمنی کو یہ جرأت ہوگئی کہ مقام ٹریبر میں (بماہ اکتوبر ۱۰۷۶ء) انھوں نے ایک مجلس منعقد کی اور اس میں بادشاہ کو شرکت کی اجازت نہ دی۔ اس مجلس نے کچھ شرائط پیش کئے جو اقرار نامہ اوپن ہیم کے نام سے مشہور ہیں اور ہنری کو کچھ پس وپیش کے بعد آخر اُسے قبول کرنا پڑا۔ اُس نے یہ اقرار کیا کہ وہ مقام اسپیر میں ٹھہرا رہے گا اور سال آئندہ کی فروری کے قبل ہی قبل پوپ سے صلح کرلے گا، تمام شاہی امتیازات کو ترک کردیگا گویا بادشاہی سے دست بردار ہو جائے گا اور فروری ۱۰۷۷ء

ہنری چہارم کی معزولی

میں مقام آگسبرگ میں اس کونسل کے سامنے حاضر ہوگا جس کا صدر پوپ ہوگا۔ اس سے بڑھکر گریگوری کی خوشی کی کوئی بات نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ جرمنی میں جاکر وہاں کی قومی کونسل کا صدر ہو اور بادشاہ کے الزامات کی سماعت کرے لیکن ہنری کو کسی طرح یہ منظور نہ تھا کہ ایسا ہوسکے گریگوری

درحقیقت جرمنی میں جانے کے ارادے سے روانہ ہوگیا لیکن لمبارڈی سے گزرنے کے لئے ابھی بدرقہ کے انتظار ہی میں تھا کہ یہ خبر سنکر گھبرا گیا کہ ہنری ، اسپییر سے بھاگ نکلا اور اس کڑاکے کے جاڑون میں کوہ آلپس کے پار اتر کر لمبارڈی میں پہنچ گیا ہے، جہاں لوگوں نے بہت ہی محبت سے اُسکا خیر مقدم کیا ہے۔ گریگوری اس وہم میں پڑ گیا تھا کہ نہ معلوم ہنری صلح کے ارادہ سے آیا ہے یا جنگ کی نیّت سے؟ اس لئے وہ قلعہ کینوسا میں ٹھہر گیا کہ دیکھیے کیا ظہور میں آتا ہے۔

قلعہ کینوسا ہنری نے اپنے دوستوں کے ذریعہ سے فوراً اُسے اطلاع دی کہ وہ صلح کرنے اور معافی مانگنے کے لئے آیا ہے۔ پوپ نے ملاقات کرنے سے انکار کردیا اور کہلا بھیجا کہ وہ جرمنی میں واپس چلا جائے اور اس اقرار نامہ کے مطابق جو اُس نے اپنے اُمرا کے ساتھ کیا ہے مقام آگسبرگ میں حاضر ہو۔ لیکن آخر بہت ہی عجز و الحاح کے بعد پوپ نے اُس کی بات مان لی، اپنے پاس آنیکی اجازت بھی دی اور لعنت سے بھی اُسے پاک کردیا۔

ہنری نے گریگوری کو چکما دیا ہنری کو خفّت تو بے انتہا اٹھانی پڑی لیکن وہ اپنا کام کر گزرا اخراج عَنِ المِلّت کی لعنت سے اُسے آزادی ملگئی اور اسطرح اُس نے اپنی بدخواہ رعیت کو اپنے خلاف ہر قسم کی قانونی حجت سے محروم کردیا۔ گریگوری کی سب سے بڑی فتح یہ ہوتی

کہ وہ جرمنی میں جاکر قومی مجلس کی صدارت کرتا۔ اس سے بھی اُسے باز رکھا۔ اُس کے مقابلہ میں گریگوری نے اپنی قوت وشوکت کا اظہار اس طرح کیا کہ شہنشاہ کو عذر خواہوں کی طرح اپنے دروازہ پر کھڑا رکھا۔ شہنشاہ سے اس ذلت کا اثر اگرچہ پوری طرح کبھی رفع نہیں ہوا لیکن حقیقت میں پوپ کا نشانہ بھی خطا کر گیا۔ لوگ اُس کو ضرورت سے زیادہ سخت گیر و بے رحم سمجھنے لگے۔ اگرچہ اس وقت دنیا یہی سمجھی کہ پوپ کو فتح حاصل ہو گئی لیکن حقیقت میں فتح ہنری کو حاصل ہوئی کیونکہ اسی وقت سے ہنری کی طاقت بڑھنے اور گریگوری کی طاقت گھٹنے لگی۔

یہ بات بہت جلد کھل گئی کہ ہنری اپنی عذر خواہی اور عہد و پیمان میں راستباز نہیں تھا کینیوسا کی طرف جب وہ آرہا تھا تو راستہ ہی میں وہ گریگوری کے خلاف سازشیں کرتا ہوا آیا اور جرمنی میں پہنچتے ہی اُس نے اندفاع کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اُس کے معاندین خاصکر "سیکسن" اور "سوابین" برابر اُس کی مخالفت کرتے رہے۔ یہ لڑائی برسوں ہوتی رہی اس اثنا میں پوپ نے پھر ہنری سے قطع تعلق کر کے اسے ملعون قرار دیدیا اور دو بادشاہ بھی اُس کے مقابلہ میں بنائے گئے مگر آخر کار قسمت نے یاوری کی اور جرمنی میں ہنری فتحیاب ہو گیا۔ اب اُس نے ایک شخص کو پوپ کا منصب عطا کر کے گریگوری کو معزول کرنے کے لئے اٹلی پر فوج کشی کر دی۔ تین برس کے جدال و قتال کے بعد وہ روما پر

گریگوری ہفتم کو روما سے بھاگنا پڑا اور اس کا انتقال ہوگیا ۱۰۸۵ء

قابض ہوگیا اپنی اور اپنی ملکہ کی تاجپوشی کی رسم ادا کی اور گریگوری کو قلعہ سان انجیلو میں محصور کرلیا۔ گریگوری نے اس دوران میں اپنے ایک بڑے ہوا خواہ رابرٹ گسکارڈ کو کمک پر طلب کیا تھا وہ اب ایک لشکر جرّار لئے ہوئے آپڑا، ہنری کو روما سے نکال دیا، پوپ کو بچا لیا، اور اپنی نارمن فوج کو شہر کے لوٹنے کی اجازت دیدی۔ اس ظلم کو دیکھکر تمام لوگ اسدرجہ برہم ہوئے کہ گریگوری کا اب شہر میں ٹھہرنا مشکل ہوگیا۔ وہ انہیں نارمنوں کو ساتھ لئے ہوئے جنوب کیطرف نکل گیا اور ۱۰۸۵ء میں سلرنو میں انتقال کرگیا۔

گریگوری ہفتم کیا کیا کام کرگیا

گریگوری نے دعوے بہت بڑے بڑے کئے مگر اُن کو نباہ نہ سکا۔ اُس نے ولیم فاتح اور فلپ اوّل (شاہ فرانس) کے ساتھ مراعات کا اظہار کیا اور ان دو نوں کو بدستور پادریوں کے نصب کرنے کے حقوق حاصل رہے۔ ہنری چہارم نے اکثر اعتبار سے اس کے خلاف اپنے دعاوی کو قائم رکھا اندلس میں گریگوری کے سفیروں سے بدسلوکی کی گئی اور وہ خود بھی غریب الوطنی کی حالت میں دنیا سے چل بسا مگر اس طریقہ کی بنا اُسی نے ڈالی کہ تمام ممالک یورپ میں پوپ کیطرف سے وکیل بھیجے جانے لگے۔ اُس نے

مجلس شوریٰ کے اقتدار پر اپنے اقتدار کو مقدم رکھا۔ عام پادریوں کو یہ اختیار دیئے کہ وہ پوپ کے پاس مرافعہ کیا کریں، اُس نے اساقفہ کی خود مختاری کو توڑ دیا۔ اُس نے پادریوں کا مجرد رہنا لوازم مذہبی سے قرار دیا۔ اسی نے کارڈنلوں کا حلقۂ انتخاب قائم کرکے اقتدارت پوپ کو دنیاوی مداخلت سے خواہ شہنشاہ کی ہو خواہ اہل روما کی، آزاد کر دیا۔ مختصر یہ کہ پوپ کے دعویٰ اختیار مطلق کو اُس نے، منضبط کر دیا اور زمانۂ آیندہ کے لئے اُس کی ایک روش معیّن کر دی۔

اربن دوّم اربن دوم (۱۰۸۷-۱۰۹۹) نے لڑائی جاری رکھی اور اچھے نتائج حاصل کئے۔ اُس نے بویریا کو اپنے ساتھ شریک کرلیا اور لمبارڈی کو ہنری سے جدا ہو جانے پر آمادہ کیا۔ خود ہنری کے بیٹے کونارڈ نے اپنے باپ سے دغا کی، اور پوپ کے فریق سے ملگیا اور اس فریب و دغا کے حیلے میں یہ لمبارڈی کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ ۱۰۹۴ء میں اربن دوم نے اٹلی اور فرانس میں فاتحانہ شان سے سفر کرکے اپنی فتح کا جشن منایا۔ آخر عمر میں ہنری چہارم کی زندگی کو اس کے دوسرے بیٹے ہنری کی بغاوت نے تلخ کر دیا۔ اُسنے لڑلڑا کر باپ کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا لیکن تخت پر بیٹھتے ہی ہنری پنجم (۱۱۰۶-۱۱۲۵) نے پوپ کے فریق سے قطع تعلق کر لیا۔ اپنے باپ کے مشیروں کو اور باپ کی حکمت عملی کو اپنا مقصود قرار دیکر پوپ سے فساد و نزاع

پھر تازہ کردی۔ کتنی ہی دفعہ اتفاق باہمی کی کوششیں کی گئیں مگر آخر یہ مرحلہ (سنہ ۱۱۲۲ء) کانکارڈیٹ (صلح) وارمز سے طے ہوا۔ اس صلح کے شرائط حسب ذیل قرار پائے شہنشاہ

وارمز کی کانکارڈیٹ (صلح)

نے یہ روا رکھا کہ پادریوں کو اختیار روحانی پوپ کیطرف سے عطا ہوا کرے جس کی علامت انگشتری و عصا ہو۔ دوسری طرف یہ قرار پایا کہ تمام اساقفہ اور روسائے خانقاہ قانوناً شہنشاہ یا اس کے نمائندوں کی حضوری میں منتخب کئے جایا کریں لیکن اختلاف کی صورت میں فیصلہ شہنشاہ کرے۔ پادریوں کو جاگیر دینا اور ملکی و عدالتی عہدوں پر فائز کرنا شہنشاہ سے متعلق ہو۔ اُس کی علامت وہ شاہی عصا تھا جیسا عام جاگیرداروں اور دنیاوی حاکموں کے پاس ہوا کرتا تھا۔

ہنری پنجم نے مشرقی سرحد کی وحشی قوموں کی نسبت آٹو اعظم کی حکمت علی کو پھر تازہ کیا کہ بیمبرگ کے اسقف آٹو کو تبلیغ دین کی ہمت دلائی جس کے جوش مساعی نے پومرینیا کی قوم سلیوز کو عیسائی کرکے جرمنوں کے ساتھ ملا دیا۔ اُمرا کی جو مخالفت اُس کے ساتھ تھی وہ اس امر کی طرف منجر ہوئی کہ اُس نے جرمنی کے شہروں کو جنکی قوت و دولت برابر بڑھتی جاتی تھی اپنا طرفدار بنا لیا تاکہ اُن کو اُمرا کے مقابلہ میں کھڑا کردے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل شہر کی قوت و ہمت کو مبہم طور پر اُس نے سمجھ لیا تھا

اور اسی لئے اُن لوگوں کے متفق کرنے میں اہتمام بلیغ سے کام لیا۔ ہنری پنجم کے مرنے کے بعد اُس کی جانشینی کے لئے امیر سیکسنی لوتھر کا انتخاب ہوا۔ اُسکے منتخب ہونے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اُس نے پوپ کے طرفداروں کے خاطر خواہ شرائط منظور کرلئے تھے اور اسبات کا اقرار کرلیا تھا کہ اپنے عہد دولت میں منافع کلیسا کا لحاظ رکھے گا۔ بلکہ اُس نے پوپ سے یہ بھی درخواست کی کہ وہ اس کے انتخاب کی تصدیق کردے۔

لوتھر سیکسنی۹ ۱۱۲۵-۱۱۳۸

سنہ ۱۱۳۰ء میں دو دو پوپ منتخب ہو گئے، جس سے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ منصب ہی درہم برہم نہ ہو جائے ان دونوں منتخب شدہ اشخاص میں سے اننوسنٹ دوم (۱۱۳۰-۱۱۴۳) فرانس پہنچا جہاں اُس نے خانقاہ کلیرواکس کے رئیس برنارڈ کی (جو یورپ بھر میں بڑا ہی ذی اثر شخص تھا) حمایت حاصل کرلی۔ برنارڈ ہی کے اثر سے فرانس و جرمنی دونوں ملکوں کے بادشاہ اننوسنٹ کے معین و مددگار ہو گئے۔ بلکہ لوتھر (شاہ جرمنی) نے تو اٹلی میں آکر بزور شمشیر شہر روما میں اننوسنٹ کے قدم جما دئے۔ اننوسنٹ نے اُس کے صلے میں لوتھر کو تاج شہنشاہی سے سرفراز کیا اور حکومت ٹسکنی کا خلعت بھی اُسے عطا کیا۔ اس فوجی جاگیر کے قبول کرلینے سے لوتھر بھی پوپ کی جاگیردار رعایا میں داخل ہوگیا۔

لوتھر اور اننوسنٹ دوم

اب پوپ کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شہنشاہ پر جو فتح اُسکو حاصل ہوئی ہے اُس کو جہاں تک ہوسکے عظیم الشان کرکے دکھائے۔ چنانچہ لوتھر کی طبیعت کو اطاعت و انقیاد کی طرف مائل دیکھکر پوپ نے ایک تصویر بنوائی جسمیں شہنشاہ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ہے اور پوپ کے ہاتھ سے تاج شہنشاہی لے رہا ہے۔ مقصود یہ تھا کہ اس تصویر سے یہ ظاہر ہو کہ شہنشاہ کا تاجِ شہنشاہی پوپ کا عطا کیا ہوا ہے۔

انوسنٹ کے مخالف پوپ، اناکلیٹ دوم کی اعانت پر روجر دوم (امیر سسلی) اس شرط سے آمادہ ہوگیا کہ اُسے سسلی کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ روما پر انوسنٹ کے قابض

سسلی میں قیام بادشاہت (۱۱۳۰)
لوتھر کا اسے تسلیم کرلینا (۱۱۳۹)

ہو جانے کے بعد بھی روجر اُس کی مخالفت کرتا رہا۔ اس مہم کے سر کرنے کے لئے انوسنٹ نے لوتھر کو طلب کیا لیکن لوتھر کی جنگ کا انجام بہت برا ہوا اور انوسنٹ کو مجبور ہوکر روجر سے صلح کرکے اُس کی بادشاہی کو تسلیم کرلینا پڑا۔

کونارڈ سوم
۱۱۳۸-۱۱۵۲

لوتھر کے مرنے کے بعد ہوہنسٹافن کے خاندان میں سے کونارڈ سراسر خلاف قاعدہ اسکی جانشینی کے لئے منتخب ہوگیا۔ لیکن وہ اس قابل نہ تھا کہ ملک کو سنبھال سکے۔ درانحالیکہ ملک میں بے انتظامی

پھیل رہی تھی اس پر بھی وہ جنگ صلیبی میں جانے کو
آمادہ ہوگیا۔ اُس کی غیبت میں ملک کے اندر ظلم، خانہ جنگی،
سیاسی تفرقہ اندازی اور بھی زیادہ ہوگئی۔ ۱۱۴۹ء میں وہ
جنگ سے پھرا اور اس عہد کی پریشانیوں پر یہ اضافہ
کیا کہ امیر سیکسنی، ہنری (شیر دل) سے جو نہایت مقتدر
تابعان شاہی میں تھا جنگ چھیڑ دی۔ غرض اس کے عہد حکومت
کا خاتمہ بہت بری طرح ہوا۔

فریڈرک اول

اس کے بعد اِس کا بھتیجا فریڈرک اول جو
باربروسا کے نام سے مشہور ہے شاہی
کے لئے منتخب ہوا (۱۱۵۲-۱۱۹۰) چونکہ یہ بادشاہ بویریا
اور سویبیا دونوں خاندانوں سے تعلق رکھتا تھا جن میں آپسمیں
عداوت چلی آتی تھی، اور جو گلف (حامیان پوپ Guelf)
اور گبیلین (حامیانِ شہنشاہ Ghibelline) کہلاتے تھے،
اس سبب سے لوگوں کا خیال تھا کہ ان دونوں خاندانوں
کی عداوت و نزاع اُس کی وجہ سے رفع ہو جائے گی۔
لیکن اگر وہ اس دشمنی کو رفع نہ کرسکا تو اس میں اسکا کچھ
قصور نہ تھا۔ وہ ہر طرح پر یہ چاہتا تھا کہ اپنے مخالفوں
سے موافقت کرلے۔ چنانچہ ہنری (شیر دل) کو اُس نے
بویریا کا ملک واپس کردیا۔ اور دوسرے طریقوں سے بھی
اُس کے ساتھ مراعات کی اور حقیقت یہ ہے کہ ہنری کیلئے
شکایت کا کوئی پہلو نہ چھوڑا سوا اِس کے کہ بادشاہی

فریڈرک کے دو مسلک سیاسی اس کو نہ ملسکی۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امور سیاسی میں فریڈرک کے دو مسلک تھے ایک بادشاہ جرمنی ہونے کی حیثیت سے، دوسرے تمام عالم کا شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے، وہ چاہتا تھا کہ تمام ملک کا انتظام یکساں کرکے اور ظلم و تعدّی کا استیصال کرکے جرمنی کو ایک متحدہ سلطنت بنادے۔ شہنشاہ کی حیثیت سے اُس کا صرف یہ ایک مُنتہائے خیال تھا کہ اہل روما کی سی قدیم شہنشاہی پھر قائم کردے۔ روما کے سلاطین عُظّام کو وہ اپنی فرمانروائی کا نمونہ سمجھتا تھا۔ گیارہویں صدی میں قوانین روما کا مطالعہ پھر رواج پانے لگا اور فریڈرک اسے خود اپنے کام میں لانے لگا۔ اس نے اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو جمع کیا تھا جو جسٹینین کے مسودات میں مہارت رکھتے تھے اور انھیں کی صحبت میں فریڈرک میں وہ خیالات پیدا ہوگئے جنکو اُس نے اپنی شہنشاہی میں عمل میں لانیکی کوشش کی۔ ان مُقنّنوں کے دلوں پر اہل روما کے مطلق العنان قانون کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور انھوں نے فریڈرک کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایسے اصول منتخب کئے جن سے اقتدار اعلیٰ کی ہوا اور بھی اس کے دماغ میں بھر گئی۔ انھوں نے اس سے کہا کہ بادشاہ کی مرضی ہی عین قانون ہے اور شہنشاہ ہی تمام دنیا کا مطلق العنان حکمراں

ہے۔ مگر فریڈرک کی مطلق العنانی کا سبب اصلی شخصی قوت واقتدار کا شوق نہیں تھا، بلکہ اپنے عہدہ و منصب کا جو تصور اُس کے ذہن میں تھا یہ مطلق العنانی اسی منطق کا ایک نتیجہ تھی۔

۱۱۵۴ء میں فریڈرک کوہِ آلپس کے پار ہوکر لمبارڈی میں داخل ہوا اور رانکیگین کے مشہور و معروف میدان میں خیمہ زن ہوکر ایک "ڈائٹ" (قانونی مجلس) کے اجتماع کا اعلان کیا اور لمبارڈی کے تمام شہرون میں یہ حکم بھیجا کہ اپنے اپنے کانسلوں (رئیسوں) کو شہنشاہ کی خدمت میں بھیجیں اکثر شہروں نے اُس پر عمل کیا لیکن ملان اور اُس کے بعض حلیفوں نے تعمیل سے انکار کردیا۔ اُس زمانہ میں ملان کی ظالمانہ حرکتوں کی وجہ سے اُس کے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے شہروں کے درمیان جھگڑے پڑے ہوئے تھے۔ اسی سلسلہ میں پیویا نے فریڈرک سے ملان وٹارٹونا کے خلاف فریاد کی۔ اور جب ٹارٹونا نے اُس کے احکام کی بھی کچھ پروا نہ کی تو فریڈرک نے اُس کا محاصرہ کرلیا اور اسے تباہ وتاراج کرکے چھوڑا۔ ملان اِس وقت اس سبب سے بچ گیا کہ فریڈرک، روما کیطرف متوجہ ہوگیا۔

روما والے اسبات کو بھولے نہ تھے کہ ایک زمانہ میں انھیں کا شہر عروس البلاد تھا، وہ ہر طرح کی حکومت سے خواہ وہ شہنشاہ کی ہو یا پوپ کی، بےچین رہتے تھے۔ اُنہین

خواہش یہ تھی کہ شہر کو اگلی سی قوّت و آزادی پھر حاصل ہو جائے اور وہ شہر کو اُس کے اگلے زمانہ کے سے سرمایۂ ناز مرتبہ پر واپس لانے کا خواب دیکھا کرتے تھے۔یہی سبب تھا کہ وہ اکثر پوپ کی مخالفت کیا کرتے۔ پوپ کی سیادت ان کے سیاسی خیالات اور آرزوؤں سے متضاد واقع ہوی تھی۔چنانچہ ۱۱۴۳ء میں عامّہ خلائق اور ادنیٰ درجہ کے روسا نے خروج کرکے، پوپ کو نکال دیا اور بخیال خود شہر میں قدیم زمانہ کا سا نظم و نسق پھر قائم کیا۔

اس کے دو برس بعد بریسیا کا قسّیس آرنالڈ، روما میں آیا اور بہت جلد شہر میں سب سے بڑا صاحب اثر شخص بن گیا۔یہ شخص فرانس میں رہا تھا اور ملحد اعظم ابیلارڈ کے خیالات کو سُن کر انہیں اختیار کرلیا تھا اور چاہتا تھا کہ ان خیالات پر عمل ہوتے ہوئے دیکھے۔

آرنالڈ ساکن بریسیا

روما کی (۱۱۴۳ء کی) بغاوت کا حال سنکر اس کی پسلی پھڑکی اور اُسے اپنی مطلب برآری کے لئے موزوں سمجھکر لپکتے ہوئے شعلے کیطرح اس طرف دوڑ پڑا۔اس کا نظام عمل کسی قدر طول طویل تھا۔امرا کے مقابلہ میں اُسے عوام الناس سے ہمدردی تھی۔اُس کے دماغ میں وہی خیال سمایا ہوا تھا جو کلیسا میں کئی دفعہ ظاہر ہوچکا تھا اور عنقریب سینٹ فرانسس کے مرکزی اصولِ اصلاحی میں شامل ہونے والا تھا یعنی

صاحبِ جائداد ہونا گناہ ہے۔ اُس نے یہ اعلان کردیا کہ زمین پر اُمرا کا قبضہ نہ رہنا چاہئے بلکہ اُسے جائداد مشترک ہونا چاہئے۔ ہر شخص کو حق ہے کہ زمین کی ایک مقدار مُعَیَّن کو کام میں لائے۔ چونکہ شخصی قبضہ گناہ ہے اسلئے کلیسا کو لامحالہ بے جائداد رہنا چاہئے۔ مگر وہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ گیا اور یہ اعلان کیا کہ فرداً فرداً بھی ہر شخص کو محتاج رہنا چاہئے۔ اُس نے پادریوں پر گنہگار اور دنیادار ہونیکا الزام لگایا۔ اُس کی نظر میں پادریوں کے دامن پر یہ بڑا دھبّا تھا کہ ملکی انتظامات میں وہ اسقدر زیادہ شریک رہتے تھے۔ اس کا قول تھا کہ "وہ پادری جو صاحب جائداد ہیں وہ اساقفہ جو حشم و خدم رکھتے ہیں، وہ راہب جو کسی قسم کی ملکیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا"۔ کلیسا میں کامل اصلاح کی ضرورت تھی اور اُس کی ابتدا پوپ سے ہونا چاہئے تھی۔ آرنالڈ نے یہ مطالبہ کیا کہ کلیسا کو اپنے تمام مقبوضات سے ہاتھ اٹھا لینا اور محتاجی کی حالت میں رہنا چاہئے۔ اس کا قول تھا کہ مسیحؑ کا مقرر کیا ہوا قانون یہی ہے۔ اس کے وعظ سے جوش میں آکر بازاری ہنگامہ کرنے والوں نے خانقاہوں کو لوٹنا شروع کردیا کیونکہ جب پادریوں کا صاحبِ جائداد ہونا ہی جائز نہیں تھا تو اُن کی جائدادیں فوراً اُن سے چھین لینا چاہئے تھیں

۱۱۵۴ء میں نقولاس بریک اسپیر پوپ کی جگہ کے لئے

منتخب ہوا اور اس نے ہیڈرین چہارم کا لقب اختیار کیا۔

ہیڈرین چہارم ۱۱۵۴-۱۱۵۹

انگریزوں میں یہی ایک شخص ہے جو سنیٹ پیٹر کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ اُس نے جرأت کر کے شہر کے جمہوری فریق کے ساتھ تنازع شروع کردیا، ویٹیکس (محل پوپ) پر قبضہ کرلیا اور اُسکے گرد اگرد خندق کھدواکر قلعہ بند ہوگیا، تمام شہر پر حکم تعطل جاری کردیا (یعنی مراسم مذہبی کی بجاآوری بند کردی) اور جب تک آرنلڈ شہر سے نکال نہ دیا گیا اس حکم کو برطرف نہیں کیا۔ آرنلڈ کے نکل جانے سے شہر والوں کا سب سے بڑا سرغنہ جاتا رہا۔

بس اسی موقع پر فریڈرک باربروسا اٹلی میں آیا پوپ اُس کی ملاقات کو گیا، آرنلڈ پر الزام قائم کئے اور اُس کے قتل کا مطالبہ کیا۔

فریڈرک اول روما میں

فرقہ جمہوریہ نے بھی اپنی سفارت فریڈرک کے پاس بھیجی اور یہ کہلا بھیجا کہ شہنشاہی کی تمام قوت اہل روما کی بدولت ہے اور یہاں کے سب لوگ اُسے اپنا شہنشاہ بنانے کے خواہشمند ہیں صرف یہ شرط ہے کہ وہ اس بات کا حلف اٹھائے کہ شہر اور عہدہ داران شہر کے حقوق کا احترام کرے گا اور ایک کثیر رقم اُنھیں ادا کرے گا۔ اُن کی اس گستاخی پر فریڈرک برہم ہوگیا، اور کہلا بھیجا کہ کارل اعظم اور آٹو اول نے فاتحانہ قوت سے

خطاب شہنشاہی حاصل کیا تھا۔ روما کی شان و شوکت ایک گزرا ہوا قصّہ ہے، اُس کی ساری حشمت و قوت اہل جرمنی کیطرف منتقل ہوگئی ہے، مفتوح قوم کو اپنے آقا کے سامنے شرائط پیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، لیکن ہیڈرین چہارم اس امر پر آمادہ تھا کہ فریڈرک سے کچھ اس سے بہتر شرائط کرلے، وہ شہنشاہ کو تاج شہنشاہی پہنانے پر راضی تھا بشرطیکہ شہنشاہ روما میں اُس کی جگہ اُسے واپس دلادے اور آرنلڈ کو اُس کے حوالے کردے۔ اسی قرار داد کے موافق فریڈرک کو تاج پہنایا گیا اور سارا شہر بزور مغلوب کرلیا گیا۔ آرنلڈ گرفتار ہوگیا اور ہیڈرین کے حکم سے انبار ہیزم پر ایک ملحد کی طرح سے جلا دیا گیا۔

فریڈرک اور ہیڈرین کے تعلقات بھی پوری طرح قابل اطمینان نہ رہے۔ دونوں کی پہلی ہی ملاقات کے موقع پر فریڈرک نے ہیڈرین کی رکاب تھامنے سے یہ کہکر انکار کردیا کہ بادشاہوں کے لئے یہ امر زیبا نہیں ہے۔ ہیڈرین اس سے برہم ہوگیا اور اُس نے امن عطا کرنے کے لئے فریڈرک کو بوسہ نہیں دیا۔ یہ نزاع آخر رفع کردی گئی مگر محض عارضی طور پر۔ درحقیقت شہنشاہ اور پوپ کے دعاوی ہی میں ایسی نقیض واقع تھی کہ دونوں میں صلح کا رہنا ممکن نہ تھا۔

بزانسان میں جو واقعہ گزرا اُس نے دونوں گروہوں کی افتاد طبیعت کو ظاہر کردیا اور یہ دکھا دیا کہ کس قدر جلد طوفان

برپا ہونے والا ہے۔ لندن کا اسقف اعظم اسکل روما میں آیا

بزانسان کا واقعہ ۱۱۵۷

ہوا تھا، اور جب وہ برگنڈی کے راستہ سے واپس جانے لگا تو اسے لوگوں نے لوٹ مار کر گرفتار کرلیا اور قید میں رکھا، فریڈرک کو اگرچہ یہ خبر پہنچی مگر اُس کو رہائی دلانے کی کوئی فکر اُس نے نہیں کی اور نہ ان لوگوں کو سزا دی جنھوں نے یہ ظلم کیا تھا۔ فریڈرک کی اس بے پروائی کا ایک ہی سبب ہوسکتا ہے کہ وہ اسکل کی اس بات سے آزردہ تھا کہ کلیسائے اسکنڈینویا کو آزادیکی ہوس دامنگیر تھی اور اسکل اس معاملہ میں اُس کی مدد کررہا تھا۔ یہ ایسی ہوس تھی جس کے پردے میں بلاشبہ قومی منافرت بھی چھپی ہوئی تھی کیونکہ اسوقت تک کلیسائے اسکنڈینویا، ہیمبرگ کے اسقف اعظم کے ماتحت تھا اور اُس کے علاقہ اسقفی کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔ اس مذہبی اثر کے توسط سے فریڈرک کو یہ امید تھی کہ اسکنڈینویا میں وہ سیاسی اقتدارات حاصل کرلیگا جس سے اُسکی شہنشاہی میں اضافہ ہو جائے گا۔ فریڈرک کی اس حریصانہ چال کا سنگ راہ بنکر اسکل اس کی حمایت پر بھروسا نہیں کرسکتا تھا۔ علاوہ اِسکے اسی زمانہ میں پوپ اور ولیم (والی سسلی) سے ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں حقوق شہنشاہی کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا گیا تھا، اس معاہدہ پر بھی فریڈرک کو اپنی آزردگی کا ظاہر کرنا منظور تھا۔ فریڈرک جب (۲۴-۲۸- اکتوبر ۱۱۵۷ء) بزانسان

میں تھا تو پوپ کے دو وکیل اُس کے پاس ایک خط لیکر
آئے جس میں شہنشاہ کے اس فعل پر صاف صاف ملامت
کی گئی تھی کہ اُس نے اسکل کو رہائی دلانے اور اُس کے
قید کرنے والوں کو سزا دینے میں بے پروائی برتی۔ یہ دونوں
شخص جب اوّل اوّل فریڈرک کے سامنے آئے تو اُنہوں نے
پوپ اور کارڈنلوں کی طرف سے اس کو سلام پہنچا کر یہ بھی
کہا کہ "پوپ کا سلام پدرانہ اور کارڈنلوں کا سلام برادرانہ ہے"
سلام کا یہ انداز عجیب و غریب تو ضرور سمجھا گیا لیکن فریڈرک
اس پر کچھ ناراض نہیں ہوا۔ اس کے دوسرے دن شہنشاہ
نے مراسم دربار کے موافق دونوں شخصوں سے ملاقات کی
اور اُنہوں نے ہیڈرین کا خط پیش کیا۔ شہنشاہ کی بے اعتنائی
پر ملامت کرنے کے بعد پوپ نے یہ اعتراف کیا کہ اسکا
سبب اُس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ہیڈرین کا خیال یہ تھا
کہ اس سے کوئی امر شہنشاہ کے خلاف نہیں ہوا بلکہ وہ
ہمیشہ اس سے اپنے فرزند عزیز کی طرح سے پیش
آتا رہا ہے۔ اُس نے فریڈرک کو یاد دلایا کہ اب سے دو برس
پہلے کلیسائے مقدس نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور
کیسی شفقت پدرانہ کے ساتھ پیش آیا اور اُسے خوشی خوشی
تاج شہنشاہی پہنا کر سب سے بڑا رتبہ و اعزاز عطا کیا۔
اس کے بعد لکھا تھا کہ "ہم نے جو ہر نوع سے تمہاری
حاجت برآری کی اُسکا ہمیں مطلق افسوس نہیں بلکہ اگر یہ ممکن

ہوتا کہ تم اس سے بھی بڑا انعام (جاگیر Benificia) ہمارے ہاتھ سے پاسکتے تو بھی ان خدمتوں کے لحاظ سے جو تمہارے ہاتھ سے میرے اور کلیسا کے متعلق انجام پاسکتی ہیں، اس کے عطا کرنے میں ہمیں مسرت ہی ہوتی ''۔ اس کے پڑھتے ہی ایک آگ سی لگ گئی۔ فریڈرک کے حضور میں جو والیان ملک و امرا موجود تھے غضبناک ہوکر وکلاء پوپ سے اُلجھ پڑے کہ یہ دعوے کس بنا پر کئے گئے ہیں۔ اِس کے جواب میں ان میں سے ایک بول اٹھا کہ "پوپ سے نہیں تو پھر آخر کس سے شہنشاہ نے یہ شہنشاہی پائی ہے" اگر شہنشاہ مداخلت نہ کرتا تو اس جواب نے اس وکیل کی جان ہی لی ہوتی کیونکہ آٹو وان وٹلس باک اسپر جھپٹ پڑا اور قریب تھا کہ اسے جان سے مار ڈالے۔ وکلا کو حکم ہوا کہ فوراً اطالیہ کو واپس چلے جائیں اور پوپ کے کسی کام کے لئے کوئی مزید کارروائی نہ کریں۔

ہیڈرین نے جو لفظ (Benificia) کا لکھا تھا اس کے معنی انعام یا جاگیر کے ہوں یا نہ ہوں یہ بحث چنداں بکار آمد نہیں اہم بات یہ تھی کہ اُس نے تاج شہنشاہی کے متعلق صاف صاف ایسے الفاظ لکھے تھے گویا اس کا دینا نہ دینا بالکل اُس کے اختیار میں تھا۔ یہ بات فریڈرک کو اس سے کم ناگوار نہ ہوی جسقدر انعام وجاگیر کا لفظ ناگوار ہوا کیونکہ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ تاج شہنشاہی

کا تعلق جرمنی سے ہے۔ جرمنی کا بادشاہ تاج شہنشاہی کا حق رکھتا ہے، پوپ کا حق بس اتنا ہی ہے کہ اُسے تاج پہنا دے۔

قیصر کی منادی

فریڈرک نے اُس کے بعد اپنی رعایا میں ایک اعلان نامہ شائع کیا جس میں پوپ کے اُن دعووں کا ذکر تھا جو اُس کے خط میں مرقوم تھے اور اُس کی رد میں یہ اعلان کیا تھا کہ اُسے تاج شہنشاہی صرف خدا سے عطا ہوا ہے اور والیان ملک سے انتخاب عمل میں آیا ہے۔ مسیح نے یہ تعلیم دی ہے کہ دنیا کی حکومت دو تلواروں سے ہوگی، ایک روحانی، دوسری دنیاوی۔ پیٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام لوگوں کو خدا کا خوف اور بادشاہ کی تعظیم کرنی چاہئے۔ پس جو شخص یہ کہے کہ شہنشاہی پوپ کا دیا ہوا انعام ہے یا اُس کی جاگیر ہے وہ سینٹ پیٹر کا مخالف اور جھوٹھ بولنے کا گناہگار ہے۔

ہیڈرین کی تاویل

اب ہیڈرین چہارم نے جرمنی میں پادریوں کو ایک کھلا خط روانہ کیا، جس میں معاملات کا رُخ بدل جانے پر بہت ہی تعجب و غصہ کا اظہار کیا تھا۔ یہ خط بڑی ہی حکمت عملی پر مبنی تھا جس سے غرض یہ تھی کہ جرمن پادریوں کو اپنا طرفدار بنا لے لیکن کچھ لوگ ان میں سے اپنے شہنشاہ کے سچے ہوا خواہ بھی تھے، انہوں نے ہیڈرین کو ایک

خط لکھا اور اس میں فریڈرک کے جواب کی تائید و توثیق کی۔ اس کا مضمون وہی تھا جو فریڈرک کے اعلان نامہ کا تھا اور یہ دعوی تھا کہ شہنشاہی پوپ کا دیا ہوا انعام (جاگیر) نہیں ہے بلکہ یہ انعام فریڈرک کو خدا کیطرف سے عطا ہوا ہے۔ فریڈرک پوپ کی بنوائی ہوئی اس تصویر سے بھی ابتک آزردہ تھا جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ لوتھر گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ہے اور پوپ کے ہاتھ سے تاج لے رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ پوپ چاہتا ہے کہ ایک مقتدرانہ اصول قائم کرے اور اُس کی بنا محض ایک تصویر پر ہو۔ اب ہیڈرین نے ایک خط فریڈرک کو لکھا اس میں یہ بیان کیا کہ جو لفظ میں نے لکھا تھا اُس کے معنی انعام کے نہیں ہیں بلکہ وہ (Bonum) اور (Facia) سے مرکب ہے۔ جس سے مراد وہ کام ہے جو محبت و شفقت سے کیا جائے۔ ہیڈرین نے فریڈرک کو تو کسی طرح خاموش کردیا لیکن جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا۔ اتنا ہوا کہ جنگ ملتوی ہوگئی۔

اس کے بعد فریڈرک نے لمبارڈی کے شہروں کی طرف توجہ کی جو سو برس بلکہ اس سے بھی زائد سے بحالِ خود پڑے ہوئے تھے اور اپنا انتظام آپ ہی کرلیتے تھے۔ ایک آزادانہ حکومت بلدی کی بنا قائم کرکے اُنھوں نے حالات وقت میں اصلاح و ترقی کردی تھی۔ اب

ملان کو سب سے پہلے زیر کرلیا لیکن پھر بھی یہ طے پاگیا کہ اہل شہر جسطرح اپنے لئے حکام کو منتخب کرلیا کرتے ہیں ایساہی کیا کریں لیکن ان کا منظور کرنا شہنشاہ کے اختیار میں رہیگا۔ ران کا گلیئن کے میدان میں ایک دوسری

رانکاگلیئن کی دوسری مجلس ڈائٹ

ڈائٹ (مجلس قانونی) کے منعقد ہونیکا اعلان کیا گیا اور تمام شہروں کو حکم دیا گیا کہ اپنے اپنے عہدہ داروں کو مجلسِ مذکور میں روانہ کریں۔

فریڈرک کا مقصود یہ تھا کہ اہل شہر کے دماغوں سے آزادی کا خیال دور کردے۔ جس زمانہ میں وہ اٹلی میں آیا ہوا تھا اُنہیں دنوں میں بولوگنا کے مقننین سے وہ ملتا رہا اور اُنہیں لوگوں سے قانون رومن کے امہاتِ مسائل اس نے حاصل کئے تھے،۔ پرانے زمانہ کے دستور پھر جاری کئے گئے اور فریڈرک نے شاہی امتیازات کے متعلق اپنے دعووں کو پھر تازہ کیا (جسمیں امارات ڈیوک و کاؤنٹ، سرحدات، ضرب سکہ، تحصیل محاصل و چنگی و رسوم وغیرہ سب شامل تھے) اُس نے یہ اعلان کردیا کہ آیندہ سے شہر کے تمام بڑے عہدہ دار اسی کیطرف سے مقرر کئے جائینگے اور رعایا کو اُنہیں کی توثیق کرنا ہوگی۔ تمام شہروں کے وکلا نے شہنشاہ کے حقوق کا ایک ڈھانچہ تیار کرنے میں اعانت کی اور اُس کو ملحوظ رکھنے پر اتفاق کیا۔ اُس نے اب ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ ان لوگوں نے جو اقرار کئے ہیں اُنہیں عمل میں لائیں۔

چنانچہ اُس نے تمام ملک میں اپنے نائب روانہ کئے کہ اُس کے عہدہ داروں کو ہر شہر میں نصب کریں۔ ملان والوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس قرارداد کے بموجب جو شہنشاہ میں اور اُن میں پہلے ہوچکی ہے وہ لوگ رانکاگلیین کے معاہدہ کے اندر داخل نہیں ہیں، اس لئے اُنہوں نے بادشاہ کے قاصدوں سے مزاحمت کی اور شہر کے دروازے اُن کے لئے بند کردیئے۔ فریڈرک نے اُن کے دعووں کو قبول نہیں کیا اور (اپریل ۱۱۵۹ء میں) شہر کا محاصرہ کرلیا۔ شہر نے تقریباً تین برس تک مدافعت کی۔

ملان کی تاراجی ۱۱۶۲ء

آخر فروری ۱۱۶۲ء میں اُس میں تاب مقاومت باقی نہیں رہی۔ اُن لوگوں نے ہر طرح سے چاہا کہ فریڈرک کو راضی کریں مگر اُن کی دادفریاد سے اُس نے کان بہرے کر لئے۔ شہر کی دیواریں ڈھادی گئیں، شہر والے نکال دئے گئے اور امرا میں بہت سے لوگ یرغمال کے طور پر گرفتار کر لئے گئے۔

ہیڈرین نے اپنے بنیادی دعاوی پیش کئے

اسی اثنا میں پوپ اور شہنشاہ کے درمیان از سر نو نزاع پھوٹ پڑی تھی۔ ۱۱۵۹ء میں ہیڈرین نے فریڈرک سے بہت ہی وسیع مطالبات کئے جس میں مٹلڈا کی اراضی پر اُس کا قابض ہونا، پوپ کے علاقوں سے جاگیرانہ محصول کا فریڈرک کے ذریعہ سے وصول ہونا اور روما میں کامل اختیاراتِ شاہی کا رکھنا داخل تھا۔ شہنشاہ نے ان مطالبات

سے انکار کردیا اور پوپ نے جھگڑے اور فساد پر کمر باندھی۔
سسلی کے روجر اور یونانی شہنشاہ سے کمک لیکر اُس نے
لمبارڈی کے شہروں سے سازش کرلی۔ ۱۱۵۹ء میں ہیڈرین
کا انتقال ہوگیا اور کارڈنلوں نے اُس کے بجائے رونلڈبنڈلی

الگزنڈر سوم

کا انتخاب کیا جس نے الگزنڈر سوم کا لقب اختیار
کیا، یہ وہی شخص ہے جس نے بزانسان میں
ہیڈرین کیطرف سے گفتگو کی تھی۔ اس جھگڑے کو اُس نے
اب اپنے ہاتھ میں لیلیا اور اپنا وقت حلیفوں کے مہیا کرنے
میں صرف کرنے لگا لیکن فریڈرک نے بھی ایک پوپ
مقابل بنالیا اور الگزنڈر سوم کی مخالفت میں اسے اس حدتک
کامیابی ہوئی کہ پوپ کو مجبور ہوکر روما سے بھاگنا پڑا اور
اُس نے فرانس میں جاکر پناہ لی (۱۱۶۱)۔ معلوم ہوتا تھا کہ
میدان فریڈرک کے ہاتھ رہا۔ تمام شہروں میں اُسکے عہدہ دار
متعین تھے، ملان تباہ و تاراج اور پوپ شہر بدر ہوچکا تھا۔
لیکن یہی ظفرمندی مقدمہ شکست ثابت ہوئی،۔ اُس نے
بہ تصنع تمام زمانہ قدیم کے شہنشاہوں کا انداز اختیار کرلیا تھا۔
اُس کی مطلق العنانی شہروں کے حق میں ظلم بنگئی تھی اور اسی
سبب سے سب بےچین ہورہے تھے کہ انتقام لینے کا کوئی
موقع ملجائے۔ پس الگزنڈر سوم اِن مخالفین کا سرغنہ بن گیا۔
۱۱۶۵ء میں وہ روما میں واپس آیا اور شہنشاہ کو دین سے
خارج کیا، اُس کی تمام رعایا کو جو فریڈرک سے وفاداری کا

حلف کر چکی تھی اس پابندی سے آزاد کردیا۔ الگزنڈر تدابیر ملکی کا ماہر شخص تھا۔ لمبارڈی کے شہروں کا اسطرح آزاد رہنا اسے بھی ناگوار تھا، لیکن چونکہ وہ اس کی مدد کر سکتے تھے اسلئے اس نے انھیں اپنا حلیف و شریک بنا رکھا تھا۔ تقریباً پندرہ برس تک یہ کاردان شخص فریڈرک کی مخالفت کا پیشرو بنا رہا اور شہنشاہ پر آخری فتح زیادہ تر اسی کی کاردانی و تدابیر سے حاصل ہوئی۔ اسکے دوسرے برس (۱۱۶۶) فریڈرک پھر ایک لشکر جرار کے ساتھ، اٹلی میں آیا تاکہ باغیوں کو سزا دے اور نئے پوپ، پیس چالس کو پوپ بنا کر سینٹ پیٹر کی کرسی پر بٹھائے۔ ایک محاصرے کے بعد اسنے روما کو فتح کرلیا، پیس چالس کو پوپ کا منصب دیا گیا اور اس کے چند روز بعد شہنشاہ اور شہنشاہ بیگم کو دوبارہ کلیسائے سینٹ پیٹر میں تاج پہنایا گیا۔ تھوڑے زمانے کے بعد وبا پھوٹ پڑی اور فریڈرک کے لشکر میں اتنے سانحے ہوئے کہ وہ گھبرا کر جرمنی کو بعجلت تمام چلا گیا۔ جس رفتار سے وہ واپس جا رہا تھا اسی رفتار سے اسکے عقب میں شہر یکے بعد دیگرے بغاوت کرتے جاتے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر نکل آیا۔ شہروں نے اب (۱۱۶۷ء میں) باہم اتفاق کرلیا جو اتحاد بلاد لمبارڈی کے نام سے مشہور ہے۔ ان سب نے متفق ہوکر ملان کو پھر تعمیر کیا اور وہی اس اتحاد میں سب کا

اتحاد بلاد لمبارڈی ۱۱۶۷ء

پیشرو بن گیا۔ پیویا ابھی تک شہنشاہ کے ساتھ پیمانِ وفا
پر قائم تھا۔ پس متحدین نے اس کو زک دینے کے لئے
ایک نیا شہر اس کی سرحد پر بسادیا، اور پوپ کے اعزاز میں
اسکا نام الگزنڈریا رکھا۔ ۱۱۷۴ء تک فریڈرک اس قابل نہ ہوسکا
کہ دوبارہ اٹلی میں داخل ہوسکے۔ اس زمانہ میں شہنشاہ نے
بنفسِ نفیس الگزنڈریا کا محاصرہ کیا اور اسکی کچھ فوجوں نے
ٹسکینی و امبریا کو پامال کرڈالا۔ الگزنڈریا بہت ہی مستحکم شہر تھا
اور محاصرہ مہینوں جاری رہا۔ آخر صلح کے پیام آنے لگے اور
چونکہ جاڑوں کا زمانہ قریب تھا فریڈرک پیویا کیطرف چلا گیا۔
شہنشاہ نے بار بار جرمنی کے والیوں کو کمک کے لئے طلب کیا
لیکن ہنری (شیردل)، نے سمجھ لیا تھا کہ شہنشاہ کو نیچا دکھانے
کا یہی موقع ہے اور اسنے کمک بھیجنے سے انکار کردیا۔ مئی
۱۱۷۶ء میں مقام الگنانو پر متحدین کی فوجوں نے فریڈرک پر حملہ
کیا اور یقینی و قطعی فتح حاصل کی۔ تھوڑی دیر تک تو یہ خیال

جنگ لگنانو ۱۱۷۶

رہا کہ خود شہنشاہ بھی اس جنگ میں مارا گیا
ہے۔ فریڈرک اب سمجھ گیا کہ موقع نازک ہے؛
شکست ہوچکی ہے، اس لئے وہ اہل شہر کے ساتھ انہیں کے
خاطر خواہ شرایط پر صلح کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ اس نے
۱۱۷۷ء میں، وینس میں جاکر کلیساے سینٹ مارک میں الگزنڈر
سوم سے ملاقات کی اس کے پاؤں پر گر پڑا، اپنی غلط کاری
کا اعتراف کیا اور پوپ سے درخواست کی کہ اسے لعنت سے

پاک کردے۔ پوپ اس کے کہنے کو مان گیا اور التوائے جنگ کا اعلان کردیا گیا۔ اس کے چھ برس بعد مقام کانسٹنیس میں معاہدۂ صلح پر دستخط ہو گئے، جسکے رو سے اہل شہر کے

معاہدہ کانسٹنیس ۱۱۸۳ء

مطالبات بیشتر ان کے حسب دلخواہ تسلیم کرلئے گئے، شہنشاہ کی سیادت تسلیم کی گئی مگر وہ محض برائے نام تھی، اور حقیقت میں شہروں کی آزادی منظور کرلی گئی تھی۔ اس واقعے سے فریڈرک کی سخت توہین ہوی لیکن اس سے کوئی مفر نہ تھا۔ جرمنی میں "گلف" (حامیان پوپ) نے اسے ایسا دبانا شروع کیا کہ اسے خود پوپ سے مدد مانگنے کی ضرورت ہوئی اور اب سوا اسکے کہ نتائج جنگ نے جو فیصلہ کردیا تھا اسی پر صبر کرے اور کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

۱۱۷۶ء میں "گبلائن" (حامیان شہنشاہ) اور "گلف" (حامیانِ پوپ) کے جھگڑوں میں بہت نازک وقت آپڑا کیونکہ اسی زمانہ میں ہنری (شیردل) نے متحدین لمبارڈی کے مقابلہ میں فریڈرک کو جنگ میں کمک بھیجنے سے انکار کردیا تھا۔ جرمنی میں واپس آکر فریڈرک نے اسے سزا دینے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ ہنری اسکے روبرو حاضر ہو اور جب ہنری نے انکار کیا تو اسکو معزول کر کے شہر بدر کردیا۔ ہنری نے مقابلہ کیا لیکن جنگ میں شکست کھا گیا اور رحم کی درخواست کی۔ فریڈرک نے اسکے تمام اختیارات سلب کرلئے لیکن اتنی فیاضی کی کہ اسکی ذاتی جاگیر اس کے پاس برقرار رہنے دی۔

سسلی کے فتح کرنے میں اگرچہ فریڈرک کو کامیابی نہیں ہوی تھی لیکن اسکے ملحق کرلینے کا سامان اسنے یہ کیا کہ اپنے بیٹے ہنری ششم کی نسبت وہاں کی ولیۂ عہد کانسٹینس کے ساتھ کردی۔ پوپ نے پہلے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ عقد شہنشاہی کو بہت ہی طاقتور کردیگا، اور سسلی وجنوبی اطالیہ پر قبضہ ہوجانے سے شہنشاہ علاقہ پوپ کی اراضی پر جہان کہیں چاہیگا حملہ کرسکیگا، پوپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ شہنشاہ کو اتنا بڑا تسلط اسپر حاصل ہوجائے پس اسنے سلطنت سسلی وشہنشاہی کے اس اتحاد مجوزہ میں رخنہ اندازی کرنے پر کمر باندہی۔ اس نے اب شہنشاہ سے بگاڑ شروع کردیا۔ کولون کے اسقفِ اعظم اور جرمنی کے ان امرا کو جو شہنشاہ سے ناراض تھے ابہار کر فریڈرک کے خلاف سازش میں شریک کیا، اسی زمانہ میں یہ خبر مغرب میں پہنچی کہ یردشلیم کو عربوں نے فتح کرلیا ہے چونکہ اس زمانہ کے خیال کے موافق سب سے بڑا کام یہی سمجھا جاتا تھا کہ اس سرزمین کو دشمن کے قبضے سے چھڑالیا جائے اس لئے پوپ اسبات کے لئے ہر قسم کی رعایت کرنے کو موجود تھا کہ فریڈرک کو جنگ صلیبی پر روانہ کرسکے، پس ایک معاہدہ ایسا کیا گیا جس سے بظاہر فریڈرک کی فتح معلوم ہوتی تھی، وہ اب محاربات صلیبی پر جانے کو آمادہ ہوگیا ملک جرمنی کا انتظام ہنری ششم کے ہاتھ میں دیدیا اور اسنے شاہِ جرمن کا لقب اختیار کیا، فریڈرک

فریڈرک اوّل کی جنگ صلیبی

۱۱۸۹ء کی فصل بہار میں روانہ ہوا لیکن فلسطین تک نہ پہنچ سکا۔ بلکہ

۱۰۔ جون ۱۱۹۰ء کو سلیشیا کے ایک کوہستانی چشمہ میں ڈوب کر مر گیا۔
اطالیہ میں الگزنڈر سوم نے یہ دیکھا کہ اگرچہ فریڈرک پر اسنے
فتح پائی ہے مگر اس کا تمامتر نفع اسی کو نہیں حاصل ہوا ہے۔ تمام
اٹلی کو اپنے ماتحت رکھنے کی قدرت اسے نصیب نہیں ہوی ہے۔

اٹلی کی تقسیم غنائم

لمبارڈی کے شہروں نے اور سسلی کی سلطنت
نے اپنا اپنا مطلب نکال لیا، اور اپنی اپنی
خود مختاری قائم کر لی ہے، فریڈرک کی مخالفت کے دوران میں شہنشاہ
نے کتنے ہی نئے پوپ بنا دیئے تھے۔ آخر یہ مذہبی افتراق ۱۱۷۷ء
میں جا کے اس وقت ختم ہوا جب کیلکس ٹس سوم نے یہ دیکھکر
کہ شہنشاہ نے الگزنڈر سے صلح کر لی اب میرا قدم جمنا ممکن نہیں،
اطاعت اختیار کر لی۔ آیندہ انتخاب پوپ کے اختلافات کو روکنے
کے لئے لیٹران کی مجلس مذہبی نے ۱۱۷۹ء میں یہ ضابطہ مقرر کیا
کہ کارڈنلوں میں سے دو ثلث جس کے لئے رائے دیں وہی شخص
پوپ سمجھا جائے گا۔ اس ضابطے میں شہنشاہ کی منظوری کا کچھ
ذکر نہ تھا اور نہ عامتہ الناس کا کچھ حق تھا نہ روما کے پادریوں کا کچھ
دخل تھا۔ جب سے اب تک سارا اختیار کارڈنلوں کے ہاتھ میں ہے
الگزنڈر سوم نے پوپ ہونیکی حیثیت سے جو کام کئے ہیں
وہ نہایت قابلِ قدر ہیں۔ اس کا اقتدار تمام مغرب میں اس طرح
مسلّم تھا کہ اس سے پیشتر کسی پوپ کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی

الگزنڈر سوم کی بلند پائیگی۔

تھی۔ اور اسکے عین بعد کے جانشینوں میں سے
کوئی ایسا بھی اب نہ ہوا کہ جو ترقیاں اسنے کی تھیں

انہیں کو بحال رکھ سکے ۔ البتہ اس صدی کے تمام ہونے سے پہلے
اننوسنٹ سوم ایک شخص ہوا جو سب پاپاؤں سے زیادہ شاہانہ
شان وشوکت رکھتا تھا ، اور اس سے سابق کے پوپ جن باتوں کا
خواب دیکھا کرتے تھے ان سب کو اسنے حاصل کرلیا تھا ۔ لیکن اس سے
پیشتر روما میں ابھی ایک اور فساد ہونا باقی تھا ۔ اہل شہر میں آزادی
کی روح پھر پیدا ہوگئی تھی اور لوسی اس سوم (۱۱۸۱ - ۸۵) اور اربان سوم
(۱۱۸۵ - ۸۷) نے اپنی مقتدائیت کا زمانہ زیادہ تر جلاوطنی میں بسر
کیا ۔ مگر کلیمنٹ سوم (۱۱۸۷ - ۹۱) کو روما کی حکومت ازسرنو حاصل کرنے
میں کامیابی حاصل ہوگئی اور تمام اقتدارات اسے مل گئے ۔ شہر میں
ایسا استحکام اس سے پہلے کسی پوپ کو کم حاصل ہوا ہوگا ۔ لیکن
ایک نیا خطرہ درپیش تھا ۔ ہنری ششم کے ساتھ کانسٹینس ولیۂ
عہد سسلی کی شادی ہوجانے سے ہر لحظہ یہ اندیشہ لگا رہتا تھا
کہ شہنشاہ کا اثر جنوب میں بھی پھیل جائے گا اور ملک سسلی
اور تمام اٹلی کا جنوبی حصہ اسکی سلطنت میں شامل ہوجائے گا
اور اس صورت میں پوپ دونوں طرف سے آفت میں گھر جائیگا ۔

ہنری ششم ۱۱۹۰ - ۱۱۹۷

ہنری ششم کے ابتدائی سلطنت کے دن
بہت ہی تشویش انگیز رہے ۔ فریڈرک کا مشرق
کو روانہ ہونا تھا کہ ہنری (شیردل) شاہی عہد وپیمان کو توڑکر ہنری ششم
پر جھپٹ پڑا ۔ ولیم (والئی سسلی) کے مرنے کی خبر نہایت قریب ہی
زمانے میں جرمنی میں پہنچی اور اسکے چند ہی روز بعد فریڈرک کے مرنیکی
درد انگیز خبر آگئی ۔ ہنری ششم نے ہنری (شیردل) سے صلح کرلی

ملک کے ضروری کاموں کا جو اسکی غیبت میں ہونے والے تھے انتظام کردیا اور خود فوراً اٹلی کو روانہ ہوگیا۔ روما میں اسے تاج پنہایا گیا اور وہاں سے وہ سسلی کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، لیکن سسلی والے کسی شخص ٹینکرڈ کا اپنی بادشاہی کے لئے پہلے ہی انتخاب کرچکے تھے پس وہاں ہنری کے بنائے کچھ نہ بنا۔ درحقیقت انجام نہایت مشتبہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس کے خلاف میں بہت ہی طاقتور دشمن متفق ہوچکے تھے۔ انگلستان کا شیردل رچرڈ، جرمنی کا خاندانِ گلف (حامی شہنشاہ) جن کا سرغنہ ہنری (شیردل) تھا سسلی کا ٹینکرڈ یہ سب ملکر بظن غالب ہوہنسٹافن والوں کا زور توڑ دینے کے لئے کافی تھے مگر یہ خطرہ مسلسل حسن اتفاقات سے ٹل گیا۔ رچرڈ جنگِ صلیبی سے واپس آرہا تھا کہ راہ میں قید ہوکے ہنری کے حوالے کردیا گیا۔ ہنری (شیردل) کا بیٹا شہنشاہ کی ایک چچازاد بہن پر فریفتہ ہوگیا اور اس سے عقد کرنے کے خیال سے ہنری سے صلح کرلی۔ خود ہنری (شیردل) اب بڈھا ہوچکا تھا اور اس بات سے وہ اور بددل ہوگیا کہ اسکے بیٹے نے شہنشاہ کی اطاعت اختیار کرلی ہے، پس وہ بھی نزاع و فساد سے کنارہ کش ہوکر اپنی ریاست کو چلا گیا اور اب ہنری اس قابل ہوگیا کہ دوسری نہضت میں سسلی پر اچھی طرح قبضہ کرلے۔

ہنری ششم کی دلیرانہ تجاویز۔

اب ثابت ہوگیا کہ پوپ کا اندیشہ بالکل بجا تھا۔ ایک ذرا نگاہِ غور سے دیکھا جائے تو شہنشاہ و پوپ کے دعوے حقیقت میں ایسے متضاد

تھے کہ زور قوت ہی سے ان کا فیصلہ ہوسکتا تھا اسوقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ شہنشاہ کا موقع آگیا ہے۔ اپنی قوت پر بھروسہ کرکے ہنری ششم نے مصمم ارادہ کرلیا کہ بلا لحاظ پوپ کے، اپنے دعاوی کو بزور پورا کرے، اسکی اراضی (ٹسکنی) پر قبضہ کرلیا جسکی وجہ سے پوپ نے اسے موردِ لعن قرار دیا۔ لیکن اسکی ذرابھی پروانہ کرکے اسنے تمام اٹلی پر قبضہ کرنے کی رفتار جاری رکھی۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اسنے یہ تجویز کی تھی کہ پوپ کی سلطنت کو بھی اپنے ملک میں شامل کرکے اسکو بالکل مٹادے۔ وہ اب اپنی قسمت آزمائی کرنیکے لئے مشرق کیطرف بھی متوجہ ہوا۔ اسنے ایک محاربۂ صلیبی کا سامان کیا جس کا اصلی مقصود سب سے پیشتر وبیشتر قسطنطنیہ کو فتح کرنا تھا۔ شہنشاہی یونان کی حالت حقیقت میں بہت ہی ابتر ہورہی تھی۔ اسے اُمید تھی کہ وہاں کا تاج حاصل کرکے قسطنطنیہ کو اپنا مستقر بنالے گا اور اس نادر موقع سے وہ باسانی شرقیین (عربوں) کے ساتھ جنگ جاری رکھے گا۔ وہ پہلے ایک بغاوت کے فروکرنے اور مخالفین کے سزا دینے کے واسطے سسلی میں گیا تاکہ پھر وہاں سے قسطنطنیہ کی طرف عنانِ عزیمت کو پھیرے لیکن (۱۱۹۷ء میں) مقام مسینہ میں ایک ذراسی بیماری اٹھاکر اور ایک تین برس کا لڑکا (فریڈرک دوم) چھوڑ کر، مرگیا۔ اسکی بڑی بڑی تدبیریں اور آرزوئیں سب خاک میں مل گئیں اور شہنشاہی تازہ فسادات واختلافات میں (جو شہنشاہ کے متخاصم انتخاب سے پیدا ہوگئے تھے) گھر گئی۔ اسی زمانہ میں انوسنٹ سوم پوپ ہوگیا جو ایک

صاحبِ عزم و لائق شخص تھا، وہ مذہبی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور ان خیالات کو عمل میں لانے کا خواہشمند تھا۔

انوسنٹ سوم ۱۱۹۸ - ۱۲۱۶ - اور اسکا عزم و ارادہ۔

انوسنٹ سوم (۱۱۹۸ - ۱۲۱۶) غالباً قرونِ وسطیٰ کا سب سے زیادہ لائق و فائق پوپ تھا - وہ اصول قانون کا عالم تھا، پیرس اور بولوگنا کے مدرسوں میں اسنے تعلیم پائی تھی - وہ ہر چیز کو ایک مُقنّن کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ پاپائی کے دعادی کو قانونی شکل و اصُول پر لانا چاہیئے - اسکی طبیعت میں طمع نہ تھی، اسی وجہ سے وہ ہمہ تن اس خیال میں غرق تھا کہ جو کام وہ کرتا ہے وہ بہترین منافع کلیسا ورضائے الہی پر مبنی ہوتا ہے، اسے حرص تھی تو یہ تھی کہ پاپائی ایسی ہونی چاہیئے جیسی اسکے حسب اعتقاد خدانے مقرر کی تھی! اسکا اعتقاد تھا کہ دنیا کی بادشاہی، نیابتِ الہی ہے، اور وہ خود روئے زمین پر خدا کا نائب ہے - اسنے اپنی اس رائے کو کہ پوپ تمام حُکام سے اعلیٰ ہے حد کو پہنچا دیا، اور اکثر حالات میں اس خیال کو پورا کردکھایا۔ اسکے عزم ورائے کی تفصیل مندرجۂ ذیل عنوانوں میں ہوسکتی ہے

(۱) پوپ کو ملک اٹلی کا مطلق العنان حاکم ہونا چاہئے اور اسے تمام بیرونی مداخلت سے آزادی ہو - اسی بنا پر شہنشاہ کو جزیرہ نمائے اٹلی کے کسی قطعے کو الحاق کرلینے کی ہرگز اجازت نہ دینی چاہیئے پوپ کی سلطنت کو مستحکم کرنا چاہیئے شہر کے سیاسی فریقوں کو دباکر رکھنا چاہیئے

(۲) تمام مغربی سلطنتیں پوپ کے زیر اقتدار رہنا چاہئیں، بادشاہ

ہو یا شہنشاہ، کوئی بھی آزاد نہیں ہو سکتا بلکہ ہر امر میں انکو پوپ کا مطیع رہنا چاہیئے
(۳) کلیسائے مشرقی اور ارضِ مقدس کو مسلمانوں سے چھڑا لینا چاہیئے
اور کلیسائے یونان کو الحاد سے پاک کر کے کلیسائے مغرب کے ساتھ
پھر منضم کر دینا چاہیئے۔ تمام ملحدوں کا استیصال کر دینا چاہیئے،
قواعد و عبادات کلیسا کا پوپ کی رائے کے موافق انضباط ہونا چاہیئے،

انوسنٹ سوم کے عزایم کے ساتھ یہاں ہنری ششم کی شہنشاہی کے مقاصد کا مقابلہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ دونوں کا ذاتی اختلاف اس امر کا مانع ہے کہ ان میں باہمی اتفاق ہو سکے۔ دونوں میں سے ایک بھی جب تک دوسرے کا کلی استیصال نہ کر دیتا اپنے جملہ اغراض کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بالفعل اس مخالفت کا ملتوی کرنا ممکن تھا کیونکہ شہنشاہ کے انتخاب کا مسئلہ معرض بحث میں تھا۔ لیکن موقع ایسا آپڑا تھا کہ سراسر انوسنٹ کی بن آئی تھی اور اب اسنے بھی کمر باندہ لی تھی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

انوسنٹ اور اسکا زیر تربیت شہنشاہ۔

سسلی میں کم عمر بادشاہ فریڈرک دوم دشمنوں میں گھرا ہوا تھا اور جب اسکی ماں کا انتقال ہو گیا تو انوسنٹ اسکا متولی مقرر ہوا۔ اس لڑکے کے متعلق اسنے اپنے فرائض بہت ہی ایمانداری سے ادا کئے۔ اسکے لئے بڑے بڑے لائق استاد مقرر کئے، جہاں تک ممکن ہوا اسے اچھی تعلیم دلائی، سسلی میں اسکے حقوق کی حفاظت کی اور اسکی باغی رعایا کے ضرر

وکینہ توزی سے اسے محفوظ رکھا۔

خاندانِ سوآبیا کا
فلپ ۱۱۹۸-۱۲۰۸
آٹو چہارم ۱۱۹۸-۱۲۱۵

جرمنی میں انتخاب کے مسئلے میں اختلاف پیدا ہوگیا جسکا فیصلہ انوسنٹ پر رکھا گیا۔ خاندانِ سوآبیا میں سے فلپ نے پہلے یہی چاہا کہ اسکے بھانجے فریڈرک دوم کا انتخاب ہوجائے لیکن آخرکار بہت سے روٴسائے ملک نے ملکر خود اسی کو بادشاہ بنادیا۔ خاندانِ گلف (بویریا) کے لوگوں نے اپنے قرابتداروں میں سے آٹو چہارم کو بادشاہی کے لئے منتخب کیا۔ انوسنٹ سوم نے آٹو چہارم کے موافق فیصلہ کیا اسنے کہا کہ اس عہدے کے لئے آٹو بہت مناسب ہے اور وہ کلیسا کے جان نثاروں میں ہے۔ برخلاف ازیں فلپ اہل کلیسا کے ستانے والوں میں سے ہے۔ فلپ اس امر کا اعلان کرچکا تھا کہ وہ تمام مقبوضاتِ شہنشاہی پر اپنا دعویٰ قائم کریگا۔ ادہر آٹو چہارم یہ حلف اٹھا چکا تھا کہ پوپ کے کسی دعوے میں ہرگز مداخلت نہ کرے گا بلکہ ریاستِ پوپ کے تمام مقبوضات کی حمایت کرے گا۔ لامحالہ خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ آٹو کو شکست دینے اور ملکِ جرمنی پر قابض ہونے کے بعد ہی (۱۲۰۸ء میں) فلپ مارڈالا گیا اور آٹو کا اب کوئی رقیب نہ رہا اور تمام ملکِ جرمنی نے اسے تسلیم کرلیا۔ لیکن آٹو چہارم نے تاج سر پر رکھتے ہی پوپ کی نسبت اپنی رائے بدل دی، اپنے حلف کو توڑ دیا، سسلی

اور ٹسکینی کا اس بنا پر دعوی کیا کہ یہ دونوں ملک بھی جزو شہنشاہی تھے - جنوب اٹلی کی جنگ میں وہ ظفر مند رہا لیکن ابھی پوری فتح نہ ہونے پائی تھی کہ پوپ نے رؤسائے جرمنی میں بغاوت پھیلا کر فریڈرک دوم کو تاج جرمنی کے خواستگاروں میں پیش کر دیا - چند جرمن امیروں کے طلب کرنے پر فریڈرک اس کم سنی پر بھی جرمنی میں چلا گیا، فلپ شاہِ فرانس کو اپنے ساتھ متفق کر لیا اور تین برس کی مدت میں بلا شرکت غیرے جرمنی کا مالک بن بیٹھا -

فریڈرک دوم ۱۲۱۵ - ۱۲۵۰ -

اننوسنٹ کا اپنی مراد کو پہنچنا -

اننوسنٹ سوم نے اپنے مقاصد کے پورا کرنے کے لئے اب زیادہ زور کے ساتھ سعی شروع کی - فریڈرک نے پوپ کے جاگیردار کی حیثیت سے سسلی پر قبضہ کیا، وسط اٹالیہ میں اننوسنٹ نے اہل شہر کو اپنے ساتھ متفق کر کے شہنشاہی عہدہ داروں کو نکال دیا اور انکی جگہ پر اپنے عُمّال مقرر کئے - شاہ پرتگال نے اسکی سیادت کو تسلیم کیا اور خراج دیا - شاہِ اراگون اسکے جاگیرداروں میں شامل ہو گیا - شاہِ لیون بزور اظہار اطاعت پر مجبور کیا گیا - بلغاریہ، ہنگری، پولینڈ، سرویا، ڈنمارک، ناروے اور سویڈن میں اننوسنٹ نے اپنا دعویٰ کچھ نہ کچھ منوا لیا - فرانس میں اننوسنٹ نے بادشاہ کے خانگی معاملہ میں دخل دے کر اسے مجبور کیا کہ اپنی زوجہ سے

پھر رجوع کرے، جسے اسنے بلا کافی وجہ کے طلاق دیدی تھی۔ لیکن سیاسی معاملات میں فلپ دوم نے پوپ کی مزاحمت کی اور کچھ نہ کچھ کامیاب بھی رہا۔ انگلستان میں انوسنٹ نے جان کو مجبور کردیا کہ اسٹیفن لینگٹن کو کینٹربری کا اسقفِ اعظم مقرر کرے اور پھر بیرنوں کے مقابلے میں بادشاہ کو اسنے مدد بھی دی۔

مشرق۔ تھوڑے عرصے تک تو یہی گمان ہوتا تھا کہ مشرق کے بلاد نصاریٰ پوپ کے قبضے میں آجائینگے انوسنٹ سوم نے چوتھے محاربۂ صلیبی میں ممانعت کردی تھی کہ قسطنطنیہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کیجاے لیکن جب شہر لے لیا گیا اور لاطینی کلیسا وہاں قائم ہوگیا تو اسنے اس کام کو منظور کرلیا۔ اُمید یہ تھی کہ قسطنطنیہ سے (جو بہت اچھے موقع پر واقع ہے) اسکا اثر تمام بلادِ مشرق پر پھیل جائیگا۔ لیکن قسطنطنیہ کی سلطنت اتنی جلد زوال پذیر ہوگئی کہ ساری آرزوئیں برباد ہوگئیں۔

اسکے عہد میں مغرب میں بہت طرح کے الحاد نمودار ہوے جن میں سب سے زیادہ جس الحاد کی اطاعت ہوی وہ البیجنسی تھا۔ انوسنٹ اور اس کے جانشین اس جنگ صلیبی کے ذمہ دار ہیں جسکا وعظ ان لوگوں کے خلاف کہا گیا تھا اور جسے سیمن ڈی مونٹفورٹ نے انجام دیا تھا۔ ۱۲۱۵ء میں مجلسِ لٹرن میں استیصال ارتداد کی بنا ڈالی گئی اور اعلان کردیا کہ الحاد ایسا گناہ ہے جسکی سزا موت ہے۔ اسی

مجلس لٹرن ۱۲۱۵

مجلس میں (روٹی اور شراب، کی قلبِ ماہیت اور گناہوں کے زبان سے اقرار کرنے کے اصول بنائے گئے۔اکیسویں دفعہ اس مجلس کے قانون کی یہ حکم دیتی ہے کہ ہر عیسائی کو کم سے کم سال میں ایک دفعہ اپنے گناہوں کا اعتراف پادری کے سامنے کرنا ضروری ہے، اس عمل کے بعد وہ عشائے ربانی کا اصطباغ لے سکتا ہے اگر کسی شخص نے اعتراف نہ کیا تو اسکے لئے کلیسا کا دروازہ بند ہوجائے گا اگر وہ مرجائیگا تو عیسائیوں کے مراسمِ تجہیز سے محروم رہیگا۔" اسی زمانے سے اعترافِ معاصی ہی ایک ذریعہ عفوِ گناہِ جسمانی کا سمجھا جانے لگا اور صرف پادری ہی خدا کی طرف سے گناہوں کو معاف کرسکتا ہے"

قلبِ ماہیت کا اعتقاد اس زمانہ تک عموماً کلیسا کی ضروریاتِ مذہب میں داخل نہ ہوا تھا، اب وہ داخل کرلیا گیا اور قاعدہ قرار پایا کہ اس پادری کے سوا جس کو باضابطہ اجازت ہوچکی ہو اور کوئی یہ رسم ادا نہیں کرسکتا ۔ اننوسنٹ نے یہ اعلان کیا تھا کہ مجلس میں دو مسئلوں پر بحث ہوگی، ایک تو بیت المقدس کے چھڑانے کے متعلق اور دوسرے اصلاحِ کلیسا کی بابت ۔ بہت سے ضابطے حقیقت میں اصلاح کی شان لئے ہوے تھے اور ہر قسم کے مسائل پر اس مجلس کے بحث کرنے سے اننوسنٹ کی باریک بینی اور خلوص نیت کا اظہار ہوتا ہے۔ غرض ۱۲۱۷ء میں ایک بڑی جنگِ صلیبی کے ہونے کی اطلاع دیگئی اور اسکے لئے بیحد تیاریاں کی گئیں لیکن اننوسنٹ اس

جنگ کے دیکھنے تک زندہ نہ رہا۔ وہ اسی جنگِ صلیبی کے سامان میں ہمہ تن مصروف تھا کہ مقام پیروجیا میں اس کا انتقال ہوگیا۔

بظاہر حال اسکا عہد پاپائی کامیاب معلوم ہوتا ہے اس نے تمام دنیا دار سلطنتوں پر ہر معاملے میں کھلی کھلی فتح پائی تھی۔لیکن اس نے لوگوں کو بددل کر رکھا تھا۔ جنگِ صلیبی کے لئے جو مظالم البیجنسی پر ہوے اسنے تمام جنوبی فرانس کو اسکا مخالف بنادیا۔ انگلستان کے

پوپ کے عہد کا دوسرا رخ۔

بادشاہ جان پر اس کا غالب آجانا اور پھر اسکی رعایا کے خلاف اسکو مدد دینا ایسی باتیں تھیں جنسے اہل انگلستان کے دلوں میں اسکی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی تھی۔جرمنی میں بھی یہی انجام ہوا۔ (فرانس کے) موزوں طبع لوگوں نے اسکے متعلق تہتک آمیز نظمیں لکھیں۔ والتھروان درو گل دیڈ نے پوپ کو دنیاداری و طمع زر اور حرص وہوا پر خوب ہی لتاڑا۔ بہرحال انٹوسنٹ نے پوپ کے سیاسی اغراض کی اچھی طرح تصریح کردی اور اسکو عمل میں لانے کی بھی بہت سعی کی۔ اسکے زیرِ اثر بعض مہتم بالشان عقائد و رسوم و اعمال کلیسا میں داخل ہوئے۔ کتاب قانون شریعت کی ترتیب و تالیف اگرچہ اس نے شروع نہیں کی تھی مگر یہ کام بالکل اسکی رائے کے موافق تھا اور جن باتوں کا اسنے دعویٰ کیا تھا انہیں اس کتاب نے ایک قانونی شکل و بنیاد عطا کردی۔ اگر یہ کہیں تو مبالغہ نہیں ہے کہ

اقتدارات پوپ کے بڑے بڑے بانیوں میں آخری شخص
یہی تھا۔ اسکے منصوبے بہت نمایاں کامیابی کے ساتھ انجام
پائے لیکن اسکا سب سے زیادہ کام کا آلہ یعنی تعطل طرسم
مذہبی کثرتِ استعمال کے سبب سے کند ہوگیا تھا۔ کچھ ایسی قوتیں
بھی پیدا ہورہی تھیں جو بہت جلد اُسکا سارا کھیل بگاڑ دینے والی تھیں۔
اسکے زیرِ اقتدار رہکر پوپ کا روحانی اثر کم ہوگیا جسکا سبب یہ تھا
کہ اسنے معاملاتِ سیاسیہ کو اصلِ مقصود قرار دے لیا تھا۔ جو زائرکہ
بہت ذوق شوق سے روما میں آتے تھے انہیں اسبات سے
صدمہ ہوتا تھا کہ وہاں کوئی روحانی خوبی دیکھنے میں نہیں آتی
تھی۔ بلکہ دیکھتے تو یہ دیکھتے کہ علمائے دین کی زبان پر شب وروز
دنیاوی معاملات کا ذکر ہے۔

سب سے بڑے پوپ کے بعد سب سے بڑے شہنشاہ
کا دور ہوا، ۱۲۱۲ء میں فریڈرک اس دلیرانہ قصد سے روانہ
ہوا تھا کہ جرمنی کا ملک آٹو سے نکال لے۔ اسنے فلپ (شاہِ فرانس)
کو اپنے ساتھ پھر متفق کرلیا اور جرمن امرا نے جو رائن کے
قرب وجوار میں تھے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس خطرے کو
آتے ہوے دیکھ کر آٹو نے بھی اپنے حلیفوں سے کمک مانگی۔
چنانچہ جان (شاہ انگلستان) نے ایک لشکر برّاعظم میں بھیجا
تاکہ وہ کونٹ فلینڈرز، ڈیوک برامانٹ اور شمالی فرانس کے
دوسرے امرا کے ساتھ شاہِ فرانس کے خلاف شریک ہوجائے
اس مرحلے میں نتیجہ خیز جنگ ۱۲۱۴ء میں بووینز کے قریب

واقع ہوئی جسکا انجام فلپ دوم کی کامل فتح پر ہوا - اسطرح پر اپنے حلیفوں کا کام تمام ہوجانے سے آٹو چہارم کو فریڈرک کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہونا پڑا - وہ اپنی جاگیر کی طرف چلا گیا اور ۱۲۱۸ء میں ہرزبرگ میں مرگیا -

جنگِ بوئنز ۱۲۱۴ء

فریڈرک دوم اور پاپائیت

۱۲۱۵ء میں فریڈرک کو آکین میں تاج پہنایا گیا - اس نے جرمنی میں امنِ عام کی منادی کرادی اور انوسنٹ سوم جس جنگِ صلیبی کا سامان کررہا تھا اس میں جانے کا عہد کیا - دوسرا کام اسکا یہ تھا کہ تاج شہنشاہی کو حاصل کرلے، لیکن انوسنٹ اسکی بڑہتی قوت کو دیکھکر اندیشہ مند تھا حالانکہ فریڈرک ہر امر میں اسکا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتا تھا - اسے یہ ڈر تھا کہ اگر فریڈرک، جرمنی اور سسلی دونوں پر قابض ہوجائیگا تو یہ دونوں ملک ایک میں شامل کردئے جائینگے، اور پھر فریڈرک تمام اٹلی پر اپنا اقتدار جمانے کی کوشش کرے گا - اسی سبب سے اسنے فریڈرک کو راضی کرکے اس سے یہ وعدہ لیا کہ تاج شہنشاہی کے پاتے ہی وہ سسلی کی حکومت اپنے خورد سال بیٹے ہنری کو دیدے گا، اور ہنری پوپ کے جاگیردار کی حیثیت سے سسلی پر قابض رہیگا - مگر موت نے انوسنٹ کو مہلت نہ دی کہ وہ اسے تاج پہنائے اور اسکے جانشین ہنوریس سوم نے یہ رسم ادا کی - فریڈرک نے باوجود اپنے وعدے کے شاہِ سسلی

کا لقب اپنے لئے قایم رکھا - یہ عہد شکنی تو ضرور تھی لیکن ہنوریس سوم نے اسوجہ سے اسکا کچھ خیال نہ کیا کہ اسکی بڑی خواہش یہ تھی کہ جنگِ صلیبی ضرور ہو، اور فریڈرک اس میں شریک ہو لیکن فریڈرک کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذر ملجاتا تھا اور وہ اپنی روانگی کو ملتوی کردیتا تھا - اسنے شاہِ یروشلیم کی بیٹی آیولانتھی کے ساتھ شادی کرلی اور اسکے باپ کے حقوق کی کچھ پروا نہ کرکے یہ لقب خود اختیار کرلیا - گریگری نہم نے (۱۲۲۷-۱۲۴۱) جب فوراً فلسطین کی طرف روانہ ہونے کا تقاضا کیا تو آخر کار (۱۲۲۷ء میں) وہ برنڈسی سے جہاز پر سوار ہوا لیکن تین دن کے بعد واپس آگیا اور عذر یہ کیا کہ وہ علیل ہوگیا ہے، گریگری نے اسکا عذر قبول نہ کیا اور اسکو موردِ لعن قرار دیدیا۔ فریڈرک نے پھر اس لڑائی پر جانے کا سامان کیا لیکن گریگری نے کہا کہ جب تک لعنت سے نجات نہ حاصل کرے اس مہم پر نہ جائے - الغرض جون ۱۲۲۸ء میں فریڈرک پھر برنڈسی سے جہاز پر سوار ہوا - فلسطین میں پہونچکر اسے معلوم ہوا کہ جنگ و جدال سے ملکِ مشرق پر فتح پانا محال ہے - تاہم اسنے حکمتِ عملی سے یروشلیم، بیت اللحم، نزارتھ اور نصرانیوں کے دوسرے مقامات پر قبضہ کرلیا - اسنے یروشلیم میں تاج پہنا اور وطن کی طرف مراجعت کی اس اثناء میں پوپ کی نافرمانی کرنے پر وہ تین مرتبہ دین سے خارج ہوچکا تھا

تین مرتبہ دین سے خارج ہونا۔

فریڈرک کی غیبت میں پوپ نے جرمنی کے لوگوں کو اُسکی

مخالفت پر ابھارا تھا اور خود اپنے صرف سے ایک لشکر جمع کرکے جنوب کے ممالکِ شاہی پر حملہ کیا تھا جس میں اسے کچھ کامیابی بھی ہوی۔ لیکن جب (۱۲۲۹ء میں) فریڈرک واپس آگیا تو پوپ حیران ہوکر رہ گیا، اور جنگ کو جاری رکھنے کی تاب نہ لاکر صلح کا طالب ہوا۔ دونوں (۱۲۳۰ء میں) سان جرمینو

سان جرمینو ۱۲۳۰ء

میں آکر ملے اور باہمی مراعات کے ساتھ صلح کرلی

سسلی میں ایک نئی حکومت۔

اب فریڈرک، سسلی کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۲۳۱ء میں اسنے مشہور و معروف دستور حکومت سسلی شایع کیا، جس سے جاگیردارانہ انتظام تباہ ہوگیا اور اسکی جگہ پر حقیقی حکومتِ شاہی قایم ہوگئی۔ امرا اور انکی عدالتوں کے بجائے شاہی حکام اور انکی عدالتیں قایم ہوگئیں۔ مختلف محاصلِ جاگیر کی جگہ بلاواسطہ محصول نے لے لی اور دوسرے تغیرات بھی کئے گئے جنکا نتیجہ یہ تھا کہ جہاںتک حکومت کے چلانے کا تعلق تھا، ایک بالکل ہی زمانۂ جدید کی سی سلطنت پیدا ہوگئی تھی۔

ایک عرصے تک شہنشاہ کا جرمنی سے باہر رہنا بڑی بے انتظامی و پریشانی کا سبب ہوگیا۔ اسنے (۱۲۲۲ء میں) اپنے فرزند ہنری کو اگین کا بادشاہ کردیا تھا اور اختیارات بہت زیادہ کردئے تھے۔ ۱۲۳۴ء میں ہنری نے اپنے باپ سے بغاوت کی لیکن گرفتار ہوکے اٹلی میں بھیجدیا گیا اور وہیں (۱۲۴۲ء میں) قید میں مرگیا۔ ۱۲۳۵ء میں مینز کی ایک بڑی مجلس شوریٰ (ڈائٹ)

میں فریڈرک نے خانگی جنگ کی ممانعت کردی - ملک میں امنِ عام کی منادی کرائی اور خود اپنے اور خاندان گلف کے فسادات کا اسطرح خاتمہ کردیا کہ اس خاندان کا جو آخری نمائندہ تھا اسے ڈیوک بنادیا اور ایک بڑی امارتِ خاص اسی کے لئے قایم کی۔ اسوقت وہ اپنے منتہائے عروج پر پہنچا ہوا تھا جرمنی اور سسلی دونوں تمام و کمال اسکے قبضے میں تھیں۔

فریڈرک دوم پھر کشمکش پیدا کرتا ہے۔

اقتدار پوپ اور شہنشاہی کی باہمی نزاعیں جو کبھی تخفیف کبھی شدت کے ساتھ ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصے سے چل رہی تھیں انہوں نے دونوں طرف گردِ کدورت کے انبار لگادئے تھے۔ اکثر دونوں میں کسی نہ کسی طرح صلح کرادیجاتی تھی لیکن اصلی مسئلۂ مابہ النزاع کا نہ فیصلہ ہونا تھا نہ ہوا۔ دنیا کے دو مطلق العناں فرماں روا نہیں ہوسکتے - جبتک دونوں میں سے ہر ایک کو تفوق کا دعوی ہو اور وہ دوسرے کو تابعدار بنالینا چاہے اسوقت تک صلح قایم نہیں رہ سکتی تھی - فریڈرک کو یہ خیال آیا کہ اسوقت اسے ایسی قوت حاصل ہے کہ وہ اس مسئلے کو بزور طے کرسکتا ہے - جھگڑا اٹھا کرنے کے لئے سارڈینیا کا معاملہ ایک اچھا حیلہ ہاتھ آگیا کیونکہ حال ہی میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ سارڈینیا کلیسا کی جاگیر ہے - ۱۲۳۸ء میں فریڈرک نے سارڈینیا کے جزوِ شہنشاہی ہونے کا دعوی کیا، اور اس پر قبضہ کرنا شروع کردیا- پوپ نے اعتراض کیا مگر

بیکار ۔ فریڈرک اپنے کام پر مصر رہا اور اسی وقت سے پوپ کی نفرت فریڈرک کے ساتھ حدِ اختیار سے گزر گئی اور آخر لڑائی شروع ہوگئی۔ گریگوری نہم اور اسکے جانشینوں نے جرمنی کے حکمرانوں کو فریڈرک کی وفاداری کی قسموں سے آزاد کردیا۔ اور رعایا کو بھی اسکے خلاف میں اُبھارنا چاہا۔ اٹلی کے سارے شہر اسکے مقابلے میں صف بستہ ہوگئے اور فرانس سے کمک طلب کیگئی۔ اسکے ساتھ ہی اس غرض سے کہ تمام عیسائی اسکی طرف سے وحشت زدہ و متنفر ہوجائیں فریڈرک پر انواع و اقسام کے الحاد کا الزام لگایا گیا۔ یہ خبر مشہور کی کہ وہ کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ) مذہب کے بارے میں تین بڑے مکار گزرے ہیں جنہوں نے تمام دنیا کو فریب دیا ہے ۔ موسیٰؑ عیسیٰؑ محمدؐ (علیہم السلام) ۔ فریڈرک نے علمائے دین کی اور گروہِ کلیسا کی توہین کی ہے۔ نیز وہ یہ کہتا ہے کہ جو بات بہ دلیل قابلِ قبول نہ ہو اسپر اعتقاد نہیں ہوسکتا۔ اسکے الحاد کا ثبوت اسبات سے بھی دیتے ہیں کہ وہ یہودیوں اور مسلمانوں سے صحبت رکھتا تھا، اور اپنے ملک میں تمام اہلِ مذاہب کو اپنے اپنے رسومِ مذہبی ادا کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ شہنشاہ نے بڑے زور کے ساتھ اپنے کو ان الزامات سے بچانے کی کوشش کی۔ اس کو انجیل یوحنا کے پر از صنایع و بدایع کلام میں بھی درک تھا اسنے پوپ کو دشمن عیسیٰؑ، وہ فرشتہ جو تحت الثریٰ سے نکلکر آیا ہے، (شیطان) اور لال گھوڑے کا وہ سوار جو دنیا امن کو برباد کردے گا

(دجّال) قرار دیا۔ گریگری نے ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کرنی چاہی لیکن فریڈرک نے ان پادریوں کو جو اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے چلے تھے، راہ میں گرفتار کرلیا اور اس طرح مجلس موقوف رہی۔ اس نے اٹلی پر تاخت کی اور قبضہ کرتا ہوا روما کے دروازوں تک پہنچ گیا۔ گریگری نہم کے مرنے کے بعد کارڈنل کسی پوپ کا انتخاب نہ کرسکے اور سنٹ پیٹر کی کرسی دو برس تک خالی رہی۔ فریڈرک نے ان پر ہر قسم کا دباؤ ڈالکر بہت چاہاکہ اسکے تجویز کئے ہوئے شخص کو انتخاب کردیں لیکن کارڈنلوں نے کامیابی کے ساتھ اسکی مخالفت کی۔ آخر ۱۲۴۳ء میں فریڈرک کے دوستوں میں سے ایک شخص منتخب ہوگیا اور اس نے انوسنٹ چہارم کا لقب اختیار کیا (۱۲۴۳ - ۵۴ء)۔ لیکن اب بھی فریڈرک کو ایسے آثار معلوم ہوئے کہ لڑائی ضرور چلتی رہیگی کیونکہ اسکے قول کے موافق کوئی پوپ گبلائن (حامی شہنشاہ)، ہو ہی نہیں سکتا تھا انوسنٹ، فرانس کی طرف نکل گیا اور لائنز میں اس نے ایک مجلس منعقد کی جس میں شہنشاہ کو پھر معزول کرکے موردِ لعن قرار دیا'۔ تمام لوگوں کو ممانعت کردیگئی کہ کوئی اسے اپنا بادشاہ یا شہنشاہ نہ سمجھے۔ امرائے جرمنی کے پاس یہ حکم پہنچاکہ کسی دوسرے بادشاہ کے انتخاب کی کارروائی جاری کریں۔ انوسنٹ نے کہاکہ وہ خود سسلی کی نگرانی رکھیگا۔ اسپر فریڈرک نے یہ جواب دیاکہ وہ قطعًا ایک معتبر عیسائی ہے اور اسے اس کوشش میں ایک عمر گزری ہے کہ علمائے نصاریٰ کی معیشت مناسب طریقے پر ہو اور محتاجی و خاکساری میں

حوارئین کے قدم بقدم چلیں ۔ فتح تو گویا فریڈرک کے قبضے میں
تھی لیکن انوسنٹ چہارم کے وہم و گمان میں بھی
اطاعت کا خیال نہیں آیا ۔ پوپ نے اس امید میں کہ
کھوئے ہوئے اقبال کی کچھ تلافی ہو سکے گی، اپنی سعی
و کوشش دوچند کردی اسنے فرانس سے، اٹلی کے شہروں
سے، اہل جرمنی سے فریاد کی اور بڑی جدوکد سے جنگ جاری رکھی۔
اسنے اس جنگ کو محاربات صلیبی میں شمار کیا اور جو لوگ اس
میں شریک ہوں اُن کو ویسی ہی مراعات اور ثواب روحانی کا مستحق
قرار دیا جیساکہ شرقیین کے مقابلے میں وہ حاصل کرتے ۔ ۱۲۴۶ء میں
اُس کو اتنی کامیابی تو ہوی کہ فریڈرک کی جگہ تھیورنجیا کے ہنری راسپ

شہنشاہ کے مقابلے میں جنگ صلیبی

کو بادشاہی کے لئے منتخب کرادیا تمام جرمنی
میں خانہ جنگی پھیل گئی ۔ گداگر فرائر نے لوگوں کو
فریڈرک سے برافروختہ کرکے اور مقابلہ جاری
رکھنے کے لئے ہر ہر مقام سے مبلغ خطیر جمع
کرکے پوپ کی اعانت کی۔ ۱۲۴۷ء میں، حکمرانانِ جرمنی کو ترغیب
دی کہ ہالینڈ کے ولیم کو بادشاہی کے لئے منتخب کرلیں اور ۱۲۴۸ء
میں بمقام آکین اسے تاج پہنادیا گیا ۔ فریڈرک کا بیٹا کانریڈ چہارم
جو اسوقت بادشاہِ جرمنی کی حیثیت سے معاملاتِ جرمنی کا کارفرما
تھا ولیم کے روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا ۔ مگر بادشاہ کو مصائب
نے گھیر لیا تھا ۔ فریڈرک کے درباریوں میں ایک سازش ہوی اور
اسے زہر دینیکی کوشش کی گئی ۔ اس کا لڑکا اینزیو گرفتار ہوکر بولونا

میں قید ہوگیا ۔ ایک ایک کرکے اسکے احباب و انصار لڑائی میں کام آگئے ۔ وہ خود بھی بہت بیمار تھا، لیکن اسپر بھی اسنے ہمت نہیں ہاری ۔ اسکی فوج اٹلی میں فتحیاب ہوچکی تھی اور قریب تھا کہ روما اسکے قبضے میں آجائے مگر اس جھگڑے کے چکنے میں ابھی بہت عرصہ تھا کہ (۱۳۱- دسمبر ۱۲۵۰ء کو) شہنشاہ کا انتقال ہوگیا۔

فریڈرک دوم کی موت ۱۲۵۰ء اسکی عادات و اطوار

فریڈرک دوم اگرچہ قرونِ وسطیٰ کا شخص تھا مگر اسے دورِ جدید کا شخص بھی سمجھنا چاہیئے وہ متضاد ہی نہیں بلکہ متبائن باتوں کا مجموعہ تھا۔ دورِ جدید کے آثار میں سے سب سے بڑی بات اس میں یہ تھی کہ وہ مذہبی خیالات کے زیر اثر نہیں تھا بلکہ تمامتر سیاسی خیالات کا تابع تھا۔ نظامِ جاگیرات کے طرزِ حکومت کا وہ پابند نہیں تھا بلکہ سسلی میں اس نے واقعی ایک مطلق العنان سلطنت کی بنا ڈالدی تھی اور یہی بادشاہی دورِ جدید کے طرز کی پہلی بادشاہی سمجھی جاتی ہے جرمنی میں اسنے ملحدوں کو سزا دی، لیکن خود بہت ہی آزاد خیال تھا۔ اپنی مملکتِ سسلی میں اسنے تمام مذہبوں کو روا رکھا۔ وہ طرز و عبادات میں پورا جرمن نہ تھا بلکہ اطالوی، یونانی اور شرقیین کے تمام عنصر جو اٹلی کے جنوب میں پائے جاتے ہیں ان سب کا عطر مجموعہ تھا۔ وہ لاطینی، اطالوی، فرانسیسی، جرمن، یونانی اور عربی میں باتیں کرتا تھا۔ علم و ادب میں اسے ان تمام شہنشاہوں پر فوق حاصل تھا جو اس سے پیشتر گزر چکے تھے ۔ خود شاعر تھا اور اسکے دربار میں علما و شعرا کا

جمع رہا کرتا تھا۔ (۱۲۲۴ء میں)، نیپلز کی یونیورسٹی اسی نے قایم کی۔ اسنے جو باغ حیوانات بنوائے وہ محض شوق کے لئے نہیں تھے بلکہ علمی ترقی بھی ان میں مدِنظر تھی۔ وہ اس آزاد فرقے سے تعلق رکھتا تھا جس کا ایک رکن ابیلارڈ بھی تھا۔ سسلی میں رہنا اسے زیادہ پسند تھا کیونکہ جرمنی کی بہ نسبت وہاں تعلیم و تہذیب کے آثار زیادہ تھے۔ اسکے اور پوپ کے درمیان جو مسئلہ مابہ النزاع تھا اسے وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شہنشاہ کو مطلق العنان ہوکر حکومت کرنے کا حق ہے جسکے لئے وہ لڑرہا ہے۔ سیاسی حکمتِ عملی میں وہ بڑا ماہر تھا اور اسی سبب سے اکثر موقعوں پر فتحیاب ہوا۔ جھگڑا ختم ہونے کے پہلے ہی وہ مرگیا لیکن وہ یہ جان چکا تھا کہ اسکے اور اسکے خاندان کے خلاف میں فیصلہ ہونے والا ہے۔ اس کی آخر عمر کا زمانہ ہجومِ مصائب کے سبب سے بہت سخت گزرا لیکن مرتے وقت تک وہ دل شکستہ نہ ہوا۔

فریڈرک دوم کے مرتے ہی خاندانِ ہوہنسٹافن کی طاقت ٹوٹ گئی لیکن انہوں نے لڑنا موقوف نہیں کیا۔ ہالینڈ والے

کانریڈ چہارم (۱۲۵۰-۱۲۵۴) و ولیم (ہالینڈی)

ولیم کے مقابلے میں کانریڈ چہارم فریڈرک دوم کا بیٹا جرمنی میں ٹھہر نہ سکا اور اس لئے سسلی میں چلاگیا جسے اسکے علاتی بھائی مینفریڈ نے ابھی تک کامیابی کے ساتھ اس کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ کانریڈ چہارم نے پوپ سے صلح کرنیکے لئے خواہش کی

لیکن اس کی تمام تحریکیں نامنظور ہوئیں۔ انوسنٹ چہارم بہت سخت دل شخص تھا وہ قسم کھاچکا تھا کہ اس قابل نفرت نسل اسٹافن کو بالکل ہی تباہ کردینا چاہئے۔ لیکن کانریڈ اور مینفریڈ جنگ میں کامیاب رہے اور باوجود سخت مزاحمتوں کے جنوب اٹلی و سسلی پر قابو پاگئے۔ اسی زمانے (۱۲۵۴ء) میں کانریڈ چہارم اپنا ایک چھوٹا سا لڑکا (جسے اٹلی والے کانریڈینو کہتے تھے) اپنے وفادار بھائی مینفریڈ کی حفاظت میں چھوڑکر دفعتہً مرگیا۔ چار برس کی لڑائی جھگڑوں کے بعد مینفریڈ نے (۱۲۵۸ء میں) مجبور ہوکر خود تاج اپنے سر پر رکھا لیکن یہ شرط کردی کہ اس کا جانشین کانریڈینو ہوگا۔

چارلس آنجوی

اب پوپ نے فرانس سے مدد کی التجا کی اس نے لوئس (شاہ فرانس) کے بھائی چارلس (والئی آنجو) کو سسلی کا تاج پیش کیا۔ چارلس ایک جری و حریص اور بہت ہی نڈر آدمی تھا۔ ۱۲۶۲ء میں سسلی کی بادشاہت اسے دی گئی اور اس نے اس پر قبضہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مینفریڈ نے ارادہ کیا کہ روما کا محاصرہ کرلے اور چارلس کو اٹلی میں اترنے ہی نہ دے مگر اس کوشش میں وہ کامیاب نہ ہوا اور چارلس، روما میں داخل ہوکر ۶ جنوری ۱۲۶۶ء کو تاج شاہی سے سرفراز ہوا۔ تقریباً ایک مہینے کے بعد بینونٹو کے قریب نتیجہ خیز جنگ واقع ہوی اور جب مینفریڈ نے دیکھا کہ اس کی فوج کے بہت سے رسالوں نے دغا دی تو وہ تنہا دشمنوں کے انبوہ کثیر پر جاپڑا اور مارا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ میدان جنگ میں چارلس کے ساتھ ہوجانے کے لئے

مینفریڈ کا انتقال ۱۲۶۶

مینفرڈ کی فوج کو رشوتیں دی گئی تھیں۔ کانریڈینو جس نے اپنی تمام زندگی جرمنی میں بسر کی تھی پکا ہوہنسٹافن تھا۔ گو وہ ابھی لڑکا ہی تھا مگر اٹلی کے گیبلائن (یعنے حامیان شہنشاہی) نے جب اسے مدعو کیا تو اس نے دلیرانہ جواب دیا اور ایک چھوٹا سا لشکر لئے ہوئے چارلس کا مقابلہ کرنے کے لئے سوابیا سے روانہ ہوگیا۔ بڑے کشت وخون کے بعد چارلس فتحیاب ہوا۔ کانریڈینو گرفتار ہوگیا اور نیپلز کی شاہراہ عام پر باغیوں کی طرح اس کی گردن ماردی گئی۔

پوپ کی فتح اس طولانی جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور فتح، پوپ کی ہوئی۔ یہی نہیں ہوا کہ ہوہنسٹافن کا زور ٹوٹ گیا بلکہ خاندان کا خاندان تباہ ہوگیا۔ بس ایک شخص یعنے فریڈرک دوم کا بیٹا انزیو جو بولونا میں قید تھا اس خاندان میں رہ گیا تھا وہ بھی (۱۲۷۲ء میں) قیدخانہ میں مرگیا۔ اب اسٹافن کے معزز خاندان کا وجود بھی باقی نہ رہا۔ اس کے ساتھ ہی کارل اعظم کی شہنشاہی کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔ شہنشاہی فنا تو نہیں ہوئی لیکن اس کی صورت کلیتہً بدل گئی۔ تمام دنیا کی فرمانروائی پہلے خاص شہنشاہ کا حق تھا اب یہ حق پوپ کا ہوگیا، پوپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مذہبی تفوق کی طرح دنیاوی تفوق بھی اسی کا حق ہے اور اب یہ ممکن تھا کہ وہ واقعی یہ اعلان کرسکے کہ وہی پوپ بھی ہے اور وہی شہنشاہ بھی ہے۔

کانریڈ چہارم نے جب ۱۲۵۱ء میں جرمنی کو چھوڑا ہے تو

پھر ولیم ہالینڈی اس ملک پر قابض و متصرف رہا۔ پوپ نے اس بارے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا کہ اہل جرمنی بھی اسے قبول کرلیں لیکن کچھ مدت تک یہ کوشش بیکار ہی رہی۔ دریائے رائن کے قرب وجوار میں جو شہر واقع تھے انھوں نے ۱۲۵۴ء میں اپنی لیگ قائم کرلی اور ایک ہی سال کے عرصے میں ساٹھ شہروں سے زیادہ باہمی حفاظت پر متفق ہوگئے۔ آخر میں ان شہروں نے بھی ولیم کو شمال جرمنی کے شہروں کی طرح قبول کرلیا لیکن فرنیزلینڈ سے اور اس سے کچھ جھگڑا پیدا ہوگیا اور جنوری ۱۲۵۶ء میں وہ کسی فرزین کاشتکار کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اگرچہ اس کے بعد کارنوال کا رچرڈ اور کیسٹائل کا الفانسو دونوں بادشاہی کے لئے منتخب ہوے لیکن ان میں سے کوئی بھی ملک پر قابو نہ پاسکا بلکہ الفانسو تو کبھی جرمنی میں آیا بھی نہیں۔ رچرڈ ملک میں آیا تو ضرور لیکن کبھی وہ حکومت کے کسی اختیار کو عمل میں نہیں لایا۔ ۱۲۵۴ء سے ۱۲۷۳ء تک کا یہ زمانہ "وقفہ طولانی" (Interegnum) کے نام سے مشہور ہے۔

جرمنی کی جاگیردارانہ امارتیں

خاندان اسٹافن اور دربار پوپ کی ان نزاعوں میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ امارتوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور مشرق کے حدود سلطنت بہت وسیع ہوگئے۔ ہوہنسٹافن کی مصلحت ملکی اس امر کی مقتضی تھی کہ بڑے بڑے امیروں کا زور اس تدبیر سے توڑدیں کہ ان کی امارتوں کو متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں

منقسم کردیں اور انھیں مختلف لوگوں میں بطور جاگیر کے تقسیم کردیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ بڑی امارتیں ٹوٹ کر بہت سی جاگیرداریاں، زمینداریاں، سرحدیں، حلقہائے اسقفی اور دوسری طرح کی ریاستیں پیدا ہوگئیں اور یہ سب کی سب اپنی اپنی جگہ پر آزادی کی خواہشمند تھیں۔ ان چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے قائم کرنے کا اثر یہ بھی ہوا کہ بڑی بڑی قوتیں ٹوٹ گئیں۔

سرحد مشرقی مشرقی سرحد پر ایک عظیم الشان تغیر واقع ہوگیا تھا۔ اقوام سلیو، لیٹز اور مگیار جو تمام مشرقی سرحد پر پھیلی ہوی تھیں، فتح کرلی گئیں تھیں اور عیسائی اور جرمن بنائی جارہی تھیں۔ مشرقی سرحد بحیرۂ بالٹک کیطرف دریائے وسٹولا سے بھی آگے بڑھ گئی تھی اور وادی اوڈر اس میں شامل ہوگئی تھی۔ یہاں سے یہ سرحد ایک کج واکج خط میں ہوتی ہوی وائنا کے نیچے ڈینوب تک پہنچ گئی تھی۔ جرمنی ہمیشہ کے لئے اٹلی کو ہاتھ سے کھو بیٹھی لیکن اس کے عوض میں ان وحشی قوموں کو فتح کرکے اور انھیں اپنے میں ملاکر اس نے ایک حد تک اس نقصان کی تلافی کرلی تھی۔

شہر جرمنی کے اندر علم و ادب و دولت میں بہت ترقی ہوگئی تھی۔ بہت سے شہر بس گئے تھے اور کسی ذی اقتدار فرمانروا کے نہ ہونے سے ان کو آزاد رہتے رہتے یہ موقع مل گیا تھا کہ وہ آپس ہی میں متفق

ہوکر اپنی زبردست لیگ قائم کریں ؛

اس کشمکش کے نتائج

شہنشاہ اور پوپ کی لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک جرمنی و اٹلی کا بند بند جدا ہوگیا، ادھر تو جرمنی کے جاگیردار امرا نے قوت پیدا کرلی اُدھر اٹلی کے شہروں میں آزادی نے نشوونما حاصل کی اور فرانسیسیوں نے اس جزیرہ نما کے جنوبی حصہ میں استحکام کے ساتھ اپنا قدم جمالیا اور یہ بدنصیب ملک اتفاق و اتحاد کے بارے میں پہلے سے بھی زیادہ دور جا پڑا؛

باب (۱۱)

خانقاہیت

رہبانیت کی فلسفیانہ بنیاد

رہبانیت کی فلسفیانہ بنیاد اس عقیدے پر ہے، کہ مادّہ تمام بدی کی جڑ ہے، اور اس لئے مادّے سے کسی طرح کا واسطہ رکھنا نجس یا مضرت رساں ہے، بدی کا یہ تخیّل نہ یہود کے یہاں کا ہے نہ نصاریٰ کے یہاں کا، بلکہ تمامتر مشرکوں کے یہاں کا ہے۔ مسیح خود دنیا کی اچھی چیزوں کو بے تکلف استعمال کرتے تھے، اور ان کی تعلیم یہ تھی، کہ گناہ کا کوئی وجود انسان سے خارج میں نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اس کے باطن میں ہے۔ لیکن مسیح کے متبعین اس تعلیم کو اچھی طرح سمجھ نہ سکے؛ یہ اعتقاد کہ مادّہ ہی بدی ہے، اصل میں فلاسفۂ مشرکین سے ماخوذ ہے۔ اس خیال نے فلسفیانہ حلقوں ہی کو خراب نہیں کیا بلکہ دوسری صدی عیسوی میں عوام الناس کا عام مذہب بن گیا۔ یہ خیال ان کے دلوں میں اس درجہ راسخ ہوچکا تھا، کہ مسیحیت تک اس کے مٹانے پر قادر نہ ہوسکی۔ لوگ پہلے ہی اعمال رہبانیت کو داخل عبادت سمجھنے لگے تھے، اور مسیحی ہوجانے کے بعد مذہب کے غلو و انہماک میں وہ اور زیادہ رہبانیت کی

ریاضت پر متوجہ ہوگئے۔ مسیحی رنگ میں آکر رہبانیت نے وہ خاص صورت اختیار کی جسے ہم خانقاہیت کہتے ہیں ؛

کلیسا میں رہبانیت کے داخل کرنیکے مناسب موقع حالات۔

شہنشاہی کا جو شدید انحطاط دوسری صدی میں شروع ہوا، نیز وحشیوں کی یورشوں نے جو ابتری پھیلادی، اس نے اکثر لوگوں کو لطف زیست سے محروم کردیا۔ یہ معلوم ہورہا تھا کہ دنیا اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکی ہے، اور قیامت کا دن قریب آگیا ہے۔

اعلیٰ ترین اشخاص پر یاس و افسردگی چھاگئی تھی اور انکی خواہش یہ تھی کہ وہ ملک کی ابتری و طوفان بے تمیزی سے کنارہ کش ہوکر کہیں چھپ رہیں، تقریباً ۳۰۰ء عیسوی سے کلیسا پر دنیاوی رنگ تیزی کے ساتھ غالب آنے لگا۔ نصرانیت جب ہر دلعزیز ہوگئی تو بیشمار لوگ اسکے دائرے میں داخل ہوکر برائے نام عیسائی بن گئے تھے مگر درحقیقت اپنے اصلی عقائد و اعمال میں وہ مشرک ہی رہے، اساقفہ عموماً مغرور و متکبّر ہوتے تھے، اور بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے، جو نفوس حقیقتہً اپنی نجات کے خواہاں تھے، وہ کلیسا کے اس مضرت رساں اثر سے بیزار ہوکر صحرا میں چلے جاتے، اور کلیسا سے بے واسطہ ہوکر خدا کا راستہ تلاش کرتے۔ پس کلیسا کے دائرۂ عبودیت میں صرف عام لوگ رہ گئے۔ جن لوگوں سے ہوسکتا، ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ

وہ رہبانیت و عبادت کے ذریعے سے وہ سب کچھ حاصل کرلیں

دو راستے جو دوسروں کو کلیسا کے اصطباغ سے حاصل ہوتا تھا۔ پس حصول نجات کے دو راستے ہوگئے، ایک راستہ کلیسا اور اس کی رحمت کا تھا، دوسرا رہبانیت و ذکر و فکر کا۔

گوشہ نشین زاہد

خانقاہیت کے ابتدائی حالات آج تاریخ کو معلوم نہیں ہیں لیکن اس کی بنا غالباً تیسری صدی سے پڑی، ابتدائی راہب گوشہ نشین زاہد تھے۔ یہ لوگ بالکل تنہا کسی پہاڑ کے غار یا درخت اور چٹان کے سایہ میں رہتے تھے، یہ تحریک ان ممالک سے شروع ہوی جہاں کے حالات کھلے میدانوں میں رہنے کے موافق تھے اور پھر بہت جلد سارے مشرق میں پھیل گئی۔ رفتہ رفتہ ان زاہدوں نے اپنے تئیں جعلی فقرا اور دوسرے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے واسطے قریب ہی قریب جھونپڑیاں بنانا شروع کردیں، اور غالباً ایک چاردیواری کا حصار بھی ان کے گرد کھینچ دیا، ان کا ایک مشترک معبد ہوتا تھا اور کسی کسی دن یہ لوگ ساتھ ملکر عبادت کرتے اور ساتھ کھاتے تھے۔ انکے یہاں اگرچہ قواعد بہت تھوڑے تھے تاہم یہ اپنا ایک "پیشوا" منتخب کرلیتے تھے، جو اس تمام نوآبادی پر حکمرانی کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ لوگ مکان میں رہنے لگے، اور چونکہ ہر فقیر کے پاس

نیم معاشرتی تنظیم

ایک حجرہ ہوتا تھا اس لئے وہ اپنے حجرے میں کم و بیش مالک و مختار ہوتا تھا۔ اس طرح رہبانیت میں ایک ادھوری

معاشرت کا تمدن قائم ہوگیا۔ جو شخص زاہد ہوکر صحرانشینی اختیار کرتا، ظاہر ہے کہ اپنے مال و متاع، اہل و عیال سے تو پہلے ہی بے تعلق ہولیتا۔ رفتہ رفتہ یہ بھی سمجھا جانے لگا کہ اس نے فقر و پرہیزگاری کی قسم بھی کھالی ہے۔ اور جب یہ لوگ ملکر ایک مکان میں رہنے لگے تو ایک اور لازمی قسم، یعنے اس اجتماع کے قواعد و مقاصد کی پابندی، کا بھی اضافہ ہوگیا؛

کلیسائے یونانی میں خانقاہیت

یہ نیم منتظم مشترک طرز معاشرت بالآخر عام ہوتا گیا، اور راہب اگرچہ اب باہم ملکر رہتے تھے مگر پھر بھی یہ طریقہ عزلت گزینی ہی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کلیسائے یونانی میں بھی خانقاہیت کی یہی شکل شایع رہی ہے، گو تجرد پسند زہاد کا وجود اس کلیسا میں اب بھی ہے، اور ان کی زندگی خاص طور پر مقدس سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت کلیسائے یونانی کے راہب عموماً دنیا سے کنارہ کش ہی رہے ہیں گو کبھی کبھی ان کا اثر دربار پر بھی پڑا ہے، اور چوتھی سے آٹھویں صدی تک جو مہتم بالشان مذہبی انجمنیں منعقد ہوتی رہی ہیں، ان میں بھی انھوں نے خاص حصہ لیا ہے۔ اس وقت کے بعد سے کلیسائے یونانی میں خانقاہیت کی کوئی تاریخ نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی زندگی ہی نہیں رہی تھی، کلیسائے یونانی کی خانقاہیت نے کلیسا کے مردہ رسوم کے قائم رکھنے میں تو مدد دی مگر اس کے ساتھ ہی ہر تغیر، ہر تبدیلی کے لئے سدِّ راہ بنی رہی ہے، بجز اس کے کہ

عبادت کے طور و طریقے زیادہ شاندار و دقیق ہوتے گئے ؛
مغرب میں راہبوں کا قدم سب سے پہلے سنہ ۳۴۰ء میں
آیا، جبکہ اتھینیسیس اپنے ہمراہ دو راہبوں کو روما میں لایا،
اہل روما کو اول اول تو ان سے حیرت اور کچھ نفرت ہوی،
لیکن جب آگسٹاین و جیروم نے اپنی زبردست تحریروں اور
نیز اپنی عملی نظیر سے خانقاہیت کی حمایت شروع کی، تو یہ
تحریک بہت جلد یورپ بھر میں پھیل گئی اور بیحد مقبول ہوی
چنانچہ مغرب میں ڈیڑھ صدی کے اندر اندر صدہا خانقاہیں اور
ہزارہا راہب پیدا ہو گئے۔ شروع شروع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
مغرب کی خانقاہیت بھی مشرق کی خانقاہیت کی سی ہو گئی
ہے اور اس لیئے نہ اس کی کوئی تاریخ ہو گی اور نہ کلیسا کے
کاموں پر اس کا کوئی اثر پڑے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا؛
یہاں آکر مغربیت کی روح اس میں پوری طرح سرایت کر گئی،
اب یہ ایک منضبط و مرتب صورت میں آگئی، اور پاپا و شہنشاہ
دونوں کے ہاتھ میں حدود کلیسا و سلطنت کی توسیع، نیز وحشیوں
میں نصرانیت و تمدن کا اثر پھیلانے کے لئے ایک زبردست
آلہ بن گئی۔ اہل روما کی قوت انضباط، فیروزگاری و حوصلہ مندی
نے قدیم راہبانہ تخیل کو قائم نہ رہنے دیا، راہب گو ترک دنیا کر چکے تھے،
لیکن اب زمانہ انھیں سے ملک گیری و حکمرانی کے کام لینے والا تھا؛

خانقاہیت کا مغرب میں شائع ہونا

بنیڈکٹ
(ساکن نرسیا)
۴۸۰ - ۵۴۳

ابتداءً ہر خانقاہ کے قواعد انضباط جداگانہ تھے،
اور ہر راہب اپنے اعمال میں خود مختار تھا۔ ان

متفرق قواعد کو کسی ایک عام ضابطے کے تحت میں لانے کے لئے بہت دفعہ کوششیں کی گئیں۔ لیکن ان کوششوں میں کامیاب ہونا صرف بنیڈیکٹ آف نرسیا کے لئے مقدر ہوچکا تھا۔ بنیڈیکٹ بحیثیت ایک راہب کے مختلف مقامات پر کئی سال تک رہ کر (۵۲۹ء میں) نیپلز کے متصل کوہ کیسینو میں آگیا، اور اپنے چند قدیم رفیق راہبوں کو لے کر وہاں کوہ کیسینو کی مشہور خانقاہ قائم کی، اور خود اس کا "ضابطہ" تیار کیا۔ اس نے راہبوں کو ایک باقاعدہ انجمن میں منضبط کیا اور بغیر پیر خانقاہ کی اجازت کے خانقاہ سے باہر قدم رکھنا ان کے لئے ممنوع قرار دیا۔ دنیا سے ان کے تعلقات بالکل منقطع کردیئے، اور ان کے شبانہ روز کے ایک ایک ساعت کے مشاغل خود اس نے مقرر کردیئے۔ عبادت و مراقبہ کے اوقات موسم کی حالت کے اعتبار سے بدلتے رہتے تھے۔ انضباط پر بہت سختی سے عمل ہوتا تھا، پرہیزگاری، فقر و اطاعت گزاری کے حلف انھیں کرنا پڑتے تھے۔ع

بنیڈیکٹ کے ضابطے کو کامیاب دیکھ کر دوسری خانقاہوں نے بھی بتدریج اسی کی تقلید کی۔ گری گوری اعظم (۵۹۰ء تا ۶۰۴ء) نے اٹلی، سسلی و انگلستان کے متعدد مقامات میں اس کا تتبع کرایا، ساتویں صدی میں اسکی بہت زیادہ

ع ہنڈرسن کی کتاب "ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخی دستاویزات" (Historical Documents of the middle ages) کے صفحہ ۲۷۴ پر اس ضابطے کا ترجمہ موجود ہے۔

اشاعت ہوی، اور آٹھویں صدی میں بونی فیس کے تحت میں تو گال و جرمنی میں صرف یہی ایک شکل خانقاہیت کی جایز رہ گئی تھی۔ نویں صدی میں بنیڈیکٹ ساکن اینینی نے اس میں اور زیادہ سخت پابندیاں پیدا کردیں، اور یہی ایک مستند اور قدیم ضابطہ قرار پاگیا، اور ۴۰ ہزار سے زیادہ خانقاہیں اس کے تحت میں آگئیں۔ بنیڈیکٹ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے راہبوں کو عالم یا مبلّغ بنائے۔ تاہم رومن اساقفہ نے ان سے تبلیغ کا کام لینا شروع کیا، اور چند روز میں یہی کام ان کی ہستی کا خاص مقصد سمجھا جانے لگا۔ نصرانیت کی اشاعت وحشیوں کے درمیان خاص کر انھیں کے ذریعے سے ہوی؛

کیسیوڈورس اور خانقاہوں میں ترویج علوم

تھیوڈور اعظم کا وزیر اعظم کیسیوڈورس ۵۴۰ء تک مناصب دینوی پر فایز رہا، اس کے بعد وہ اپنی قائم کی ہوی خانقاہ کیلابیریا میں زاویہ نشین ہوگیا۔ وہاں اس نے اپنے تئیں علمی مشاغل کے لئے وقف کردیا، اور اپنے راہبوں کو بھی روزانہ کچھ دیر مطالعے میں مصروف رکھنے لگا۔ اس نظیر کی دوسری خانقاہوں میں بھی تقلید ہونے لگی، اور چونکہ بہت جلد یہ ظاہر ہوگیا کہ خانقاہ کے معاملات کے سرانجام دینے کے لئے علم و فضل ایک ضروری شئے ہے، اس لئے کچھ نہ کچھ راہب ہر خانقاہ میں عالم ہونے لگے اور اس طرح خانقاہوں میں علم و فضل کا رواج ہوگیا؛

سینٹ بنیڈیکٹ کا ارشاد تھا کہ ہر راہب کو مشقت کرنا چاہیئے - اس پر کیسیوڈورس کی ترغیب تعلیم کے اس اضافے کا نتیجہ یہ نکلا، کہ مشرق کے برخلاف، مغرب کے راہب جاہل اور بیکار نہ رہے، دنیوی تعلقات سے ان کا انقطاع کلی نہیں ہوتا تھا، بلکہ یہ لوگ جماعت معاشرتی کے مفید و باکار رکن رہے، پاپاؤں کے ہاتھ میں راہب ایک نہایت زبردست آلہ ثابت ہوئے، پاپاؤں کے واسطے دنیا کو تسخیر کرنیکے لیئے اس سے بہتر شخص کون ہوسکتا تھا جس نے دنیا کو حقیر سمجھکر اسے لات ماردی ہو - پاپاؤں ہی نے انھیں ان کی منزل مقصود سے ہٹاکر زیادہ تر دنیاداری میں پھنسا دیا ؎

راہب "باقاعدہ پادری" اور "دنیاوی پادری"

راہبوں کے لیئے یہ لازمی نہ تھا، کہ وہ پادری بھی ہوں - پہلے یہ لوگ عام دنیادار اشخاص ہوتے تھے، لیکن آگے چل کر ان کا طبقۂ مذہبی میں داخل ہونا لازمی قرار پاگیا، اور خانقاہ میں رہنا مسیحیت کا منتہائے کمال قرار پاگیا، چنانچہ اس عقیدے کو اس قدر تعمیم و قبولیت حاصل ہوی، کہ جہاں کہیں بھی ممکن ہوسکتا تھا، ہر اسقفی کے تمام پادری ایک عام ضابطے کے تحت میں ایک جگہ رہنے پر مجبور کئے جاتے تھے، اس وجہ سے یہ لوگ "باقاعدہ پادری" کہلانے لگے، اور جو پادری دور دراز اضلاع و قصبات میں متفرق تھے، اور دوسرے طریقے پر زندگی بسر نہیں کرتے تھے، وہ دنیاوی پادری کہلاتے تھے -

کلونی دسویں صدی میں نظام خانقاہیت میں اختلال و انحطاط پیدا ہوگیا تھا، خانقاہیں سینٹ بنیڈیکٹ کی تعلیمات و ہدایات سے اس قدر دور جاپڑی تھیں اور خانقاہوں کے اندر کی زندگی اس قدر متبذل ہوگئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب اس کے خاتمے کا دن قریب آگیا ہے، اس کی سب سے پہلی اصلاح، خانقاہ کلونی سے شروع ہوی، جو ۹۱۰ء میں ماکون سے چند میل مغرب، پہاڑیوں میں قائم ہوی تھی۔ اس خانقاہ کے متعدد روسا بہم ایک عرصے تک نہایت ہی قابل و متورع ہوتے رہے جس سے یہاں کے زہد و اتقا کی شہرت تمام اطراف میں پھیل گئی۔ اس کی شہرت کی ترقی کے ساتھ وہاں کے راہبوں کی تعداد میں بھی ترقی ہوتی گئی تاآنکہ یہ ممکن ہوگیا کہ یہاں سے راہبوں کی جماعتیں نئی خانقاہیں بنا کرنے کے لئے باہر بھیجی جاسکیں جب دوسرے مقامات میں بھی اصلاح کی خواہش پیدا ہوی تو ان خانقاہ والوں نے اپنی اصلاح و ہدایت و انضباط کے لئے یہیں کے راہبوں کو طلب کرنا شروع کیا۔ اس طرح پر دسویں اور گیارہویں صدی میں خانقاہ کلونی کا طرز عمل سارے یورپ کی خانقاہوں میں عام ہوگیا۔ تمام خانقاہیں جو اس ضابطے پر عامل تھیں سب باہم منسلک ہوگئیں اور ان کا ایک "اجتماع یا سلسلہ" قائم ہوگیا اور کلونی کا رئیس خانقاہ بحیثیت پیر خانقاہ کے نہایت وسیع الاختیار ہوگیا۔ اس اصلاحی سلسلے کے مقاصد

وہی تھے جنھیں گریگوری اعظم نے اختیار کرکے انھیں منصب پاپا کے لئے مطمح نظر قرار دیا تھا، جن کا ماحصل یہ تھا کہ ضابطۂ خانقاہ کی پابندی زیادہ سختی اور زیادہ احتیاط کے ساتھ ہونا چاہئے، دنیاوی پادری بھی اپنی طرز معاشرت اسی راہبانہ طریق پر رکھیں، اور اس طرح راہبوں اور پادریوں کی جو مذہبی جماعت رؤسا قائم ہوجائے، اس کا اثر و اقتدار مذہبی معاملات میں تمام عالم مسیحیت پر مستولی ہوجائے۔ گریگوری ہفتم نے ان مقاصد میں ایک قدم اور آگے بڑھایا، یعنے تمام دنیا پر اقتدار روحانی حاصل کرنے کے ساتھ ہی اقتدار سیاسی کا بھی اضافہ کردیا۔ [عہ]

سلسلوں کا قائم ہونا

گیارہویں صدی میں خانقاہیت و رہبانیت کا وہ زور ہوا، کہ کلونی کے قواعد بھی کمزور و نرم معلوم ہونے لگے اس خیال سے بہت سے سلسلے قائم ہوگئے، مثلاً ۱۰۸۴ء میں کارتھوسین، ۱۰۹۵ء میں سسٹرسین، ۱۱۲۰ء میں پریموسٹرینٹ، ۱۱۵۶ء میں کارمیلایٹ، ان کے سوا اور بھی بہت سے سلسلے تھے جن کی شہرت مقامی حد تک محدود رہی۔ نئے نئے سلسلوں کے قیام کا شوق اور پوپ کے پاس اجازت کے لئے جس قدر درخواستیں آتی تھیں ان کی تعداد بہت بڑھگئی تھی اور اگرچہ پوپ انوسنٹ سوم نے جدید سلسلوں کے قیام کے لئے اجازت دینے سے

عہ دیکھو صفحہ ۲۰۲

انکار کردیا، لیکن فوراً ہی اس ممانعت سے بے اعتنائی بھی برتی جانے لگی۔ سلسلۂ فرانسسکین کے بانی، سنٹ فرانسس کے نظریہ امر تھا کہ مسیح و حواریانِ مسیح کی پوری پوری تقلید عسرت و ناداری، فریضۂ تبلیغ، اور خدمت گزاری خلایق میں کیجائے۔ فرانسس ہی کے نام پر اس سلسلے کو فرانسسکن کہتے ہیں۔ اس سلسلے کے ہر رکن کا یہ فرض تھا، کہ ساری عمر سفر و سیاحی میں گزارے، اور صرف وعظ کہنے اور حسب ضرورت دوسرے لوگوں کی خدمت گزاری کے لئے قیام کرے، وجہ کفاف کے لیئے مشقت کرے، اور اگر کوئی کام نہ مل سکے تو اس صورت میں گداگری کرنا جائز تھا۔ لیکن نقد لینا اسکے لیئے کسی حال میں بھی جائز نہیں تھا اور غذا بھی ایک دن کی خوراک سے زاید نہیں لے سکتا تھا، جمع ہرگز نہ کرے، بیماروں کی تیمارداری کرے، قیدیوں کو جاکر دیکھے مصیبت زدوں کی غمخواری کرے، گم کردۂ راہِ مذہب کو واپس لائے، غرض یہ کہ بالکل مسیح کے نمونے پر زندگی بسر کرے، اور ہر معاملے میں انھیں کی تقلید کرے۔ سنہ ۱۲۰۹ء و سنہ ۱۲۲۶ء کے درمیانی زمانے میں اس سلسلے کو پوری قوت حاصل ہوگئی اور اس کے قواعد ترقی کرگئے اور پوپ نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کردیا لیکن اس کے چند ہی روز بعد اس میں فساد پیدا ہوگیا، کہ اہل سلسلہ نے مکانات بنانا اور جائداد خریدنا شروع کردی، جس سے سینٹ فرانسس کو سخت بیزاری ہوی۔

سینٹ ڈومینک ایک اندلسی راہب سینٹ ڈومینک (۱۱۷۰ء تا ۱۲۲۱ء) نے کلیسا میں روز افزوں بدعت و اعتزال کے انسداد کے لیئے (۱۲۱۵ء) میں ایک دوسرا سلسلہ تبلیغ و ارشاد کا قائم کیا۔ اس حلقے کے ارکان کے لیئے یہ لازمی تھا، کہ علوم مروجہ سے بخوبی واقف ہوں، اور لوگوں کو اصول کلیسا کی پوری تعلیم و تلقین کرسکیں۔ ۱۲۲۰ء میں سینٹ ڈومینک نے سینٹ فرانسس کی ہمنوائی کے لیئے عسرت و ناداری کو بھی اپنے اہل سلسلہ کے لئے لازمی قرار دے دیا۔ ان دونوں سلسلوں کے مدارج حیات تقریبًا ایک ہی سے رہے، یعنی دونوں کو یکساں دولت، اقتدار و وسعت حاصل ہوتی رہی۔ سینٹ فرانسس کا یہ مقصد نہ تھا کہ اُس کے اہلِ سلسلہ عالم بھی ہوں، لیکن ڈومینکیوں کی تقلید میں ان لوگوں نے بھی تعلیم میں ترقی شروع کی، اور اواخرِ قرونِ وسطیٰ میں جتنے بڑے بڑے علما و فضلا پیدا ہوئے، وہ انہیں دونوں سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔

خانقاہیت کے نقائص خانقاہیت کا تاریک رخ اکثر رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اور اس میں شبہہ نہیں کہ اس تاریخ میں اکثر زوال و انحطاط کے دور گزرے ہیں۔ راہبوں کے زہد و تورع نے ہزارہا اشخاص کو اُن کا مرید و گرویدہ بنا دیا تھا۔ جنہوں نے اُن کے سامنے دولت کے ڈھیر لگانے شروع کر دیئے۔ دولت کی

افراط کے ساتھ ان میں تعیش، تن آسانی، و اسراف کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔ رہبانیت کے اصول، خاندان کی عظمت اور نظم معاشرت میں عورت کی موزون و مناسب عزت کے منافی تھے۔ اکثر بہترین دل و دماغ کے اشخاص خانقاہ میں زاویہ نشین ہو جاتے تھے، اور اس طرح سلطنت ایسے اشخاص کے فیض سے محروم رہ جاتی تھی۔

خانقاہیت کے فوائد

اس کے علاوہ اور بہت سے اعتراضات اس تنظیم کے خلاف وارد ہو سکتے ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ اس کے محاسن کا پلہ اس کے معائب سے کہیں بھاری تھا، یہ رہبانیت ہی تھی جس کے مشنریوں نے مغربی و شمالی یورپ میں مسیحیت و تہذیب کی اشاعت کی۔ ہر خانقاہ بجائے خود علم و فضل کا ایک مرکز بن گئی جس کی شعاعیں اطراف و اکناف کو منور کرتی تھیں۔ راہبوں نے زمینیں صاف کیں اور انہیں قابل کاشت بنا دیا۔ ایسے زمانے میں جبکہ سپہگری مدار شرافت و سرداری تھی، کاشتکاری و مشقت کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بٹھانا انہیں کا کام تھا۔ رومی تمدن کے بیشتر حصے کو انہیں نے محفوظ رکھا اور اسے وحشیوں تک پہنچایا۔ مغرب کی تہذیب و تمدن کے حامل یہی لوگ تھے۔ عام دور وحشت و جہالت میں علم و ادب کا ملجا و ماوی اگر کوئی مقام تھا تو یہی خانقاہیں تھیں۔ ازمنہ وسطیٰ میں مریضوں کا علاج معالجہ اور محتاجوں کی حاجت روائی انہی

خانقاہوں میں ہوتی تھی - اپنے وقت میں سب سے بڑے تعمیر کرنے والے بھی یہی لوگ تھے - یورپ کے اکثر بڑے بڑے کلیسا انہیں کے تعمیر کرائے ہوئے ہیں - غرض ان حیثیات سے خانقاہیت اُس زمانے کے لحاظ سے ایک نعمت عظمیٰ تھی - لیکن زمانے نے کروٹ لی - پندرھویں اور سولھویں صدی میں اس کی کوئی اہم ضرورت باقی نہیں رہی ، اور ایک زمانے میں اس کے جو مقاصد و فرائض تھے ، انہیں اب دوسری قوتیں بوجہ احسن انجام دینے کیلئے مستعد ہوگئی تھیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ پندرھویں صدی سے یہ تحریک خود بخود مردہ ہونا شروع ہوگئی تھی - خانقاہ کے در و دیوار اب بھی وہی تھے ، لیکن خانقاہ نشینوں کی تعداد وہ نہ تھی اور اس تعداد کا پورا پورا قائم رکھنا ناممکن ہوگیا تھا خانقاہیت کا نظام اب ٹوٹ چکا تھا ، اور قوم و ملک کی حالت و ضرورت کے لئے اب یہ موزوں نہیں تھا -

فوجی و رہبانی سلسلہ

قرون وسطیٰ کے دو خاص مطمح نظر تھے - ایک سپہگری دوسری رہبانیت - یہ دونوں بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں ، لیکن زمانے نے اور خصوصاً ان حالات نے جو فلسطین کے محاربات صلیبی نے پیدا کر دئے تھے ، ان دونوں کو جمع کر کے فوجی و رہبانی سلسلے پیدا کر دئے تھے ، ۱۰۹۹ء میں نائٹس آف سینٹ جان کی ایک جماعت زائرین و مجاہدین کے مریضوں کی تیمارداری کیلئے قائم کیگئی لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ انہیں سپاہی بھی بننا پڑا - کیونکہ وہ ہر طرف سے عربوں میں گھرے ہوئے تھے

اور ہمیشہ اُنکا خطرہ لگا رہتا تھا اور انہیں اپنی حفاظت کی ضرورت تھی ۱۱۱۹ء میں اسی جماعت کی تقلید میں نائٹس ٹمپلرز کے نام سے ایک دوسری جماعت قائم ہوئی - یہ دونوں جماعتیں ایسے افراد سے مرکب تھیں جو بلحاظ اپنے عہود و مواثیق کے تو راہب تھے اور بلحاظ اپنے عمل کے ہمہ تن سپاہی تھے، اور چونکہ ان سلسلوں کا تعلق ارض مقدس سے تھا اس لیئے یہ دونوں جماعتیں نہایت مقبول ہوگئیں اور نذرانوں کے انبار ان کے سامنے لگنے لگے؛

بحیرہ بالٹک پر جرمنی سلسلہ

سنہ ۱۱۹۰ء میں ٹولمیس کے دوران محاصرے میں جرمنوں نے ایک مارستان قائم کیا جسکے ارکان نے مثل حلقہ ہائے سابق الذکر کے اپنے تئیں بھی بہت جلد ایک فوجی رہبانی جماعت میں منتظم کر لیا - یہ لوگ جرمن نائٹس کہلاتے تھے - ان لوگوں نے مشرق میں قدم جمانے کی سخت کوشش کی، لیکن دوسری جماعتیں ان سے بہت زیادہ قدیم و پختہ کار تھیں، ان کے سامنے اُنکی کچھ چل نہ سکی سنہ ۱۲۲۶ء میں یہ لوگ پرشیا میں (جو تیشبی وسٹولا کے مغرب میں واقع ہے) مدعو کیئے گئے، تاکہ وہاں آکر شرک و ضلالت کی بیخکنی کریں - سنہ ۱۲۰۲ء میں آلبرٹ (ریگا کے اسقف) نے بھی اسی اصول پر ایک جماعت سورڈ برادرز (برادران شمشیر) کے لقب سے قائم کی تھی، اور اس سے لوونیا و استھونیا کے فتح کرنے میں اور ان میں مسیحیت کے پھیلانے میں کام لیا - سنہ ۱۲۳۷ء میں یہ دونوں جماعتیں متحد ہوگئیں، اور انہیں کے اتحاد کا نتیجہ تھا کہ دریائے وسٹولا کے مشرق کا اسقدر وسیع علاقہ جرمن دیسی بنکر بالآخر ملک جرمنی میں شامل ہوگیا -

باب (۱۲)

اسلام و محاربات صلیبی

[باب ہذا کی ابتدا میں مصنف نے چند صفحات میں اسلام و پیغمبر اسلام (صلعم) کا تعارف اپنے ناظرین سے کرایا تھا، اتنا ٹکڑا ترجمے میں حذف کر دیا گیا۔]

(حضرت) محمدؐ (رسول اللہ صلعم) کا انتقال ۶۳۲ء میں ہوا، اور آپ کے بعد آپ کے چار سابق الاسلام صحابی حضرت ابو بکرؓ (۶۳۲ء تا ۶۳۴ء)، حضرت عمرؓ (۶۳۴ء تا ۶۴۴ء)، حضرت عثمانؓ (۶۴۴ء تا ۶۵۵ء)، اور حضرت علیؓ (۶۵۵ء تا ۶۶۱ء) یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے قبل ہی شام، ایران، وادی فرات اور دریائے جیحون تک کے تمام ممالک شمالی افریقہ کا کچھ حصہ اور ہندوستان و مصر کی سرحدوں تک کا علاقہ اور شمالی افریقہ کا بھی کچھ حصہ اسلام کے زیر نگیں آچکا تھا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں میں باہمی اختلافات بھی پیدا ہوگئے۔ اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ دونوں شہید ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے ایک عزیز نے دعویٰ خلافت کیا، اور (۶۶۱ء میں) مدینہ کی بجائے

دمشق کو اپنا مستقرِ حکومت قرار دیا۔ یہ خاندان، بنو امیہ کہلاتا ہے۔

عالمِ اسلام میں شقاق

دمشق میں اِن کی حکومت ۷۵۰ء تک رہی۔ تاآنکہ پیغمبرؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد نے جو خاندانِ عباسیہ سے موسوم ہے تخت خلافت پر قبضہ کرلیا، اور اپنا دارالخلافت بغداد میں مقرر کیا۔ دارالخلافت کی یہ تبدیلی غلط ہوئی۔ کیونکہ بغداد ایسا شہر نہ تھا کہ جہاں سے تمام ممالک اسلام پر فرماں روائی کی جاسکے چنانچہ مصر و اسپین نے بغاوتیں کیں، اور اپنے اپنے جداگانہ خلیفہ مقرر کرلئے۔ گیارہویں صدی میں ترکوں کی قوم سلجوق نے وسط ایشیا سے نکلکر یورش کی، اور ایشیا کے تمام اسلامی ممالک پر قابض ہوگئی۔ ۱۰۵۸ء میں ان کا سردار طغرل بیگ

ترک سب پر حکمراں ہوجاتے ہیں۔

بغداد گیا، وہاں خلیفہ کے ہاتھ سے تمام دنیاوی اختیارات لے لئے اور سلطان کے لقب سے تمام تمام ممالکِ اسلام کا فرماں روا ہوگیا۔ اب خلیفہ کی حیثیت صرف مذہبی رہ گئی اور سیاسی اختیارات طغرل بیگ اور اس کے جانشینوں کے ہاتھ میں آگئے، خلافت کی یہ غیر حالت ۱۲۵۸ء تک باقی رہی اور اِسی سنہ میں فاتح اعظم چنگیز خاں کے فرزند نے آخری خلیفہ کو بغداد میں شہید کر ڈالا۔

خلافت اسپین

۷۵۰ء میں جب بنو امیہ کا خاندان تباہ ہوا تو اِس خاندان کا ایک شخص بچکر اسپین پہنچا، وہاں بہ احترام تمام اس کا استقبال ہوا، اور یہ بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ "امیر یا سلطان" کے لقب سے وہ خود اور اس کے اخلاف ۹۲۹ء تک

حکمرانی کرتے رہے، اس کے بعد انہوں نے "خلیفہ" کا لقب اختیار کرلیا۔ اس خاندان کے تحت میں اسپین کی اسلامی سلطنت پوری طرح متحد ہوگئی اور نہایت خوشحالی کے ساتھ قائم رہی۔ لیکن سنہ ۱۰۳۱ء میں ایک ایسا انقلاب ہوا جس نے خلافت کا خاتمہ کردیا اور اب خلافت متعدد حصوں میں پارہ پارہ ہوگئی اور مسیحیوں نے اسے ہر جانب سے دباکر اپنے گذشتہ زمانہ کے کچھ مقبوضات پھر فتح کرلئے۔

افریقہ امویوں کے زوال کے بعد افریقہ میں بہت دنوں تک جنگ و جدال کی گرم بازاری رہی، یہاں تک کہ دسویں صدی میں ایک شخص نے جسے آنحضرت (صلعم) کی بیٹی فاطمہؓ کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ تھا اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس کی اولاد نے سنہ ۹۶۹ء میں قاہرہ کو آباد کیا، اور اسی کو اپنا مستقر حکومت قرار دیا۔ یہاں سے بحیرہ روم کے تقریباً تمام مغربی جزائر اور اٹلی و اسپین کے بعض بندرگاہوں پر بھی یہ قابض ہوگئے، لیکن مسلسل جنگ و جدال نے ان کی قوت کو توڑ دیا، چنانچہ سنہ ۱۱۷۱ء میں سلطان صلاح الدین مغربی حصۂ ایشیا کے فرمانروا نے مصر کو مسخر کرلیا اور خلافت قاہرہ کا خاتمہ کردیا۔

(حضرت) محمدؐ (رسول اللہؐ) کی وفات سے پانچ صدیوں تک اسلامی تمدن جس مرتبہ کا تھا، اس کے مقابلہ میں اس وقت کا یورپ بالکل گرد تھا۔ اس تمدن کے مبادی و عناصرِ اوّلیہ ایران و یونان سے حاصل ہوئے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے خود اس سرمائے میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ مسلمانوں کا نظامِ حکمرانی

نظم و نسق کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ و قابل قدر تھا اور ایک حد تک تمام ممالک میں یکساں واقع ہوا تھا۔ ان کا محصولات کے وصول و تشخیص کرنیکا نظام بھی اچھا تھا۔ انہوں نے پرانی رومن سڑکوں کی از سر نو مرمت کی اور خود جدید سڑکیں بھی تیار کیں اور اس طرح اپنی تمام قلمرو کو باہم ملا دیا۔ انہوں نے نہریں اور پانی جمع کرنے کے ذخیرے بھی تیار کئے۔ ڈاک کی آمد و رفت کا انتظام بھی ان میں رائج تھا۔ انہوں نے ایک خاص طرز تعمیر کو ترقی دی، جس کے خصائص امتیازی، قوسی و بیضوی محرابیں، گنبد، اونچے اونچے دلفریب منارے، اور اندرونی عمارت کی مینا کاری ہے۔ ان کی تعمیرات، ان کے مذاق صحیح و لطافت طبع کی بہترین دلیل ہیں اور آج بھی ان کی عمارتیں جہاں جہاں باقی ہیں، بہ لحاظ اپنے حسن و خوبی اور شان و شوکت کے دنیا کو حیرت و رشک میں ڈال رہی ہیں۔

علوم انہوں نے یونیورسٹیوں کی بنیاد ڈالی، جن کی نظیر یورپ میں صدیوں تک نہ پیدا ہو سکی۔ عموماً مسجدیں درسگاہوں اور دارالعلوموں کا کام دیتی تھیں، اور یہیں ہر قسم کے مسائل پر آزادانہ بحث ہوتی تھی مشہور دارالعلوموں میں بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے قاہرہ کی یونیورسٹی، جامع الازہر کے نام سے اب بھی قائم ہے، جس میں بارہ ہزار طالبعلم داخل ہیں، انہوں نے کتب خانے بھی قائم کئے تھے، جن میں بعض کی نسبت کہا جاتا ہے کہ کئی کئی لاکھ کتابیں ان میں موجود تھیں۔ ان یونیورسٹیوں (اور خصوصاً اسپین کی یونیورسٹیوں) میں عیسائی طلبہ بھی شریک ہوتے تھے۔ ان طلبہ نے یہیں سے اسلامی علوم

و تمدن حاصل کرکے انھیں نصارلئے یورپ میں پھیلایا۔ ان یونیورسٹیوں میں فلسفہ، شریعت، قانون، معنی و بیان، صرف و نحو کی تعلیم خاص جوش و ولولے کے ساتھ ہوتی تھی۔ لغات مدوّن ہوتے تھے اور قرآن شریف کی تفسیریں لکھی جاتی تھیں۔ مسلمان ارسطو کی تصانیف سے خوب واقف تھے، اور اپنے فلسفہ کی بنیاد اسی کے اصول پر رکھی تھی۔ ان کی بعض تواریخ و سیر اور سفرنامے آج تک موجود ہیں۔

ریاضی

ریاضیات میں انہوں نے یونانی ریاضی کی بنیاد پر اپنی ریاضیات کی عمارت قائم کی۔ جن ہندسوں کو ہم عربی ہندسے کہتے ہیں، ان کے ماخذ کا ہمیں صحیح علم نہیں، لیکن اس قدر یقین ہے کہ تھیوڈورک اعظم کے زمانہ میں بیتھیس ایسی ہی علامات کا استعمال کرتا تھا، جو ہمارے مروج ہندسوں سے ایک حد تک مشابہ تھے، پھر جربرٹ کے تلامذہ میں سے ایک شخص نے ایسی علامات کا استعمال کیا، جو ہمارے ہندسوں سے اور بھی مشابہ تھیں تاہم بارھویں صدی تک صفر نامعلوم تھا۔ یہاں تک کہ ایک ریاضی داں محمد بن موسیٰ نے سب سے پہلے صفر ایجاد کیا اسی نے کسور اعشاریہ کا طریقہ بھی نکالا ہندسوں میں بذریعۂ ترتیب قدر و قیمت قائم کی۔ علمِ ہندسہ میں عربوں نے اقلیدس پہ کچھ زیادہ اضافہ نہیں کیا، لیکن جبر و مقابلہ گویا تمام تر انھیں کا ایجاد ہے، اور علم مثلث گردی میں انہوں نے خاص کمال پیدا کیا، چنانچہ جیب، حماس، دمماس تمام کے ایجادات انہیں کے ہیں۔ طبیعیات میں لنگر انھیں کا ایجاد ہے، علم مرایا میں ان کے خاص کارنامے ہیں۔ ہیئت میں بھی انہوں نے

معقول ترقی کی، انہوں نے متعدد رصد گاہیں قائم کیں، اور بہت سے آلاتِ ہیئت ایجاد کئے جو ابتک استعمال میں ہیں۔ زاویۂ طریق الشمس اور استقبال معتدلین انہی نے دریافت کیا غرض یہ کہ علم ہیئت میں بلا شک و شبہہ ان کو خاص کمال حاصل تھا۔

فن طب میں بھی انہوں نے یونانیوں کے سرمائے پر بہت کچھ اضافہ کیا۔ انہوں نے علم افعال الاعضا و حفظ صحت کے متعلق تحقیقات کی۔ اور ان کی قرابادیں تو گویا وہی تھی جو آج ہے۔ ان کے بہت سے طرق علاج اس وقت بھی قائم و مروج ہیں۔ ان کے جراح داروے بیہوشی کا استعمال جانتے تھے، اور بعض نہایت نازک سے نازک اعمال جراحی انجام دیتے تھے۔ جس وقت کہ یورپ میں کلیسا کی طرف سے علاج معالجہ ممنوع تھا، بلکہ صحت کا مدار پادریوں کی بعض مذہبی رسوم کی تعمیل پر تھا اس زمانے میں عربوں کے ہاں ایک مکمل فن طب موجود تھا۔ علم کیمیا کی بھی انہوں نے نہایت معقول بنیاد ڈالی۔ الکحل، پوٹاشیم، (القلی) نائیٹریٹ آف سلور (جواہر فضیہ کوروسیو سبلیمیٹ، (زیبق اکال) نٹرک ایسڈ (شورۂ خابص) وغیرہ صدہا چیزیں ان کی دریافت کی ہوئی ہیں۔

علم ادب، صنعت و حرفت کشاورزی

علم ادب کی طرف بھی عربوں نے کافی ووافی توجہ کی اور بہت سی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں جو خیالات عالیہ پر مشتمل ہیں شاعری سے تو انہیں خاص شوق رہا ہے۔ صنعت و حرفت کے دائرے میں بہ لحاظ حسن و خوبی و نفاست و دستکاری تمام دنیا میں اپنا نظیر نہ رکھتے

تھے۔ سونا، چاندی، تانبا، کانسہ، لوہا، فولاد، ہر چیز کا کام کرتے تھے۔ پارچہ بافی میں اس وقت کیا ابتک ان کا جواب نہ ہو سکا۔ شیشہ اور مٹی کی چیزیں وہ بہترین قسم کی بناتے تھے۔ رنگ سازی کے راز سے واقف تھے اور کاغذ بھی تیار کرتے تھے۔ چرم سازی میں وہ بہت سی ترکیبوں سے کام لیتے تھے اور اس فن میں ان کی دھوم سارے یورپ میں مچی ہوئی تھی۔ ادویہ کے جوہر، شربت، عرق، وغیرہ وہ خوب نکالتے تھے، وہ نیشکر سے شکر نکالتے تھے، اور انگور کی اعلیٰ اعلیٰ اقسام پیدا کرتے تھے۔ فلاحت میں وہ علمی اصول سے کام لیتے تھے، اور آبپاشی کا ایک اعلیٰ نظام رکھتے تھے۔ درختوں کو زوردار بنانے والی کھاد کی قدر و قیمت سے وہ واقف تھے۔ اور زمین کی موزونیت کے اعتبار سے اقسام کاشت کو کام میں لاتے تھے۔ فن باغبانی میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور قلموں کے لگانے اور نئے قسموں کے پھل اور پھول پیدا کرنے کے طریقوں سے واقف تھے۔ مشرق سے صدہا درخت اور پودے لالا کر انہوں نے مغرب میں لگائے اور ان کے متعلق علمی رسائل لکھے۔

تجارت ان کی تجارتیں بڑی دور دور پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے تجارتی قافلے ان کی وسیع مملکت اِس سرے سے اُس سرے تک آمدورفت رکھتے تھے، اور ان کی کشتیاں سمندروں میں پھرتی تھیں۔ وہ اکثر مقامات پر بڑے بڑے میلوں اور بازاروں کا انتظام کرتے تھے جن میں سے بعض میں یورپ و ایشیا کے ہر حصے سے تاجر آ آکر جمع ہوتے تھے۔ اِن کے تجارتی تعلقات چین، ہندوستان

جزائر ہند، اندرونی افریقہ، روس، بحیرہ بالٹک کے گرد کے تمام ممالک سے قائم تھے۔

عربوں کے تمدن کو ترکوں نے غارت کیا۔

اس اسلامی[1] تمدن کے بیشتر حصے کا یورپ میں پھیلنا خاصکر محاربات صلیبی کے ذریعے سے پہلے ہی مقدر ہوچکا تھا اور ایسا ہی ہوا، لیکن خود اپنے وطن میں جاہل ومتعصب ترکوں کی آمد نے اسے بالکل برباد کردیا، انہوں نے ثابت کردیا کہ وہ اس کو فتح تو ضرور کرسکتے تھے، لیکن نہ اس سے مستفید ہوسکتے تھے، اور نہ اس میں کوئی اضافہ کرسکتے تھے۔ یہ لوگ اس درجہ متعصب تھے کہ ہر قسم کے علم وحکمت کو مذہب کے لئے مضر سمجھکر اس کے دشمن بن گئے تھے، اور دوسرے مذہب والوں سے انہوں نے جنگ وجدال کا سلسلہ قائم کررکھا تھا، اس سے ان کی تجارت وصنعت وحرفت کو سخت نقصان پہنچا۔ ترک چونکہ خود وحشی تھے اس لئے ان کو نہ ضروریاتِ تمدن کی قدر تھی، اور نہ اُس کے تکلفات وتعیشات کی، پس جو تمدن انہیں ملا تھا اسے وہ لامحالہ برباد ہی کیا چاہتے تھے۔

---

[1] مصنف نے ترکوں پر جو الزام لگایا ہے وہ ایک بڑی حد تک مبالغے پر مبنی ہے وہ قوم جس نے علمی دنیا میں امام بخاری، ابونصر فارابی، ابوعلی سینا، جیسے ائمہ فن پیدا کئے ہوں، اس یکطرفہ الزام کے ہرگز مستحق نہیں ہوسکتی خود عربوں کو اپنے عہد تمدن میں ترکوں کی قابلیت کا اعتراف تھا۔ جاحظ کہ علم الحیوان کا پہلا مصنف گزرا ہے، ترکوں کے مناقب میں اس کی ایک کتاب موجود ہے، جو مصر میں چھپ بھی چکی ہے۔

ان کے عروج کے وقت سے اسلام کا رنگ بالکل بدل گیا ہے، اور جہاں کسی وقت چمن زار و سبزہ زار تھے وہاں آج بیابان نظر آرہے ہیں۔

طغرل بیگ کے جانشین مغرب میں برابر اپنے فتوحات بڑھاتے گئے، یہاں تک کہ تمام ایشیائے کوچک کو انہوں نے شہنشاہ کے ہاتھ سے نکال لیا اور خود قسطنطنیہ ان کی وجہ سے خطرے میں پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ نے اِس پریشانی و اضطراب میں پوپ سے مدد چاہی۔ ۱۰۹۵ء میں اربن ثانی، فرانس کو گیا۔ اور کلرمونٹ کی مجلس میں تمام مغرب کو یہ عام صلا کی کہ ہر شخص کو ہتیار ہاتھ میں لیکر مقامات مقدسہ کو واپس لینا چاہئے۔ اس دعوت میں اسے غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی۔ جونہی اِس نے خطبہ ختم کیا، اِس کے گرد ہزارہا پُر جوش فدائیوں کا ہجوم ہو گیا، جو جنگ میں جانے کے لئے حلف اُٹھا رہے تھے، اور پاپا کے مقدس ہاتھوں سے اپنے سینے کے دہنی طرف ایک آڑی سرخ رنگ کی صلیب بندھوا رہے تھے۔ اربن نے یہ احکام جاری کردئے، کہ خانگی جنگ قطعاً ناجائز ہے اور تمام مجاہدین کی املاک کلیسا کی خاص حفاظت میں رہیگی۔ اِس تحریک میں شریک ہونے والوں کے لئے بڑے بڑے انعامات مقرر کئے، اور عمال کلیسا کو حکم دیا کہ فرانس کے ہر حصے میں اس مقصد کی تبلیغ کریں۔ انھیں مبلغین میں ایک شخص پیٹر راہب بھی

پیٹر راہب

تھا۔ یہ عام خیال کہ پیٹر ان محاربات صلیبی کا بانی ہوا ہے، قطعاً غلط ہے۔ وہ پہلے نہ کبھی فلسطین گیا تھا، نہ پوپ سے ملا تھا، اور نہ کلرمونٹ کی مجلس مذکور میں جنگ صلیبی کے اعلان کے قبل

اسے اربن سے کسی طرح کا واسطہ تھا۔ اس نے اپنے وعظ سے چند ہزار مرد اور عورتوں کی غیر مسلح بھیڑ اپنے گرد جمع کر لی، اور انہیں کو لیکر فلسطین کی طرف روانہ ہو لیا۔ وہ قسطنطنیہ ہوتا ہوا ان لوگوں کو کچھ دور تک ایشیاء کوچک میں لے گیا تھا کہ ترکوں نے ان سب کو کاٹ کر ڈال دیا۔ خود پیٹر نے بھاگ کر قسطنطنیہ میں پناہ لی، اور اصل فوج کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

اس جنگِ صلیبی کا نہ کوئی سردار تھا نہ اس کی کوئی مرکزی قوت تھی۔ شمالی فرانس سے شاہِ فلپ اول کا بھائی ہیوگو آف ورمینڈو، اسٹفن، رابرٹ (نارمنڈی) گارڈ فری، بویلون) اور اس کے دو بھائی یوسٹیس و بالڈون اور ان کا بھتیجا بالڈون اصغر آئے تھے۔

سردار نا قابل اور فوج غیر منتظم تھی

جنوبی فرانس سے ریمنڈ کاونٹ ٹولو اور اٹلی سے بومنڈ اور اس کا بھتیجا ٹینکرڈ شریک جنگ تھے ان میں سے سرداری کی اہلیت صرف ایک بیمنڈ میں تھی، لیکن شامت یہ تھی کہ اس کی سرداری کا تسلیم کیا جانا ناممکن تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے لوگوں پر سردار اور بالکل خود مختار تھا۔ کہا جاتا ہے اس فوج کا مجموعی شمار قریب دس لاکھ کے تھا لیکن اس کی صحیح تعداد کے اندازہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

جنگ صلیبی والوں کا مدعائے اصلی۔

نصرانیوں کا یہ لشکر عجیب مختلف و متبائن عناصر سے مرکب تھا۔ پاپا کا ارشاد، ہو چکا تھا کہ جو لوگ اس راہ میں شہید ہونگے ان کے سب گناہ معاف ہو جائینگے، اور اس مہم کے نہایت

مافوق العادت نتائج ہونگے۔ بہتوں نے اِسی ارشاد کے اعتماد پر خالص مذہبی جوش سے اِس میں شرکت کی تھی۔ بہت سے ایسے لوگ بھی اس میں شریک ہوگئے تھے جو ادائی قرض سے بچ جانا چاہتے تھے یا اپنے خاندانوں سے بھاگ آئے تھے۔ بہت سے مجرم تک اِس میں شریک تھے اور یوں جرائم کی سزا سے جان بچانا چاہتے تھے۔ بہت سے نیم غلام اپنے آقاؤں کی سخت گیری سے تنگ آکر اِس میں آملے تھے۔ بہت سے منچلے اِس لئے داخل ہوگئے تھے، کہ سیر و سیاحت و معرکہ آرائی کا لطف آئیگا۔ یہ حال عام سپاہیوں کا تھا۔ رہے سرداران فوج تو وہ تمامتر اِس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ اِن کے اقتدار میں اضافہ ہو، اور مشرقیوں اور یونانیوں سے حاصل کئے ہوئے علاقوں پر مشرق میں اپنی کوئی آزادانہ امارت قائم کرلیں۔ پوپ کا مقصد بیشک مقامات مقدسہ کا آزاد کرانا تھا مگر اِس کے ساتھ ہی یہ غرض بھی پیش نظر تھی، کہ مشرق میں اِس کا مذہبی اقتدار قائم ہو جائے۔ اٹلی کے جو شہر اِس پہلے محاربے میں شریک ہوئے ان کی اصل غرض بھی یہی تھی، کہ اپنی تجارت کو پھیلائیں اور مشرقی سواحل پر اپنے خاص حقوق قائم کریں۔

الیکزیس شہنشاہ قسطنطنیہ کے ذہن میں رابرٹ گسکارڈ کے تجربات تازہ تھے اور اِس لئے وہ اِن مجاہدین سے خائف تھا۔ وہ سرداروں کے اصلی مقاصد کو تاڑ گیا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں خود اِس پر حملہ نہ کردیں۔ پس اِس کو اپنے بچاؤ کی تدبیریں اختیار کرنا ضرور

تھا، چنانچہ یہ سردار جب قسطنطنیہ میں آئے تو اس نے طوعاً یا کرہاً ان سب سے یہ حلف لے لیا کہ ممالکِ مُسخّرہ کو وہ اس کے حوالے کر دینگے، ہاں البتہ اگر چاہیں، تو بعد کو بطور جاگیر پھر لے سکتے ہیں۔ اِن سرداروں میں صرف بوہمینڈ ایک ایسا شخص تھا، جس نے پوری دیانت وصفائی کے ساتھ اپنے اصلی مقاصد و اغراض اس کے سامنے بیان کر دیئے۔ اِس نے اپنے خدمات شہنشاہ کے سامنے پیش کئے اور صاف صاف کہدیا کہ وہ مشرق میں ملک گیری کے لئے جانا چاہتا ہے مگر شہنشاہ نے اِس پر اعتماد نہ کیا اور اِسے اعتماد و اقتدار کا منصب عطا کرنے سے انکار کر دیا۔

نیسیا پر قبضہ ۱۰۹۷ء

۱۰۹۷ء میں یہ فوج باسفورس کو عبور کرکے عازم نیسیا ہوئی اور کچھ روز تک شہر کا محاصرہ کرکے قریب تھا کہ اسے زیر کرلے کہ اِسی اثنا میں عین اس وقت جب کہ اہل شہر ہتیار رکھنے کو تھے، الیکزیس نے اِسے خود اپنا مطیع کرلیا۔ مجاہدین کو چونکہ غارتگری کا موقع نہ مل سکا، اِس لئے وہ الیکزیس کی اِس حرکت سے سخت جھنجلائے، اور اِس پر بد عہدی کے الزامات لگائے حالانکہ یہ الزامات قطعاً بے بنیاد تھے۔

انطاکیہ پر قبضہ ۱۰۹۸ء

ایشیائے کوچک کے درمیان فوج کا کوچ کرنا ایک مشکل کام تھا، چنانچہ کثیر التعداد سپاہی راستے میں بھوک پیاس سے مر گئے۔ آخر اکتوبر ۱۰۹۷ء میں فوج انطاکیہ پہنچی، اور اِس کا محاصرہ کرلیا۔ اہل شہر کئی مہینے تک مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ یہ معلوم ہوا کہ کربوغا امیرِ موصل

ایک لشکر جرار لئے ہوئے اِن کی کمک کو آرہا ہے۔ بیومنڈ نے یہ سنکر اپنے رفقاء سے کہا کہ "وہ اگر اس شہر کو اس کی ملک میں دینے پر راضی ہوں تو وہ اسے فوراً فتح کرلیگا"۔

یہ شرط بالآخر ان لوگوں نے منظور کرلی اور بیومنڈ ایک غدار کی مدد سے کچھ رات گئے شہر میں داخل ہوگیا۔ صبح ہوتے ہی پھاٹک کھول دیا گیا، سپاہی اندر گھس پڑے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔ مسلمان بکمال بیدردی قتل ہونے لگے، اور ان کے مکانات غارت کئے جانے لگے۔ صرف قلعہ ابتک غیر مسخر تھا، جس کی جانب فوج نے لوٹ مار کی مصروفیت میں توجہ نہیں کی تھی تین دن کے بعد امیر کربوغا آگیا، اور اب نصاریٰ محصور ہوگئے۔ چند روز تک کربوغا نے بڑی سختی سے محاصرہ کیا اور نصرانیوں

کربوغا

نے ہمت ہار دی، کیونکہ کربوغا کے محاصرے کے مقابلے میں شہر کا قائم رہنا دشوار معلوم ہوتا تھا عین اس وقت ایک خاص دغا مگر مقدس دغا سے کام لیا گیا، جس سے مسیحی بالآخر غالب آگئے۔ یعنی یہ مشہور کردیا گیا، کہ ایک مجاہد کو خواب میں یہ بشارت ہوئی ہے کہ فلاں مقام پر نیزۂ مقدس مدفون ہے، چنانچہ جب وہ مقام کھودا گیا تو نیزہ برآمد ہوا، کچھ لوگوں کو علم تھا، کہ یہ محض ایک دھوکا ہے، لیکن اکثروں کو اس پر اعتقاد ہوگیا۔ اس نیزۂ مقدس کی سربراہی میں مسیحیوں نے جب حملہ کیا تو کربوغا کو ہزیمت کامل ہوئی اور اس کے خیمے ڈیرے سب مسیحیوں کے ہاتھ لگے۔

اڈیسہ

اسی اثنا میں گاڈفری کے بھائی بالڈون نے اڈیسہ میں جاکر بعض ناجائز ذرائع سے اس شہر پر قبضہ کرلیا

تھا، اور اڈیسہ نے مسیحوں کے لئے ایک اہم چوکی کی حیثیت پیدا کرلی۔

کربوغا کی فوج کو شکست دینے کے بعد یروشلم کا راستہ کھلا ہوا تھا۔
بیومنڈ چاہتا تھا، کہ جبتک شہر پر پوری طرح اس کا تسلط نہ ہو جائے وہ انطاکیہ ہی میں قیام رکھے۔ ریمنڈ (ٹولو) کے دل میں بیومنڈ کی خوش قسمتی سے حسد پیدا ہوا، اس نے بھی اسی شہر پر دانت لگایا اور یروشلم جانے سے انکار کردیا۔ اس نے ہر طرح یہ کوشش کی، کہ انطاکیہ کے قرب وجوار ہی میں کہیں اپنے قدم جماکر بیومنڈ کو یہاں سے خارج کرے مگر سب کوششیں ناکام رہیں۔ بالآخر سب نے تاخیر و تعویق سے اُکتا کر یہ اعلان کر دیا کہ اگر ریمنڈ اِس جھگڑے کو ختم کرکے اِنہیں آگے نہ لے چلیگا، تو وہ انطاکیہ کو آگ لگا دینگے۔ ریمنڈ کو اب بادلِ ناخواستہ آگے بڑھنے پر راضی ہونا پڑا۔

سرداروں کا منافقہ

لیکن ہر ہر قدم پر وہ رک جانے کا بہانہ ڈھونڈھتا اور مختلف شہروں کا محاصرہ کرنے لگتا تھا۔ مجاہدین نصاریٰ اب انتظار کرتے کرتے عاجز آگئے تھے، چنانچہ اپنے خیموں میں انہوں نے آگ لگا دی، اور یروشلم کی جانب مجنونانہ دوڑنا شروع کیا۔ فصیلِ شہر پر پہنچکر اِسے محصور کرلیا، اور کئی ہفتوں کے

یروشلم پر قبضہ

محاصرے کے بعد ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو بالآخر اسے فتح کرلیا۔
لیکن شہر فتح کرتے ہی یہ بحث چھڑ گئی کہ اس کا مستقبل کیا ہو۔ پادریوں کا یہ منشا تھا، کہ اسے ایک بطریق کے تحت میں دیکر ایک کلیسائی سلطنت قرار دیدینا چاہیئے۔ سلاطین و امرا اس مطالبے کو کسی طرح منظور کرنے پر رضامند نہ تھے لیکن ایسا بھی کوئی شخص نہیں ملتا تھا، جو اِسے اپنے قبضے میں رکھنا منظور کرے۔ آخر کار مصالحت

یوں ہوئی، کہ گاڈفری (بویلون) کو "محافظ مزار مقدس" کے لقب سے وہاں

گاڈفری (بویلون) محافظ مزار مقدس ۱۰۹۹ء

کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کے چند روز بعد نصاریٰ نے اپنے وطن کو واپس ہونا شروع کیا، اور یوں محاربۂ اول کا خاتمہ ہوا۔ اس محاربے میں یورپ کو بے انتہا نفوس ضائع کرنے پڑے، اور حاصل گویا کچھ بھی نہ ہوا۔ بیومنڈ انطاکیہ پر، بالڈون، اڈیسہ پر۔ گاڈفری یروشلم پر قابض تھا، اور الیکزیس کے قبضے میں بھی تقریباً کل ایشیائے کوچک دوبارہ

اس جنگ صلیبی کے نتائج۔

آگیا تھا۔ لیکن مغرب کی نگاہ میں اس مہم کی اعلیٰ ترین و بہترین کامیابی مزار مقدس کا حصول تھا اور اس کے حصول میں جو کچھ بھی پیش آتا سب بجا تھا، واپسی پر ان مجاہدین کی ہر جگہ انتہا کی تعظیم و تکریم ہوتی تھی ان کے افسانے سن سن کر لوگوں میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ ایک دوسرے محاربے کی تیاری ہو گئی۔ چنانچہ سنہ ۱۱۰۱ء سے سنہ ۱۱۰۳ء تک لاکھوں

۱۱۰۱ء کی جنگ صلیبی

آدمی ایشیائے کوچک کو گئے لیکن سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

شام کی عیسائی سلطنتوں میں جنگ و جدال

مشرق میں جو مسیحی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں ان کی تاریخ ابتدا سے انتہا تک ایک سی نہیں ہے، اس تاریخ کے اکثر باب اعلیٰ تہذیب سے گرے ہوئے ہیں ناسپاسی و ناعاقبت اندیشی، رشک و حسد، سازش و غداری، یہ تمام چیزیں ان کے نشو و نما میں سدّراہ ہو رہی تھیں۔ کبھی یہ سلطنتیں شہنشاہ سے برسرپیکار رہتی تھیں، اور کبھی خود آپس

میں لڑتیں، اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا، کہ خود مسیحی، مسیحی کے خلاف مسلمانوں سے ملکر لڑتے تھے۔

زنگی، اڈیسہ پر قبضہ کرلیتا ہے۔

موصل کے جدید امیر زنگی نے ممالک اسلام پر حکمرانی کی ہوس میں ملک گیری کی روش اختیار کی۔ ۱۱۴۴ء میں اس نے اڈیسہ کو لے لیا، اور بیت المقدس کی حالت کو بھی خطرے میں ڈال دیا یہاں تک کہ مسیحیوں نے آخر کو مغرب سے استعانت کی۔ وہاں اڈیسہ کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر سے سخت اضطراب پیدا ہو گیا تھا لیکن اہل یورپ سر دست کچھ نہ کر سکے۔

یورپ کا تغیر۔

اربن نے جب محاربۂ اوّل کی عام صلا کی تھی، اس وقت سے اب یورپ کی حالت بہت کچھ مختلف ہوگئی تھی۔ ایک طرف پوپ کے انتخاب میں مناقشات تھے اور بعض پوپوں کی نا اہلی سے پوپ کا اقتدار و اثر بہت گھٹ گیا تھا۔ دوسری طرف تجارت کی وسعت کے ساتھ ساتھ یورپ کے تمول و ثروت میں بھی روز بروز کافی اضافہ ہو رہا تھا اور دولت لوگوں کے حالات و خیالات میں بڑا تغیر پیدا کر رہی تھی لوگوں کے ذہن میں سیاسیات نے خاص اہمیت حاصل کر لی تھی۔ لوئس ششم فرانس میں شاہی قوت کو مستحکم کر رہا تھا، راجر نے سسلی و جنوبی اٹلی کے صوبوں میں ایک سلطنت قائم کر لی تھی لمبارڈی کے شہر ثروت، تمول و آزادی میں ترقی کر رہے تھے۔ ابیلارڈ کے نمونہ زندگی نے یورپ کے خیالات میں ایک بڑا تغیر پیدا کر دیا تھا لوگ جا بجا کلیسا و مذہب سے آزاد ہو کر بطور خود غور و فکر کرنے لگے تھے۔ نقل کے بجائے عقل سے کام لینا شروع ہو گیا تھا،

رومن قانون کے مطالعے پر از سرِ نو توجہ ہو رہی تھی، شعرا عاشقانہ و رندانہ مضامین پر طبع آزمائی کرنے لگے تھے، یورپ پر مدت سے رہبانیت کا جو نشہ چڑھا ہوا تھا، وہ بتدریج اُترتا جاتا تھا، اور لوگوں میں عقبیٰ سے بڑھ کر دنیا کے عیش و طرب کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ آرنلڈ (بریسکیا) رومہ میں پادریوں کی دولت، اور سیاسی معاملات میں اِن کی مداخلت کے خلاف وعظ کہہ رہا تھا۔ پوپ گریگری ہفتم کے بلند مطالبات کسی قدر دھیمے پڑ گئے تھے۔ پوپ یوجین سوم کا بذاتِ خود کوئی اثر نہ تھا۔ اصلی اقتدار برنارڈ (کلیروا) کے ہاتھ میں تھا، جو پوپ کے دنیوی اقتدار کا خواہاں نہیں تھا۔ اِس کا خیال تھا کہ روحانی قیادت کے لیے صرف روحانی وسائل کو کام میں لانا چاہیے۔

اِن حالات میں جہادِ ثانی کا سامان ہونا دشوار تھا۔ لیکن برنارڈ (کلیروا) اپنی طاقتِ لسانی سے تمام دشواریوں پر غالب آگیا۔ لوئس ہفتم (شاہِ فرانس)، تو پہلے ہی سے جانے کے لیے آمادہ تھا، اب کانریڈ ثالث (شاہِ جرمنی) نے بھی برنارڈ کی لسانی سے متاثر ہو کر حلف اُٹھا لیا۔ لیکن جرمنوں نے یونانیوں کو ان کے ملک میں سے گزرتے وقت سخت نقصان پہنچایا، چنانچہ اس کے تدارک کے لیے خود مشرق کے شہنشاہ کو اِن فدائیوں سے آویزش کرنا پڑی۔ فرانسیسی فوج نسبتہً محتاط رہی۔ لیکن صورت حال کو زبوں تر بنانے کے لیے رابرٹ ثانی (شاہِ سسلی) شہنشاہی پر حملہ کر رہا تھا۔ شہنشاہ گو دل میں فدائیوں کی طرف سے اندیشہ مند تھا، تاہم اپنی ہوشیاری و زیرکی سے بغیر جنگ و جدال کے انہیں باسفورس کو عبور کر جانے دیا۔ لیکن ایشیائے کوچک میں پہنچ کر

فرانس و جرمنی کی دونوں فوجوں کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ بھوک، پیاس، تکان، سفر، اور پھر مسلمانوں کے اسلحہ نے صرف چند ہزار نفوس کو فلسطین تک پہنچنے دیا۔ یہاں پہنچکر انہوں نے یہ غلطی کی کہ زنگی کے مقابلے میں اپنی پوری قوت صرف کرنے کے بجائے دمشق کا محاصرہ شروع کر دیا، حالانکہ یہاں کا والی نصاریٰ کا دوست تھا اس دوسری جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام میں مسیحیوں کی حالت اور ابتر و زبوں ہو گئی اور یورپ کو اس نتیجے پر اس درجہ غصہ آیا کہ عرصہ دراز تک مشرق میں کمک بھیجنے کی طرف کسی نے التفات نہ کی۔

دوسری جنگ صلیبی کی ناکامی ۱۱۴۹-۱۱۴۷ء

صلاح الدین نے شام فتح کر لیا۔ ۱۱۸۷ء

شامی عیسائیوں کی خوش قسمتی سے زنگی کا انتقال ہو گیا، اور اس کی سلطنت منتشر ہو گئی۔ لیکن فلسطین کے مسیحیوں نے گزشتہ تجربوں سے مطلق فائدہ نہ اٹھایا۔ سازش اور جوڑ توڑ، مکاری و بدعہدی کی گرم بازاری اور بڑھ گئی۔ یہ عادتیں انہیں روز بروز ضعیف و بدنام کرتی گئیں تاآنکہ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین کو جو اسوقت تک مصر و ایشیائے مغربی کا تاجدار بن چکا تھا، مجبوراً ان کے مقابلے میں تلوار کھینچنا پڑی۔ وہ عرصۂ دراز تک ضبط و صبر سے کام لیتا رہا تھا، لیکن آخر ان کی متواتر بدعہدیوں پر جھلّا اُٹھا، اور چند ہفتوں میں ان کے تمام قلعوں کو مسخر کرلیا اس کے یروشلم پر قابض ہو جانے سے مغرب میں سخت حرکت پیدا ہوئی اور فرمانروایان عظام خود شہنشاہ، فریڈرک باربروسہ، فلپ دوم (شاہ فرانس) اور رچرڈ اول (شاہِ انگلستان) یروشلم کی واپسی کے لیئے

فریڈرک باربروسہ

جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ فریڈرک بار بروسہ، نہایت ہوشیاری، محنت و عقلمندی سے سامان درست کرکے ایک لاکھ قواعد داں و باضابطہ فوج کو لیکر ایشیاء کوچک کی طرف روانہ ہوا، لیکن ایک چڑھے ہوئے پہاڑی چشمہ کو عبور کرتے وقت اس میں غرق ہو کر مر گیا۔ اور فوج بھی بے سردار ہو کر منتشر ہو گئی۔ اِن میں سے ایک بہت ہی قلیل تعداد شام تک پہنچی۔

اس کا انتقال ۱۰ جون ۱۱۹۰ء

فلپ دوم، رچرڈ اول

فلپ و رچرڈ کی فوجیں بحری راستے سے گئیں اور بحفاظت منزل مقصود تک پہنچ گئیں۔ لیکن خود ان دونوں بادشاہوں میں باہمی مناقشہ شروع ہو گیا جس سے فوج کی قوت گھٹ گئی۔ راستے میں رچرڈ نے قبرس کو فتح کرکے اسے ایک مسیحی سلطنت بنا دیا، جو عرصہ دراز تک مسلمانوں کے حملوں کی سد راہ رہی۔ قبل اس کے کہ یہ فوج شام پہنچے، وہاں کے مسیحی یہ غلطی کر چکے تھے، کہ عکّے پر جو ساحل کا مستحکم قلعہ ہے، حملہ کر بیٹھے تھے۔ حالانکہ انہیں اس وقت اس کی خاص ضرورت نہ تھی، کیونکہ اِن کے پاس متعدد بندرگاہیں موجود تھیں، بلکہ اس وقت اِن کی ساری کوششوں کا مرکز یہ ہونا چاہیے تھا کہ صلاح الدین کو اندرون ملک سے ہٹائیں۔ اس بندرگاہ پر قبضہ کرنے میں تیسری جنگ صلیبی کی قوت خراب ہوئی۔ فلپ، عکہ کو فتح کرکے وطن واپس چلا گیا اور رچرڈ بھی کئی معرکوں میں داد شجاعت دیکر اور کوئی مفید مقصد کامیابی حاصل کئے بغیر مراجعت کر گیا۔ جب اڈریاٹک میں اس کا جہاز طوفان میں تباہ ہو گیا تو وہ خود گرفتار ہو گیا، اور ایک بڑا فدیہ دینے کے بعد رہائی حاصل کر سکا۔ غرض تیسری جنگ بھی ناکام رہی کیونکہ

محاصرۂ عکہ

عکّے کی تسخیر کسی طرح جان و مال کی اُن عظیم الشّان قربانیوں کی تلافی نہیں کرسکتی تھی، جو اِس مقصد کے لیۓ کی گئی تھیں۔

ہنری ششم

ہنری ششم کا جہاد اِس کے اِس عظیم الشان منصوبے کا صرف ایک جزو تھا، کہ وہ سلطنتِ یونان و مشرق پر قابض ہو جائے۔ ۱۱۹۶ء میں اِس نے ساٹھ ہزار سپاہی شام میں بھیجے، لیکن اس کی مرگ ناگہانی نے فوج کو بے سر کردیا، اور وہ بہت جلد منتشر ہوگئی ؎

اِن ناکامیوں نے اہل مغرب کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ اِن کی بڑی بڑی فوجیں بغیر کچھ حاصل کیۓ ہوئے مشرق میں ضائع ہو چکی تھیں۔ لاکھوں آدمی اب بھی جنگِ صلیبی کا حلف اُٹھانے کو تیار تھے، لیکن اِس کے نباہنے پر چند اشخاص بھی آمادہ نہ تھے۔ انوسنٹ سوم کی انتہائی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل چند ہزار نائٹ کمر بستہ ہوئے، جو اِس اُمید پر وینس آئے، کہ یہاں کے جہازات کے بیڑے پر سفر کرینگے مگر جہازوں کا پورا کرایہ ادا کرنا اس کی بساط سے باہر تھا اِس کے لیۓ انھوں نے یہ معاہدہ کیا کہ قزاقوں کے شہر زارا پر جو ڈالمیشیا کے ساحل پر واقع تھا، اور جس سے وینس کی تجارت کو ہمیشہ نقصان پہنچتا رہتا تھا وینس والوں کی طرف سے حملہ کر دینگے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۲۰۲ء میں حملہ آوروں نے زارا کو فتح کر لیا اور وینس والوں نے ایفاء عہد کا مطالبہ کیا ان فدائیوں کی خواہش یہ تھی کہ مصر میں پہنچکر اسلامی سلطنت کے سب سے اہم مرکز پر حملہ آور ہوں۔ لیکن وینس و مصر سے دوستی تھی اور وینس کو مصر سے بہت بڑا تجارتی فائدہ پہنچتا تھا۔ اِس لیۓ حاکم

وینس نے یہ چال کی، کہ اِن لوگوں کو بجائے اہل مصر کے قسطنطنیہ والوں سے لڑادیا۔ اِس سے اس کا مقصد اس شہر سے اپنا کینہ نکالنا تھا اور یہ بھی مدِ نظر تھا کہ مشرق میں زائد بندرگاہ اور تجارتی حقوق حاصل کرے۔ قسطنطنیہ اِس وقت بحیرۂ روم کا سب سے بڑا تجارتی شہر تھا۔ وینس کو اِس کی اِس فوقیت پر حسد تھا اور ان فدائیوں کی مدد سے وہ اسے نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ فدائیوں کو خود مسلمانوں کی جنگ سے کچھ ایسی دلچسپی نہیں تھی۔ اِن میں تو زیادہ تر ایسے ہی منچلے تھے جو محض لڑنے بھڑنے اور لوٹ مار کرنے نکلے تھے ان کو اُس سے کیا بحث تھی، کہ کِس سے مقابلہ ہے، وہ اپنے نفع کو دیکھتے تھے۔ تخت قسطنطنیہ کے ایک جلاوطن شہنشاہ نے اِن مجاہدوں کو اِس شرط سے رقم کثیر دی کہ وہ اِسے تخت واپس دلادیں اور اِس پر وینس والوں نے بھی شئے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوپ غل ہی مچاتا رہا اور اِن منچلے محاربین نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوکر اِسے مسخر کرلیا مگر جب شہنشاہ معزول کو انہوں نے از سرِ نو تخت نشیں کیا تو اِس نے اِنہیں جتنا دینے کو کہا تھا، نہ دے سکا۔ بالآخر باہم جنگ شروع ہو گئی اور اِس مناقشے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر تاخت و تاراج ہوا، شہنشاہ خارج البلد ہوا، اور اِس کے بجائے مغرب کا ایک شخص قسطنطنیہ میں تخت نشین کیا گیا۔ یہ سلطنت جسے لاطینی سلطنت کہتے ہیں ۱۲۶۱ء تک قائم رہی، یہاں تک کہ یونانیوں نے اِس کا خاتمہ کرکے پھر ایک اپنے ہمقوم کو فرمانروا بنایا۔ اہلِ وینس نے ۱۲۰۴ء کے مالِ غنیمت میں بہت سے یونانی جزائر پر قبضہ کرلیا، کچھ حصۂ اصل ملک

مشرق کی لاطینی سلطنت ۱۲۰۴ء-۱۲۶۱ء

یونان کا بھی دبا لیا، اور قسطنطنیہ میں جہازوں کے ٹھیرانے کا مقام اور تجارتی حقوق حاصل کر لیئے۔ اِس وقت سے بحیرۂ روم کے مشرقی حصے میں بھی یہ لوگ ایک بڑی حد تک دخیل ہو گئے اور یورپ میں اِن کا تجارتی تفوق سب پر غالب آگیا۔

بچوں کی جنگ

قسطنطنیہ کے مقابلے کی اِس مہم کے بعد جتنے محاربے ہوئے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ناقابلِ ذکر ہیں۔ اِن سب میں بچوں کا محاربہ نہایت عجیب وغریب واقع ہوا ہے۔ ۱۲۱۲ء کے موسم گرما میں چالیس ہزار بچے جرمنی میں فراہم کئے گئے اور کوہستان آلپس کو طے کر کے یہ فوج طفلان اٹلی پہنچی۔ اموات، فرار اور گرفتاری سے ہزارہا بچے راستے میں ضائع ہو گئے، اور برنڈسی سے صرف معدودے چند جہاز پر روانہ ہوئے، جن کی پھر کوئی خبر نہ معلوم ہوئی۔ فرانس کے بچوں کا حشر اِس سے بھی بدتر ہوا۔ یہاں سے تیس ہزار بچے مارسیلز کو روانہ ہوئے مگر وہاں سے کل پانچ ہزار جہاز پر سوار ہوئے اور وہ سب کے سب دغا سے مسلمانوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گئے۔

آخری محاربات محض بے حقیقت تھے۔

۱۲۱۷ء میں ایک دوسرے محاربے کی کوشش کی گئی اور اِس کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ڈمائٹیا مسخر ہو گیا۔ لیکن عیسائی اِس موقع سے فائدہ نہ اُٹھا سکے اور چند ہی روز کے بعد پھر یہ شہر اِن کے ہاتھ سے نکل گیا، اور ان کی فوج بالکل تباہ ہو گئی۔ ۲۹-۱۲۲۸ء میں فریڈرک دوم نے ایک محاربے کی سرداری کی، لیکن اِس کو جو کچھ کامیابیاں ہوئیں، وہ تلوار سے نہیں بلکہ حکمت عملی سے ہوئیں، ۴۰-۱۲۳۹ء میں ایک اور محاربہ شروع

ہوا مگر بے نتیجہ۔ ۱۲۴۴ء میں خود مسلمانوں ہی کی ایک جماعت نے ترکوں کے وحشی قبائل سے استمداد کی، جنہوں نے آکر اسلامی ایشیا کو روند ڈالا، فرات کے مغربی علاقوں کو خوب تاخت و تاراج کیا، بیت المقدس اور جنوبی شام کے تمام مسیحی شہروں پر قبضہ کر لیا، اور اس وقت سے بیت المقدس مستقل طور پر مسلمانوں کے پاس چلا گیا۔ لوئس نہم (شاہ فرانس) نے پھر بیت المقدس کو فتح کرنے کی کوششیں کیں، لیکن مصر میں کچھ فتوحات حاصل کرنے کے بعد بالآخر اس کی فوج تباہ ہو گئی اور وہ بے نیل مرام یورپ کو واپس آگیا۔ ۱۲۷۰ء میں اس نے تسخیر ٹیونس کے لئے پھر لڑنا شروع کیا، لیکن اس شہر کے محاصرے ہی کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

شام کو مسلمانوں نے دوبارہ فتح کر لیا۔

شام میں مسیحی قوت کے خاتمے کا زمانہ جلد جلد قریب آتا جاتا تھا ایک طرف ان کے فوجی راہب باہم برسر پیکار تھے، دوسری طرف اٹلی کی ریاستیں خانہ جنگی میں مصروف تھیں۔ ان کے مقابلے میں مسلمان اپنی فتوحات کا سلسلہ برابر دانشمندی کے ساتھ بڑھائے جا رہے تھے۔ ۱۲۶۵ء میں قیصریہ و آرسف پر ان کا قبضہ ہو گیا اور وہ تباہ کر دیئے گئے، ۱۲۶۶ء میں عظیم الشان قلعہ سفید، ۱۲۶۸ء میں جافہ، اور آخر میں انطاکیہ مسخر ہو گیا، غرض اس طرح شمالی شام کا سارا علاقہ ایک ایک کر کے ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ حال دیکھکر گریگری دہم نے پھر تمام یورپ میں جنگ کا وعظ شروع کیا، لیکن کسی نے اس دعوت پر لبیک نہ کہا۔ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات سے کئی بار نصاریٰ کو دم لینے کا موقع مل گیا لیکن ان

کا ستارہ اب زوال میں آچکا تھا۔ ۱۲۸۹ء میں طرابلس ان کے ہاتھ سے نکل گیا، ۱۲۹۱ء میں عکے کا محاصرہ ہوا اور چند ماہ کی دلیرانہ مقاومت کے بعد اس پر قبضہ ہو گیا۔ اس طرح پورا شام نصرانیوں کے ہاتھ سے نکلکر مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا۔ سینٹ جان کے نائٹوں نے بعض جزائر خصوصاً روڈس میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی جو تقریباً دو سو سال تک باقی رہی۔ قبرس ۱۴۸۹ء تک ایک لاطینی سلطنت بنا رہا۔ اس کے بعد وینس نے اس پر قبضہ کرکے اسے اپنی مملکت میں شامل کرلیا۔

محاربات صلیبی کیوں بند ہوگئے

گو صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا، لیکن ہنوز یہ تحریک مردہ نہیں ہوئی تھی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں کتنے ہی پاپاؤں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی آواز بلند کی، اور فرانس کے اکثر بادشاہوں نے تو یہاں تک کیا کہ خود صلیب ہاتھ میں لیکر جنگ کی دعوت دی۔ لیکن ان تحریکات کا مقصد محض اس قدر ہوتا تھا، کہ ان کو کچھ جدید محصول وصول کرنے کا موقع مل جائے۔ لڑائیوں کے موقوف ہونے کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے بڑا سبب تو یہ ہے کہ وہ سب کی سب لاحاصل و ناکام رہیں۔ مشرق میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، بے انتہا دولت تلف ہوئی اور حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔ یورپ اب ان سے بد اعتقاد ہوکر دوسری جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اسپین میں تو البتہ مسلمانوں سے جنگ برابر جاری تھی، مگر جرمنی کی مشرقی سرحد پر اب جنگ بت پرست لٹ اور سلاف میں ہونے

لگی تھی شہنشاہی کے اندر جو ملحد تھے، ان کا شمار بھی اب کفار و مشرکین کے برابر تھا، اور ان سے لڑنا ایسا ہی مقدس اور سزاوار انعام تھا جیسا مسلمانوں سے لڑنا۔ اس کے علاوہ قومیت کا احساس اب اس قدر قوی ہو چلا تھا، اور بین الاقوامی جھگڑے ایسے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے کہ ملک کی ساری قوتوں کا اندرونِ ملک ہی محفوظ رہنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور طرح پر قوم کی مذہبی ضرورتیں بھی پوری ہو گئی تھیں۔ مغرب میں معبد گھتیمینس (Gethsemanes) وایاڈالوروسا (Via Dalorasa) اور کیلویرس (Caluories) بنکر تیار ہو گئے تھے اور مقامات مقدسہ کی ان نقلوں نے بھی ایک حد تک اصل کی طرف سے بے نیاز کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں مراعاتِ مذہبی کی ترقی پذیر خرید و فروخت نے بھی اب نجات مذہبی حاصل کرنے کے لئے بیت المقدس کے طویل و پرخطر سفر کی ضرورت باقی نہیں رکھی تھی۔ یورپ کے مشاغل زندگی بڑھتے جا رہے تھے، اس کے اغراض پیچیدہ ہوتے جاتے تھے اور اس کے عمل کا میدان بیحد وسیع ہوتا جاتا تھا۔ پس اب ایسی فاضل قوتیں باقی نہیں رہی تھیں جو ان دور دراز مقامات کی اولوالعزمیوں میں ضائع کی جائیں۔

محاربات جس مقصد کے لئے ہوئے تھے ان کی ناکامی ایک بدیہی حقیقت ہے اور اس کے اسباب بھی تقریباً اسی قدر واضح ہیں۔ ناکامی کی زیادہ تر ذمہ داری خود محاربین کے طرزِ عمل پر ہے جو انہوں نے دورانِ سفر میں اور نیز مشرق میں پہنچکر اختیار کیا۔ ان کا نہ کوئی

نظام تھا، نہ کوئی اصول و ضابطہ تھا۔ صرف ایک بھیڑ تھی۔ سرداروں میں مطلق اہلیت نہ تھی۔ اِن کے سلاطین و اُمرا برابر آپس میں لڑتے رہتے تھے، اور ان کی شخصی حرص و آز اور خصوصاً نارمن سلاطین کی ہَوس پرستی انہیں خلوص سے کام ہی نہیں کرنے دیتی تھی۔ یونانی شہنشاہوں کے طرزِ عمل کا بھی، جو انہیں محاربین ہی کی وجہ سے مجبور ہو کر اختیار کرنا پڑا تھا مضر اثر پڑا۔ جرمن شہنشاہوں اور پاپاؤں کی باہمی مخالفت و رقابت بھی مضرت رساں ثابت ہوئی۔ اطالوی شہروں پر بھی اِس حیثیت سے ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے تجارتی اغراض میں اس درجہ محو تھے کہ مقاصد مذہبی کو اِن پر قربان کر دیتے تھے، اور آخر میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اِس قدر وسیع خطّے کو آباد کرنے اور اسلامی آبادی کو اپنے میں جذب کر لینے کی دشواری ایسی نہ تھی، کہ اس پر کوئی غالب آسکے۔

محاربۂ صلیبی کا اثر

یورپ پر اِن محارباتِ صلیبی کے بالواسطہ و بلا واسطہ کثیر التعداد و مختلف النوع اثرات پڑے۔ اِن کے سبب سے پوپ کے اقتدار میں اضافہ ہوتا رہا خاصکر ابتدائی سو برسوں میں۔ اربن دوم گویا سارے مسیحی یورپ کا پیشوا تھا، اور پہلی جنگ صلیبی کی ایسی عام پسند تحریک کی پیشوائی کے باعث عیسائی خلقت نے دل سے اِس کی سرپرستی کو تسلیم کر لیا تھا "فرویست" کا وجود میں آنا یوں بھی یقینی تھا، لیکن محاربات صلیبی نے اِس میں نظام و انضباط زیادہ پیدا کر دیا۔ فوجی فقرا کا وجود تمامتر انہیں محاربات کا نتیجہ

تھا فوجی راہبوں کے جرمن سلسلے نے بالٹک میں مشرکین پر جو فتوحات حاصل کیں وہ انہیں محاربات کا ایک بالواسطہ نتیجہ تھا اور نہایت اہم نتیجہ تھا۔

نظام جاگیرانہ

محاربات صلیبی، نظام جاگیرداری کے مٹانے میں بھی معین ہوئے۔ بیرن اکثر اپنے حقوق امتیازات، ارضیات و علاقے فروخت کرکے مصارف جنگ کے لئے زرِ نقد فراہم کرنے لگے۔ قدیم امرا کے بجائے جدید امرا کے پیدا ہونے میں بھی یہ محاربات معین ہوئے۔ اِن زینداروں کی ادنیٰ طبقے کی رعیت چونکہ بڑی تعداد میں جنگ کو چلی گئی تھی، اور اس سے مزدوروں کی ضرورت بڑھ گئی تھی، اس لئے لامحالہ نیم غلاموں کو روزانہ اُجرت پانے والے مزدوروں کی سطح تک بلند کرنا پڑا۔ امرا کی طاقت کو گھٹا کر بادشاہوں کی طاقت کے بڑھانے کی کارروائی پر بھی ایک گونہ ان کا اثر پڑا اِن محاربات نے نظام جاگیری کو بالکل مٹا تو نہیں دیا مگر اسے بہت کچھ کمزور کر دیا۔ چونکہ ان کے سبب سے مختلف اقوام کے اشخاص ایک جا جمع ہوئے، ہر قوم میں دوسری قوم سے اپنے امتیاز کا خیال پیدا ہو گیا، اور ہر قوم دوسری قوم سے نفرت کرنے لگی۔ اور یہی احساس قومیت کا پہلا زینہ ہے۔

تجارت

تجارت پر محاربات کے سب سے زیادہ اہم اثرات پڑے۔ یورپ و ایشیا کے درمیان زائرین کی آمد و رفت کا انتظام چونکہ نہایت نفع بخش کام بن گیا تھا، اس لئے جہازسازی و تجارت کو خاص فروغ ہوا، اور سیکڑوں نئی

اشیائے تجارت یورپ میں آگئیں۔ یورپ میں انواع و اقسام کی شرابیں، شکر، روئی، ریشم، سوتی کپڑے، چادریں، ظروف گلی، شیشہ آلات، دوائیں، مسالا، عطر و تیل، رنگ، خرمے، اجناس و غلہ، لوبان، مصطگی وغیرہ صدہا چیزوں کی ضرورتیں انہیں محاربات صلیبی سے پیدا ہوئیں اور انہیں محاربات نے انہیں جہیا کیا۔ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ پوپ انہیں محاربات کی وجہ سے متمول ہو گیا۔ شہروں کو علی الخصوص اس تجارت سے نفع ہوا جس سے طبقہ اوسط کا وجود میں آنا بہت آسان ہو گیا۔ ان محاربات نے یورپ کی ادبیات میں بھی حرکت پیدا کر دی۔ ان محاربات سے متعلق بیسیوں تذکرے، تاریخیں، نظمیں تصنیف ہوئیں اور افسانے تو بیشمار شائع ہوئے۔ "فروسیت" کے متعلق جو مواد ہے اس کا بالواسطہ ماخذ انہیں محاربات کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی اثر سے سلیمان، ٹرائے و اسکندر اعظم کے افسانے بھی از سر نو زندہ ہوئے۔ ۱۱۴۳ء میں قران شریف کا ترجمہ لاطینی میں ہوا۔ اور اسی زمانے میں پیرس میں السنہ مشرقیہ، عربی و آرمنی وغیرہ کی تعلیم کا ایک مدرسہ قائم ہوا۔

یورپ کے عام سرمایہ معلومات میں بھی ان محاربات سے خاص اضافہ ہوا۔ محاربین نے اثنائے سفر میں بہت سے نئے نئے حیوانات سے واقفیت حاصل کی جس سے ان میں شوق و استعجاب پیدا ہوا اور ان کی اس دلچسپی کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندہ عجائب خانہ قائم کر کے باغات میں یہ نئے نئے جانور جمع کئے گئے، بالخصوص سسلی و اطالیہ میں۔ اسی طرح بعض اہلی جانور بھی مثلاً خچر، گدھا، عربی گھوڑا وغیرہ اول اول انہیں محاربین کے ذریعے سے یورپ میں داخل ہوئے۔

علمی فن زراعت نباتات و فنِ زراعت میں یورپ نے عربوں سے بہت کچھ سیکھا - آبپاشی کے بہترین طریقے یہیں سے حاصل ہوئے۔ "ڈچ" کی پن چکی عربوں ہی کا ایجاد ہے، جس سے مشرق میں غلہ پیسنے اور پانی بھرنے دونوں کے کام لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ اہل صلیب اسے مشرق سے یورپ میں لائے، اور اس کے ساتھ بہت سے نئے نئے درخت اور مختلف قسم کے غلے بھی یورپ میں داخل ہوئے اور ان کی کاشت کے تجربے کئے گئے۔

ادویات و کیمیا عربوں کے ہاں فنِ طب و کیمیا گویا ایک ہی میں شامل تھے - اس باب میں مسیحیوں نے ان سے شربت، جلاب، اکسیر، کافور، سنا، ریوند چینی، اور بیسیوں چیزیں حاصل کیں بیسیوں انگریزی کیمیائی اصطلاحیں مثلاً قرع انبیق (Alambic) الکحل (Alcohol) الکلی (Alcali) بورہ (Borax) مرہم (Amalgam) وغیرہ عربی الاصل ہیں - عربوں کو ریاضی و ہیئت میں جو کمال حاصل تھا، اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، مسلمانوں اور مسیحیوں کے اتصال کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علوم مغرب میں بھی پھیل گئے۔

مگر غالباً سب سے بڑا اور اہم اثر یہ پڑا کہ باہر سفر و سیاحت سے اور اپنے سے مختلف، بہتر و اعلیٰ تر تمدن کے نظارے سے مسیحیوں کی نظر وسیع ہوگئی، اور ان کے خیالات میں سابق کی سی پستی نہیں باقی رہی - مغرب کا طرز معاشرت اس وقت تک بہت ہی غیر متمدن تھا۔ مکانات میں سامان آرائش و آسائش اور تکلفات کا تو کیا ذکر ہے، جو چیزیں اب ضروریات میں داخل تھیں وہ بھی

بہ مشکل ہی موجود ہوتی تھیں - مگر اہلِ مغرب جن کے تجربے نہایت محدود تھے جب جنگِ صلیبی پر روانہ ہوئے تو اِن کی آنکھیں کھلیں، اور انہیں تمدن و معاشرت کے تنوعات و تکلفات، نئے موسم، نئی قدرتی پیداوار، عجیب و غریب لباس، مکانات و رسم و رواج نظر آئے اور نہ صرف نئے نئے خوش سواد مناظرِ فطرت بلکہ آسمان و زمین تک مختلف نظر آئے مکانوں کے اندر آرام و آسائش کی بہت سی نئی چیزیں دیکھنے میں آئیں - اہل مغرب کی جغرافیہ دانی بہت ہی محدود تھی، محاربات صلیبی نے نئے نئے مقامات دکھا کر ان کی نظر میں وسعت پیدا کی جس سے جغرافیہ کے مطالعے کا ایک نیا ذوق شوق پیدا ہو گیا - بحیرہ روم، اور ایشیا و افریقہ کا بہت سا حصہ ان کے علم میں آیا - اس سے دلوں میں شوقِ سیاحت پیدا ہوا، اور کچھ تو اس شوقِ سیاحت سے اور کچھ تجارتی اغراض سے انہوں نے اب دور دراز کے سفر اختیار کئے - قرونِ وسطیٰ کا ایک نہایت مشہور سیاح مارکوپولو ہوا ہے جو وسط ایشیا کو طے کرتا ہوا اور ان خطّوں کی تمام قوموں سے ملتا ہوا بحرالکاہل کے کنارے تک پہنچ گیا - تقریباً اِسی قدر مشہور بعض اور سیاح مثلاً انڈریو آف لانگ جیو سومی وغیرہ ہوئے ہیں - ان کے سفرنامے شائع ہو کر خوب مقبول ہوئے اور ان کی بنا پر سفر و سیاحت کی تحریک میں اور اضافہ ہوا - اس معاملے میں محارباتِ صلیبی کے اثر کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے اس میں مبالغے کو دخل نہیں ہوگا - یہ جو کچھ ہوا، سب محارباتِ صلیبی کے طفیل میں ہوا، اور اگر یہ نہ واقع ہوئے ہوتے تو نشاۃ ثانیہ کی شکل بھی یہ نہ ہوتی -

باب (۱۳)

شہروں کا نشوء نما

دورِ شہنشاہی میں شہروں کی حالت۔

دسویں صدی عیسوی تک شہنشاہی روما کے شہروں کی تاریخ نا معلوم سی ہے۔ گال میں قلعے تو بہت سے تھے، لیکن ان شہروں کی تعداد بھی سو سے اُوپر تھی، جن میں رومیوں کا بلدی طرزِ حکومت جاری تھا۔ چوتھی صدی میں شہنشاہی مطالبات کی سختی کے باعث ان سب کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ وحشیوں کی یورش کے زمانہ میں اور اِس کے بعد شہروں کی عنانِ حکومت آس پاس کے کسی اسقف یا رئیس کے ہاتھ میں چلی جاتی تھی اور بعض دفعہ اختیارات کی تقسیم ہو جاتی تھی۔ یعنی شہر کا ایک حصہ اسقف کے قبضے میں رہتا تھا، اور دوسرا رئیس کے ہاتھ میں۔ کارل اعظم نے اِس طرزِ حکومت میں یوں نظم و انضباط پیدا کیا کہ ہر شہر پر ایک ایک عہدہ دار کو کاؤنٹ کے نام سے حاکم مقرر کر دیا۔

کارل اعظم اور نظام کاؤنٹی (ضلع)۔

یہ کاؤنٹ خواہ اسقف ہوں، یا عام اشخاص ہوں، ہر حال میں وہ اپنی حکومت کے ذمہ دار تھے۔ وہ شہروں پر شہنشاہ کے نام سے حکومت کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے کے بعد جب شہنشاہی میں اختلال پیدا ہوا، اور نظامِ جاگیرداری قائم ہونے لگا تو اِن کاؤنٹوں نے شہروں پر اپنی جاگیرانہ ملکیت قائم کر لی، اور اِس طرح ہر شہر ایک جاگیر اور ہر کاؤنٹ ایک جاگیردار بن گیا۔

نئے شہروں کا قائم ہونا۔

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے جرمن عموماً دیہاتوں میں رہتے تھے۔ کارل اعظم کے زمانے تک گال و جرمنی کے باشندوں کی تعدادِ کثیر دیہات ہی میں رہتی تھی۔ ملک کی بدامنی اور علی الخصوص اہلِ شمال اور ہیون کے حملوں نے لوگوں کو اِس امر پر مجبور کر دیا، کہ لوگ ملکر دیواروں کا حصار بناکر رہیں۔ اور اِس طرح رفتہ رفتہ شہر وجود میں آگئے۔ خانقاہوں اور محلات کے جوار میں بھی بہت سے شہر بس گئے۔ اِن کی ابتدا بے شبہ بہت ہی مختصر تھی، لیکن تدریجاً اِن میں ترقی ہوتی رہی۔ ان کا تعلق موجود الوقت نظامِ جاگیرداری سے بھی ہو گیا اور ان پر جاگیردار حاکم ہو گئے۔

شہر کے رہنے والوں کی آزادی جاتی رہی۔

میلان زمانہ کے اقتضا سے باشندگانِ شہر سے ان کی پوری آزادی سلب ہو گئی تھی۔ اب یہ لوگ نہ پوری طرح آزاد تھے، نہ بالکل غلام تھے، بلکہ اپنے حاکم کے اختیار و تصرف میں سمجھے جاتے تھے، پس عملی طور پر ان کی حالت نیم غلاموں سے کچھ

زیادہ مختلف نہیں تھی - ان لوگوں کو شخصی یا سیاسی کسی قسم کی بھی آزادی حاصل نہیں تھی، اس لئے کہ حکومت میں ان کا مطلقاً دخل نہ تھا۔ ان کا آقا خود ہی تمام آمدنی وصول کرتا تھا، ان کے اوپر عامل و کارندے مقرر کرتا تھا، انتظام قائم رکھتا تھا۔ مجرموں کو سزا دیتا تھا، غرض یہ کہ اسی کی ذات میں حکومت کے تمام اختیارات و فرائض جمع تھے - اہل شہر ہر بات میں زمیندار کے دست نگر و محتاج تھے - جب تک شہروں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں رہیں، اور شہر کی بود و باش میں ترقی نہیں ہوئی اس وقت تک اس کیفیت کا قائم رہنا چنداں مستبعد نہیں تھا، لیکن جب شہروں نے وسعت و دولت و قوت حاصل کر لی، تو پھر یہ خیال بھی نہیں آسکتا کہ یہ کیفیت برقرار رہ سکتی تھی - اب یہ یقینی تھا، کہ باشندگان شہر پہلے حرّیت شخصی، اور پھر حقوق سیاسی یعنی حکومت خود اختیاری کے لئے جد وجہد کرینگے -

انجمن (گلڈ) آئندہ زمانے کی مجلس عوام کی بنا اول اول گلڈ (انجمن) سے پڑی - جو اشخاص اپنے اغراض و مقاصد مشترک رکھتے تھے، انھوں نے خفیہ طور پر اپنی اپنی ایک انجمن قائم کر لی - ابتداءً ہر شہر اور ہر حرفے والوں کی الگ الگ انجمن تھی، لیکن آگے چلکر عام اغراض کے لیئے کئی کئی انجمنیں ایک دوسرے سے مل گئیں -

حرفت وتجارت کی تجدید گیارہویں اور بارہویں صدی میں مجالس عوام الناس نے جو ہلچل پیدا کی، اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ

تجارت و صنعت وحرفت میں اب از سرِ نو ترقی ہونے لگی تھی، اور اس لیئے ثروت میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اِس تحریک کے مقدمۃ الجیشں ارباب تجارت ہی سے تھے اور اِس خروج کی اشاعت بھی تاجرانہ راستوں ہی میں ہوئی۔ دسویں صدی میں خانگی جنگوں کو روک گئے اور امن قائم کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔ نظامِ جاگیرداری کے رسم و رواج زیادہ معینہ صورت میں آگئے تھے اور ایک حد تک امن بھی قائم ہونے لگا تھا۔ اسی سے تجارت کو بھی ایک بڑی حد تک فروغ جدید حاصل ہوا تھا جب تک متمول و باثروت تجارت پیشہ اصحاب نہ پیدا ہوئے تھے اس وقت تک زمینداروں کے سخت مطالبات کے خلاف میں کسی نے بھی صدا بلند نہ کی، مگر جب ایسے باثر و ذی ثروت اشخاص کثرت سے پیدا ہوگئے، جو زمینداروں سے اچھی طرح مقابلہ کرنے کی قوت و استطاعت رکھتے تھے، تو بغاوت کی ہوا چل گئی، ان صاحبانِ دولت نے گویا ایک طرح کی حکومت اعیانی بنالی تھی اور آگے چلکر جو جد و جہد شروع ہوئی اس میں وہ نہ صرف باشندگانِ شہر کی حریتِ شخصی کے بلکہ اکثر حالتوں میں حقوقِ سیاسی کے حصول میں بھی کامیاب ہوئے۔

فرانس کے شہروں میں جمہوری حکومت نہیں تھی۔

اٹلی میں (جیساکہ اوپر گزر چکا ہے) شہروں نے شہنشاہ و پاپا دونوں کی ماتحتی سے آزادی حاصل کرکے اپنی مستقل جمہوری حکومتیں قائم کرلی تھیں، لیکن فرانس میں یہ تحریک اِس حد تک نہ چل سکی

یہاں آزادانہ جمہوریت ایک شہر کو بھی نصیب نہ ہو سکی۔ خود مختاری تو کیا، یہاں کے شہر زمینداروں کے پنجۂ استبداد سے بھی کامل نجات نہ پا سکے۔ بلکہ جن شہروں نے سیاسی آزادی و حکومتِ خود اختیاری کے انتہائی و آخری مراتب طے کر لئے تھے، وہ بھی کسی نہ کسی صورت میں اپنے زمینداروں کے حق مالکانہ کو تسلیم کرتے تھے۔

آزادی زور سے یا زر سے حاصل ہوئی

جب شہریوں نے اوّل اوّل اپنے مطالبات پیش کئے تو زمینداروں کے ذہن میں ان کی مخالفت کے سوا اور کوئی خیال نہیں آیا اور ایسے مطالبات سے، جن کا مقصد ان کے اقتدار و ارتفاع کو کم کرنا ہو، ان کا انکار کرنا بالکل طبعی امر تھا لیکن زمینداروں کے انکار کا جواب اہل شہر کی طرف سے عموماً زبانِ شمشیر سے دیا گیا، اور اس معرکہ آرائی میں کامیابی اکثر اہل شہر ہی کے ہاتھ رہی مگر بعض زمیندار جن پر حُبّ زر غالب تھی انہیں اس تحریک میں اپنی جیبیں بھرنے کا اچھا موقع نظر آیا اور انہوں نے بجائے مجادلے و مقاتلے کے، اہلِ شہر کے مطالبات کو بہ قیمت فروخت کرنا شروع کر دیا یعنی وہ رعیت سے روپیہ لیکر اس کے معاوضے میں انہیں وہ حقوق عطا کر دیتے تھے، جن کا مطالبہ ہوتا تھا، اور اس طرح بعض امرا کو آئندہ جنگ صلیبی کے لئے ساز و سامان بہم پہنچانے میں بڑی مدد ملی۔ چونکہ حصول مطالبات کے بعد شہروں کی آبادی و ثروت بہت جلد بڑھ جاتی تھی اس لئے ایسے زمینداروں کی مجموعی آمدنی میں آئندہ نقصان کے

بجائے توفیر ہی ہوتی رہتی تھی، پس بعد میں زمینداروں نے خود اپنے نفع کے خیال سے ان مطالبات کو باسانی منظور کرنا شروع کر دیا۔

صنف اول

فرانس کے شہروں کو ان کے مدارج حُریّت کے لحاظ سے تین صنفوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ صنف اول میں وہ شہر شامل ہیں جن کے باشندوں کو صرف شخصی آزادی سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوا اور بعض مطالبات جاگیری میں تخفیف ہوگئی۔ زمیندار کا کارندہ ان پر بدستور حکومت کرتا تھا، اور انہیں اپنے عہدہ داروں کے انتخاب یا اپنے انتظامی معاملات میں مطلق دخل نہ تھا۔ اس قسم کے شہر صوبجات نارمنڈی و برٹینی میں خاصکر زیادہ تھے، یہ قصبات باشندگان (Villes de bahrgeoisic) کہلاتے تھے۔

صنف دُوم کانسلی شہر

دوسری صنف کے شہر، جو زیادہ تر جنوبی فرانس میں واقع تھے، وہ تھے جنہوں نے بجز عدالتی فرائض کے اور ہر حیثیت سے اپنے معاملات کو انجام دینے کا حق حاصل کر لیا تھا۔ عدالتیں بدستور زمینداروں کے تحت میں تھیں۔ اطالوی شہروں کے نمونے پر انہوں نے کانسلی طرز حکومت اختیار کیا۔ ان کے کانسل (عامل) کو خود ساری رعایا یا انجمنیں، منتخب کرتی تھیں، اور زمیندار ان کے تقرر کی تصدیق کرتا تھا۔ یہ عامل اپنے انتظام کے لیئے زمیندار کے ذمہ دار ہوتے تھے، اسی کے سامنے رپورٹیں پیش کیا کرتے تھے۔

شہر کی مُہر اور کنجیاں

علامت حریت کی طور پر ہر شہر اپنی ایک مہر رکھتا تھا، جو تمام سرکاری کاغذات پر ثبت ہوتی

تھی، لیکن زمیندار اپنے اقتدار کی نشانی کے طور پر شہر کی کنجیاں اپنے پاس رکھتا تھا۔ تیسری قسم کے شہر حقیقتہً مجلس عوام الناس کی خود مختاری کے شہر تھے۔ ان پر زمیندار کے اقتدار کا اظہار دو طرح پر ہوتا تھا۔ شہر اس کے بعض مطالبات واداۓ رقوم

صنف سوم مجلس عوام الناس کے ماتحت شہر۔

کے ذمہ دار تھے، اور مقدمات میں مرافعہ سننے کا حق اسے حاصل ہوتا تھا، لیکن شہر کے اندرونی معاملات و انتظامات میں اسے کوئی دخل نہ تھا، اور نہ عمال شہر اس کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ انتظام شہر کا سرگروہ ایک میر (صدر بلدہ) ہوتا تھا اور اس کی مدد کے لئے ایک کونسل رہتی تھی۔

مجلس عوام کی رکنیت کا حق

عموماً ان خود مختار شہروں میں اختیارات ساری آبادی کو نہیں حاصل ہوتے تھے گو چند شہروں میں ایسا بھی تھا کہ تمام باشندے مجلس عوام الناس کے رکن ہوتے تھے لیکن بالعموم یہ ہوتا تھا کہ سیاسی اختیارات صرف ایک یا چند انجمنوں کے ہاتھ میں رہتے تھے۔ پس اس بنا پر ان خود مختار شہروں کو جمہوریت کہنا صحیح نہیں بلکہ ان کا طرز حکومت اشرافی ۹ یا اعیانی تھا یعنی ایک محدود جماعت حکمراں تھی، جوں جوں یہ شہر ثروت و اقتدار میں ترقی کرتے گئے اور ان کی رکنیت کا اعزاز بڑھتا گیا، طبقۂ حکمراں میں داخل ہونے کا دائرہ اور زیادہ تنگ ہوتا گیا، اور اس کی اعیانی یا اشرافی حیثیت کی خصوصیت زیادہ نمایاں ہوتی گئی۔

ان شہروں نے گو حکومت خود اختیاری حاصل کرلی تھی، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اسے برقرار کیونکر رکھا جائے۔آپس میں نفاق و شقاق شروع ہوا، اور ارکان حکومت سر بازار ایک دوسرے کی فضیحت کرنے لگے۔ سیاسی مشکلات کے علاوہ امور معاشرت میں بھی جھگڑے پیدا ہونے لگے۔ طبقۂ ادنیٰ اعلیٰ سے اور غربا اُمرا سے دست وگریباں ہونے لگے۔شہر کے حکام عموماً سخت جابر ہوتے تھے، اور جن لوگوں کا تعلق حکمراں انجمنوں سے نہیں تھا، ان پر ظالمانہ تشدد و سخت گیری ہوتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے بھی اپنی اپنی جمعیتیں قائم کرنا شروع کردیں، اور کہیں کہیں انہیں بھی مجلسِ حکومت میں اپنے ارکان شامل کرنے میں کامیابی ہوگئی یہ لوگ داخلے میں ناکام بھی رہتے، تو بھی شہر میں شورش و ہنگامہ ضرور برپا کردیتے، اور ایسی صورت میں کسی بیرونی شخص کو قیام امن کے لئے دست اندازی کرنا پڑتی اور وہ شخص بالعموم بادشاہ ہوتا تھا، دوسرا سبب بدنظمیوں کا یہ ہوا کہ شہر کا مالی نظم و نسق سخت ابتر حالت میں تھا۔ حکام علی العموم خائن اور رشوت خوار تھے، اور اس قسم کے ملزموں سے بازپرس بھی ناممکن تھی کیونکہ عام قوم کے سامنے اپنی کارروائیوں کے متعلق کسی قسم کی بازپرس کا انہیں انکار تھا۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ انہوں نے جب آپس میں ایک دوسرے کو اپنی کارروائیوں سے آگاہ کردیا تو ان کا فرض ادا ہوگیا، اس صورت حال میں یہ کوئی تعجب نہیں کہ اکثر شہروں کا دیوالہ نکل گیا۔ حکومت کے

مخارج، خیانت و بد دیانتی سے حاصل کی ہوئی رقموں کو بھی ملا کر مداخل سے کہیں زیادہ ہو جاتے تھے۔

بادشاہ و کمیون

یہ دو چیزیں، یعنی خود مختار شہروں کا دیوالیہ ہو جانا اور بد امنی، تباہی کا اصل باعث ہوئیں۔ شاہانِ فرانس اب ہمہ تن اس سعی میں مصروف تھے، کہ تمام اقتدار خود اپنے ہاتھ میں کر لیں، اور اُنکی اِس جذب مرکزیت کی رفتار روز بروز زیادہ تیز ہوتی جاتی تھی۔ اُمرا بتدریج مطیع ہوتے جاتے تھے، اور خود مختار شہر جس طرزِ عمل کے ہدف بنائے گئے تھے، ایک نہ ایک دن اِن کا خاتمہ ہوتا تھا، شاہی اہلکارانِ خزانہ اِن کے مالی معاملات میں برابر مداخلت کرتے رہتے تھے، اور بد انتظامی کی سزا یہ دیتے تھے کہ ان کا منشور ضبط کر لیتے اور ان کے حقِ خود مختاری کو سلب کر لیتے تھے۔ اور آزاد شہروں کے عدالتی اختیارات کو بھی ہر طرح پر محدود کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پارلیمنٹ نے، جسے فرانس میں عدالتی اختیارات حاصل تھے، مقامی عدالتوں کی قوت کو اس ترکیب سے توڑنا چاہا، کہ ایسے مقدمات کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کر دیا، جو صرف بادشاہ یا عُمّال شاہی کے سامنے پیش ہو سکتے تھے۔ بادشاہ یا پارلیمنٹ کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں شاہی عدالت کا اقتدار قائم ہو۔ مرکزی حکومت نے آزاد شہروں کے ٹیکس بھی بڑھا دئے۔ بادشاہ کا اقتدار جوں جوں بڑھتا رہا، اُسیقدر ان آزاد شہروں کے معاملات میں اس کی مداخلت بھی بڑھتی گئی اب اس نے ان کے انتخابات کی نگرانی، اور ان کے عُمّال و حکام کا معائنہ بھی

اپنے ہاتھ میں لے لیا، جس شہر نے اطاعت سے انکار کیا یا ذرا بھی اس کی مرضی کے خلاف کیا، اس پر اس نے سخت جرمانہ کیا، اور مختلف طریقوں پر اس نے انکا زور توڑنے کی کوشش کی۔ چنانچہ بالآخر اس نے انھیں مجبور کیا، کہ اپنے منشور خودمختاری سے یعنی اپنے حقوق و حریتِ سیاسی سے دست بردار ہو جائیں۔ اس شاہی طرزِ عمل کی بنیاد لوئس نہم (۱۲۲۶ء تا ۱۲۷۰ء) کے زمانے سے پڑی۔ فلپ چہارم (۱۲۸۵ء تا ۱۳۱۴ء) کے عہد میں ضبطیوں کی تعداد بڑھ گئی یہاں تک کہ ۱۳۰۰ء میں یہ آزاد شہر اپنی آزادی کو کھو کر تمام تر شاہی تسلط و تصرف میں آ گئے، اور معدوم ہو گئے۔

جرمن شہروں نے جن طریقوں سے آزادی حاصل کی، ان کی داستان نہایت ہی پیچیدہ و مختلف النوع ہے۔ ۱۲۵۴ء سے ۱۲۷۳ء تک کے وقفہ شاہی کے قبل تک انہوں نے صرف یہ کیا تھا کہ اُمرا کو تشخیص ٹیکس کے جو نا محدود اختیارات حاصل تھے، ان کی ایک گونہ تجدید کرا لی تھی، لیکن اس زمانے میں اور اس کے بعد جبکہ شہنشاہی قوت بالکل مضمحل ہو چکی تھی، انہوں نے جلد جلد بندشوں کو توڑنا شروع کیا تا آنکہ بالآخر کامل حریتِ سیاسی حاصل کر لی۔

شہر اور ان کی حکومت

جرمنی کے شہر دو طرح کے تھے۔ ایک تو شہنشاہی شہر تھے جو صرف شہنشاہ کے تابع تھے؛ دوسرے وہ، جو والیانِ ملک کے تحت میں تھے۔ اختیار و اقتدار صرف چند متموّل و قدیم خاندانوں کے ہاتھ میں تھا۔ انھیں میں سے، عامل شہر اور اس کی مجلس شوریٰ کے ارکان منتخب ہوتے تھے

اور انھیں دونوں سے ملکر جماعت حکمراں بنتی تھی۔ تجارت پیشہ آبادی نے اپنی روز افزوں ترقی کی وجہ سے اپنی الگ ٹولیاں قائم کیں، اور جب انھیں اپنی قوت کا احساس ہوا تو تیرھویں صدی کے آخر میں حکومت میں حصہ لینے کی تمنائیں بھی ان کے دلوں میں موجزن ہوئیں۔

اہلِ سوابیا کی لیگ سنہ ۱۳۴۴ء

شہروں اور ان کی تجارت کا دار مدار اس پر تھا، کہ ملک میں امن ونظم قائم رہے۔ اور چونکہ شہنشاہی حکومت خود کمزور تھی اس لئے ان شہروں نے اپنے تحفظ کے لئے باہم خود ایکا کرلیا۔ سنہ ۱۲۵۴ء میں نشیبی رائن کے شہروں نے محافظت باہمی کے لئے اتحاد کیا۔ سنہ ۱۳۴۴ء میں جنوبی اور جنوب و غربی جرمنی کے اضلاع نے مشہور لیگ سوابی قائم کی۔ والیانِ ملک نے اس کی آئندہ قوت سے خائف ہوکر (سنہ ۱۳۸۸ء) میں بہ مقام ڈیفنگن اس پر حملہ کیا اور فتح پائی۔ شہروں کو آئندہ اِس قسم کی انجمنوں کے قیام کی ممانعت کر دی گئی، اور والیانِ ملک یہ سمجھے کہ انہوں نے دشمن کو فنا کر دیا۔ لیکن کچھ روز کے بعد شہر پھر ابھرے،

ہینس لیگ

اور اپنی گم شدہ قوت پھر حاصل کرلی۔ اب ان لیگوں میں سب سے بڑی لیگ ہینس کی تھی، جس کے حدود عمل میں صوبجات بالٹک کے تمام شہر داخل تھے، اور شاخیں تو اس کی اور دور دور کے ملکوں تک پہنچی تھیں، تیرھویں صدی میں معمولی سی ابتدا سے ہینس لیگ برابر بڑھتی رہی، تا آنکہ تقریباً پچاس شہر اِس کے تصرف میں آگئے۔ تجارت پر اس نے اپنا قبضہ بٹھا دیا اور گویا سارے شمالی و غربی یورپ پر اس کی حکومت

چھاگئی۔ اِس لیگ کا شباب سنہ ۱۳۵۰ء سے سنہ ۱۵۰۰ء تک رہا۔

ہینس کا زوال

اِس کا زوال ان اسباب سے ہوا، کہ تجارت اور تجارت کے راستوں میں تبدیلی ہوگئی، اور نئے نئے دریائی راستے معلوم ہوگئے۔ ہینس کے بعض زیرِ اثر شہر بدستور مذہبِ کیتھولک کے متبع رہے، لیکن بعض نے لوتھر کا مذہب اختیار کرلیا، اور "اصلاح" کے متعلق جو مذہبی جنگ شروع ہوئی اس میں وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ وجدال کرنے لگے اور جوں جوں ان ممالک کی حکومتیں جن میں یہ شہر واقع تھے زبردست وقوی ہوتی گئیں، ان شہروں کا بیرونی اتحاد کمزور پڑتا گیا، ان کی آزادی وخود مختاری جاتی رہی، اور ہر شہر خود اپنے ملک کی حکومت میں جذب ہوگیا۔

باب (۱۴)

اٹلی، چارلس ہشتم کے حملے کے وقت تک

(سنہ ۱۴۹۴ء)

ازمنۂ وسطیٰ میں اطالیہ کا متحد ہونا کیوں ناممکن تھا۔

اٹلی میں، اس قدر مختلف نسلیں آباد تھیں، کہ قرونِ وسطیٰ میں، ان کا متحد ہونا ممکن نہ تھا۔ اس جزیرہ نما میں کچھ تو وہ لوگ تھے جن پر پوری طرح رومن تمدن کا رنگ چڑھ چکا تھا، اِن کے علاوہ جنوب کے یونانی، اڈوویکر کے جرمن، مشرقی گوتھ، لومبارڈ، عرب، نارمن، وغیرہ سب ہی وہاں موجود تھے، اور اِن میں سے ہر قوم ساری اٹلی کو اپنے تصرف میں لانے کے لئے دوسری قوموں سے برسرِ پیکار رہتی تھی۔ ادھر سیاسی اعزاز کیلئے ان کے زبردست رقیب پوپ و شہنشاہ تھے، اِنہیں دونوں کی معرکہ آرائیوں سے شہروں کو یہ موقع مل گیا کہ حکامِ شہنشاہی کو معزول کر کے اس طرز کی مقامی آزادانہ حکومت قائم کریں جیسی سابق کے باب میں کمیون کی حکومت مذکور ہو چکی ہے۔

شہروں نے آئینی طرز حکومت حاصل کرلیا اور کامیابی سے شہنشاہ کا مقابلہ کیا۔

فریڈرک اول نے ان شہروں کو پھر اپنا مطیع کرنا چاہا، لیکن لیگ لومبارڈ اور پاپا کے سامنے اس کی نہ چل سکی۔ جنگ لگنانو (۱۱۷۶ء) اور معاہدہ کانسٹینس (۱۱۸۳ء) سے شہروں کو وہ ساری آزادی حاصل ہوگئی، جس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے، اور شہنشاہی حکومت صرف برائے نام رہ گئی۔ فریڈرک دوم کی وفات کے بعد پھر بہت کم کسی شہنشاہ نے اٹلی پر حکومت بٹھانے کی کوشش کی۔

شہروں کے اندرو باہر کے جھگڑے۔

شہروں نے اگرچہ آزادی حاصل کرلی تھی، لیکن اس سے یہ ذمہ داری نہیں ہوسکتی تھی کہ نظم و امن بھی قائم رہیگا، چنانچہ مناقشات باہمی کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ صرف حکمران گلڈ (انجمن) کے افراد کا نظام حکومت میں دخل تھا اور فریقانہ امتیازات شورش و فساد کی بہت بڑی بنا تھے۔ امرائے کبار و صغار، اور متموّل تجار عام کاروباری حلقوں کے حقوق کو پامال کرکے ساری حکومت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ امرا کی

پوڈسٹا

رعونت و حُبِّ جاہ کے نتائج شارع عام پر معرکہ آرائیوں کی صورت میں ظاہر ہونے لگے۔

اس صورت حال کو دیکھکر ۱۲۰۰ء کے قریب شہروں نے اپنے اپنے لئے حاکم منتخب کرنے شروع کئے جنہیں پوڈسٹا (Podestu) کہتے تھے۔ اور ساتھ ہی ادنیٰ طبقوں نے بھی حکمرانی میں حصہ لینے کے

لئے جدوجہد شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی اپنی گلڈ (انجمن) قائم کی اور اپنی ایک خاص کمیون کے تحت میں متحد ہو گئے اور آمر مطلق کے جوڑ پر اپنا ایک "سردار" منتخب کیا۔ اس سے مختلف فریق قائم ہو گئے اور باہم خونریزی ہونے لگی۔ ذی امتیاز طبقوں نے شہنشاہ سے استعانت کی، ان کا فرقہ گیبیلائن (حامیانِ شہنشاہ) کہلایا عوام پوپ کے شریک ہو گئے، اور گلف (حامیانِ پوپ) کے لقب سے موسوم ہوئے تیرھویں صدی ساری کی ساری انھیں خانہ جنگیوں میں گزر گئی اور خاتمہ اس پر ہوا کہ شہر اپنی جمہوریت کھو بیٹھے، اور پھر اہلِ استبداد کے پنجے میں آ گئے۔

گیبیلائن گلف۔

اٹلی کی پانچ سلطنتیں

وینس لمبارڈی ٹسکینی روما نیپلز

سن ۱۳۰۰ء کے قریب سیاسی حیثیت سے اٹلی کی حالت کم و بیش حسب ذیل تھی۔

پیڈمانٹ میں قدیم نظام جاگیرداری بدستور قائم تھا، اور متعدد بیرن جن میں سیوائے کے کاؤنٹ (موجودہ شاہانِ اٹلی کے اسلاف) بھی شامل تھے، حصول اقتدار کے لئے باہم نبرد آزما تھے۔

لومبارڈی میں ہر شہر پر مطلق العنان حکمرانوں کا قبضہ تھا، یعنی میلان پر خاندان وسکونٹی کا، ویرونا پر خاندان اسکیلیگیر کا، پیڈوا پر خاندانِ کریریسی کا، مینٹوا پر خاندان گونزاگی کا، فیرارا پر خاندانِ اسٹینسی کا تسلط تھا ٹسکینی میں ہر شہر دوسرے سے خانہ جنگی میں مبتلا تھا، مگر اس کا حشر وہی ہونا تھا جو لمبارڈی

کا ہوا - کلیسا کی ریاستوں میں شہر پاپا کے تسلط سے آزاد
ہوا چاہتے تھے - پاپاؤں کے اوینوں میں (۱۳۰۹ء سے ۱۳۷۸ء
تک کے) عرصے تک قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اربینو، پروگیا، ریمنی
وغیرہ میں شخصی حکومتیں قائم ہوگئیں، بولونا میں جمہوریت قائم
ہوگئی، اور روما میں مختلف طرز حکومت کے برابر تجربے
ہوتے رہے - نیپلز شاہان آنجوی کا مستقر حکومت قرار پایا،
اور سسلی، آراگان والوں کے تصرف میں آگیا جنیوا اور وینس
خود مختار جمہوریتیں تھیں - جس زمانے میں کہ آپس میں نفاق و
شقاق کی گرم بازاری تھی، اس دوران میں دُول خمسہ میں جو
پندرھویں صدی میں اٹلی کو تقسیم کر لینے والی تھیں، روز افزوں
قوت و اقتدار کے آثار نمایاں ہوتے جاتے تھے - اِن کی
تاریخ کا مختصر بیان ذیل میں کیا جاتا ہے -

جنیوا

جنیوا و وینس کی ترقی کا راز ان کی تجارت میں
مخفی تھا، کچھ دنوں تک پیسا بہ لحاظ تجارت
اور مغربی بحیرۂ روم کی مرکزیت کے جنیوا کا زبردست حریف
بنا رہا، لیکن ۱۲۸۴ء کی جنگ میلوریا میں جو پیسا کے قریب ہی
واقع ہوئی تھی، جنیوا کا بیڑا کامیاب رہا، اور اس شکست کے
بعد پیسا کا زور ٹوٹ گیا - ۱۲۶۱ء میں شہنشاہ یونان کو قسطنطنیہ
کے دوبارہ تسخیر کرنے میں جنیوا نے مدد دی، اور اس کے
صلے میں اسے بحر اسود میں تجارت کا حق بلا شرکت غیرے
مل گیا لیکن اب جنیوا و وینس میں تصادم ہوا کیونکہ وینس

چوتھے محاربۂ صلیبی کے نتیجے میں مشرق میں خاص طور پر بااثر ہوگیا تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان دو صدیوں سے زیادہ تک جنگ جاری رہی، جس کا خاتمہ بالآخر جنگ شیوگیا (۱۳۸۰ء) میں جنیوا کی کامل ہزیمت پر ہوا۔ اس کے بعد سے جنیوا کو مسلسل زوال ہوتا رہا، اور وینس بحیرۂ روم کا مالک ہوگیا۔

وینس ۶۹۷ء سے وینس کا حکمراں ایک "ڈوج"، (ڈیوک، امیر) ہوتا چلا آیا تھا، جسے رعایا خود منتخب کرتی تھی مگر شہر کا میلانِ حکومت امرائی کی جانب تھا۔ بارہویں صدی کے خاتمہ پر "مجلس اعظم" نے جو چار سو اسّی ارکان پر مشتمل تھی، حقِ انتخاب کو غصب کرلیا۔ اب ڈوج کی اعانت کے لئے ایک مختصر مجلس چھ ارکان کی، اور زیادہ اہم معاملات کے لئے ساٹھ ارکان کی مقرر ہوئی۔ ۱۲۹۷ء میں حکومتِ امرائی نے اپنی تکمیل یوں کی کہ "مجلس اعظم" کی رکنیت کا انتخاب مسدود کرکے اس کی رکنیت کو انہیں لوگوں کی اولاد کے لئے مخصوص کردیا۔ ہر طرح کی عام تحریکات کا سدّباب کرنے کے لئے "مجلس اعظم" نے دس ارکان کی ایک مختصر مجلس غیر محدود اختیارات احتسابی کے ساتھ قائم کی۔ اس مجلس کے خونیں کارناموں نے رعایا کی ہر طرح کی شورش کو قطعاً روک دیا اور شہر کی حکومت کو اس قدر مضبوط اور مستحکم کردیا، جس کی نظیر اٹلی کے کسی اور شہر میں نہیں ملتی۔ اب وینس نے نہ صرف مشرقی بحیرۂ روم کے جزائر ہی حاصل کرلئے بلکہ جزیرہ نمائے بلقان کا بہت سا حصہ بھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا رخ اٹلی کے طرف پھیرا، اور ٹریویزو، پیڈوا، وسینزا وغیرہ مقامات کو مسخر کرلیا لیکن پندرہویں صدی میں اصل سرزمین اطالیہ پر اس کی ان فتوحات وتوسیعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملان سے اس سے تصادم ہوگیا۔

ملان ملان میں گیبلائن خاندان وسکونٹی گلف خاندان ڈیلے ٹور پر غالب آگیا اور اس نے پورے زور کے ساتھ اپنے حدود ملک کی توسیع کی فکر کی۔ ۱۳۵۰ء تک اس خاندان نے تقریباً سارے صوبۂ لمبارڈی کو مسخر کر کے ملحق کر لیا۔ گیان گیلیزو (۱۳۸۵ء تا ۱۴۰۲ء) جو اس خاندان کا قابل ترین رکن تھا، جنوب میں اتنی دور تک فتح کرتا ہوا بڑھ گیا، کہ فلورنیس کی سرحد تک پہنچ گیا۔ لیکن ۱۴۴۷ء میں یہ خاندان ختم ہوگیا۔ اور لومبارڈی کی حکومت ان پیشہ ور سپاہیوں کے سرداروں کے ہاتھ میں آگئی جو وسکونٹی کے خاندان اور بعض دوسرے شہروں کی خدمت میں ملازم رہ چکے تھے۔ اب ان میں سے ہر سردار نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر کسی نہ کسی شہر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ خود ملان میں فرنسیسکو سفورزا کو اقتدار حاصل ہوگیا جو ان سب میں زیادہ مشہور تھا۔ شہر نے اہل وینس سے مقابلے کے لئے اسے اپنا سردار منتخب کیا، میدان اس کے ہاتھ رہا، اور واپسی پر اس نے جبراً و قہراً اپنے تئیں ملان کا ڈیوک تسلیم کرالیا (۱۴۵۰ء)

فلورنس فلورنس کی تیرہویں صدی کی سیاسی تاریخ فریقانہ جھگڑوں کی وجہ سے اس قدر پیچیدہ ہے کہ یہاں اسکی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ ابیض، اسود، اُمراء قدیم امراء جدید قدیم گلڈ، نئے امرائے دولت، ادنیٰ طبقے کی گلڈ، سب باہم دست و گریبان رہتے، اور ملک کی حالت ادر زبون و ابتر بنائے ہوئے تھے۔ اس طوائف الملوکی و بدنظمی سے فائدہ اُٹھا کر خاندان مڈیسی نے اقتدار حاصل کر لیا، مڈیسی دراصل مہاجنوں کا ایک قدیم و متمول خاندان تھا، وہ اب اپنی دولت کے بل پر سیاسی اقتدار کا خواب دیکھنے لگا، انہوں نے یہ دیکھا کہ طاقت دراصل عوام کے ہاتھ میں ہے اور اس لئے وہ عوام کے

شریک ہوگئے، اور اس ترکیب سے اس خاندان کا بزرگ، شہر کا حقیقی فرمانروا بن گیا، اگرچہ اس نے تمام نظام حکومت کو علیٰ حالہا قائم رکھا مگر تمام عُمّال و حکام کا عزل و نصب اس کے اختیار میں تھا۔ آخر اسی خاندان کے ایک رُکن لارینزو ذی شان (۱۴۶۹ء تا ۱۴۹۲ء) کے وقت میں تمام جمہوری عہدے و مناصب مٹ گئے اور وہ خود اپنے مقرر کئے ہوئے ستّر ارکان کی مجلس شوریٰ کے ساتھ فرمانروائی کرنے لگا۔ اسی خاندان کے عہدِ فرمانروائی میں فلورنیس نے اپنے کمزور ہمسایوں پر فوج کشی کر کے پورے ٹسکینی پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

روما | پاپاؤں کے قیام ادیگنو کے زمانے میں روما اپنے امرا کی باہمی خانہ جنگیوں اور عوام کی شورش انگیزیوں کا ہدف بنا رہا۔ کولونا اور آرسینی کے خاندان شارع عام پر فساد برپا رکھتے تھے۔ ۱۳۴۷ء میں جو بغاوت ہوئی، اس سے رانیزی ٹربیون ہو گیا اور اسے قیامِ امن کے لئے ہر طرح کی تدبیر استعمال کرنے کے پورے اختیارات دئے گئے۔ اس نے مفسد اُمرا کو خارج البلد کر دیا، لیکن اپنی کامیابیوں سے وہ اس قدر بھول گیا کہ رعایا اس کی حکومت کو برداشت نہ کر سکی، اور خود اسے خارج البلد کر دیا۔ وہ پراگ میں شہنشاہ کے پاس اپنا مرافعہ پیش کرنے کے لئے گیا مگر وہ پوپ کے حوالے کر دیا گیا جس نے کچھ زمانے تک اسے قید رکھا۔ اس کے بعد پاپا نے روما میں اپنا اقتدار از سرِ نو قائم کرنا چاہا، اور ۱۳۵۴ء میں رانیزی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا لیکن رانیزی کی کامیابی صرف چند روزہ تھی کیونکہ ایک بلوے میں خود اس کی جان گئی۔ اس کے بعد پاپا نے کارڈنل البورنوز کو اپنے نائب کی حیثیت سے بھیجا، جس نے پاپا کے تقریباً تمام مقبوضات از سرِ نو حاصل کر لئے۔ اس سے پاپا نے اب پھر روما میں اقامت اختیار کرنا چاہی (۱۳۷۷ء)، لیکن ادیگنو میں ایک دوسرا شخص اس عہدہ پر منتخب ہو گیا، اور یہ افتراق برابر قائم رہا، تا آنکہ مجلس کانسٹنیس نے ۱۴۱۷ء میں مصالحت کرا دی۔ پندرہویں صدی کے پاپاؤں نے اپنے روما کے قبضے کو محفوظ

رکھنے اور پاپائی سلطنت کو وسیع و متحد کرنے کی کوششیں برابر جاری رکھیں۔

نیپلز

خاندان آنجوئی کے ہاتھ سے سسلی تو نکل کر آراگان والوں کے ہاتھ میں چلی گئی، لیکن نیپلز پر ۱۴۳۵ء تک ان کا قبضہ رہا، تاآنکہ الفانسو (شاہ آراگان) نے جنوبی اٹلی کو بھی مسخر کر لیا۔ لیکن آنجویوں کی حکومت نے ملک کو تباہ کر دیا تھا، اس لئے گو الفانسو نہایت قابل و ہوشیار، اور علم پرور فرمانروا تھا، پھر بھی وہ اپنے خاندان کی حکومت اچھی طرح قائم نہ کر سکا۔ نیپلز میں اس کا جانشین اس کا بیٹا فرڈیننڈ (۱۴۵۸ء تا ۱۴۹۴ء) ہوا، مگر اس کی نالائقی کے سبب سے پھر آنجویوں کو ادعائے تخت پیدا ہوا، جو اس درمیان میں شاہان فرانس کی طرف پھر منتقل ہو گیا تھا۔ لوئس یازدہم نے فرط دانشمندی سے اطالوی سیاسیات سے اپنا دامن بچائے رکھا، لیکن اس کے نااہل فرزند چارلس ہشتم (۱۴۸۳ء تا ۱۴۹۸ء) نے چند در چند خواہشوں کی طمع میں پڑ کر اٹلی پر حملہ کر دیا۔ اس کا حق نیپلز پر تو تھا ہی، ادھر ملان خاندان آراگان کے خلاف سازش کر رہا تھا، اس لئے اس نے بھی اس کے آنے پر زور دیا، سیوونورولا، فلورنیس میں طالب اصلاح اور خاندان میڈیسی کی حکومت کو الٹ دینے کا خواہشمند تھا، اس طرح فلورنس میں بھی ایک موقع پیدا ہو گیا۔ غرض یہ کہ ۱۴۹۴ء میں چارلس نے کوہستان آلپس کو طے کر کے اٹلی کی تسخیر اور بیرونی حملوں اور ملک گیری کی ان طویل و پُر الم کوششوں کا سلسلہ شروع کیا، جو انیسویں صدی کے قبل ختم نہ ہو سکا۔

حاشیہ۔ گیبلائن (حامیان شہنشاہ) اور گلف (حامیان پوپ) کے مشہور فریقوں کی ابتدا دبلنجن کے خاندان ہنری اور الٹارف کے خاندان ولف سے ہوئی۔ شہنشاہی اور پاپائی کی طویل مخاصمت کے زمانے میں حامیان شہنشاہ گیبلائن اور حامیان پوپ گلف کہلاتے تھے۔

باب (۱۵)

فرانس - انگلستان

(۱۱۰۸ تا ۱۴۳۹) (۱۰۷۰ تا ۱۴۸۵)

۱۱۰۸ء سے جنگ صد سالہ تک فرانس کی حالت

لوئس ششم معروف بہ فربہ (۱۱۰۸ء تا ۱۱۳۷ء) کی تخت نشینی کے ساتھ ہی خاندانِ کیپٹ کے نصیب جاگ گئے۔ اپنی عمر کا بالکل آخری زمانہ چھوڑ کر باقی اپنے تمام عہد حکومت میں وہ برابر اپنی مملکت میں سفر کر کے سرکش امرا کی تادیب کرنے، اپنے شاہانہ اقتدار کو مستحکم بنانے، اور نئے اقطاعِ ملک حاصل کرنے میں مصروف رہا۔ غرض شاہی کے نام کے اعزاز کو وہ ہر طرح بڑھاتا رہا وہ کلیسا کا زبردست حامی، اور امرا کی دست درازیوں کے مقابلے میں پادریوں اور ان کی زمینوں کا بڑا محافظ تھا۔ وہ شہروں کی آبادی کو دوست رکھتا تھا، اور وسائل سفر میں سہولت پیدا کرنے اور تجارت کو محفوظ رکھنے میں اس نے بہت کوششیں کیں۔ سینٹ ڈنیس کا فاضل اسقف سوگر جو

لوئس ششم
۱۱۰۸ - ۱۱۳۷

اس کا خاص مشیر تھا، اُس سے اس دشوار کام میں جسے اس نے اپنے سر لیا تھا، بڑی مدد ملی۔ اگرچہ وہ بڑے بڑے ماتحت امرا کا زور توڑنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوا تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ اپنے خاندان میں وہ ایک نہایت ہی ممتاز و قابل تاجدار ہوا ہے اور تاوقتیکہ شدت فربہی نے اسے نقل و حرکت کے ناقابل نہ کردیا، وہ برابر اپنے وقت وقوت کو بذات خود معاملات سلطنت کی نگرانی میں صرف کرتا رہا۔ اس کا جانشین اس کا فرزند لوئس ہفتم (۱۱۳۷ تا ۱۱۸۰)

لوئس ہفتم
۱۱۳۷ - ۱۱۸۰

ہوا۔ مگر یہ نہایت ضعیف الاعتقاد، سادہ لوح، متلوّن مزاج، اورضرورت سے زیادہ مذہبی شخص تھا۔ جبتک سوگر زندہ رہا، اسوقت تک وہ اچھی روش پر چلتا رہا لیکن اس کے بعد اس نے پیہم غلطیاں کیں۔ ایک تو محاربات صلیبی میں شریک ہوا، دوسرے اپنی ملکہ ایلنر کو طلاق دیدی، جو تمام اکوٹیین کی مالکہ تھی۔ پھر اس نے ہنری دوم شاہ انگلستان کے بیٹوں سے سازباز کیا، لیکن نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کے مقبوضات کا ایک بڑا حصّہ نکل کر انگریزوں کے پاس چلاگیا اور وہ کچھ کر نہ سکا۔

فلپ دوم
۱۱۸۰ - ۱۲۲۳

اس کا لڑکا فلپ دوم موسوم بہ آگسٹس (۱۱۸۰ تا ۱۲۲۳) گو اعلیٰ درجہ کا مدبر تھا مگر

ساتھ ہی ایک دغا پیشہ و غیر محتاط شخص تھا۔ اس نے بھی انگریز شہزادوں سے ساز باز کیا اور اسطرح نارمنڈی، میں، آنجو، اور دوسرے صوبے از سرنو حاصل کرلیئے۔ کئی سال تک اس نے اپنے بڑے بڑے ماتحت امرا سے جنگ جاری رکھی، اور انھیں بہت سے حقوق سے دست بردار ہونے پر مجبور کردیا۔ جنگ بووانیس جسکا مقصد بظاہر فریڈرک دوم شاہِ جرمنی کی حمایت تھی، اس کا نتیجہ جس قدر فریڈرک دوم کے لئے مفید نکلا اسی قدر خود فلپ کے لیئے بھی مفید ہوا فلپ نے بذات خود انیجنیس کی دارو گیر میں کسی طرح کی شرکت نہیں کی لیکن تاج کو اس سے یہ نفع ہوا، کہ ان کا ملک شاہی قبضے میں آگیا۔

شاہی املاک

فلپ دوم کا عہد حکومت شاہی اقتدار میں اضافے کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔ مقبوضات شاہی کو اس نے المضاعف کردیا اور اسی نسبت سے مداخل شاہی میں بھی اضافہ ہوگیا۔ بادشاہ کو اب پہلی بار تمول حاصل ہوا، فلپ دوم نے قدیم طرز نظم و نسق کو نامکمل پایا، اور اس میں اصلاح کی۔ ابتک دستور یہ تھا کہ ہر شاہی علاقے پر ایک "پریوٹ"، یعنی عامل نگران رہتا جو بادشاہ کے نام سے انتظام کرتا، خصومات کا فیصلہ کرتا، اور محصول وصول کرتا۔ یہ عمال اگرچہ فی الحقیقت بادشاہ کے ملازم ہوتے تھے، لیکن اقتضائے زمانہ کے موافق انکا

میلان یہ تھا کہ یہ لوگ علاقے کو اپنی جاگیر اور اسے اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے پس اس خیال سے کہ وہ بالکل قابو سے نکل نہ جائیں فلپ نے ان کے اوپر ایک اور عہدہ "بیلف" (نظامت کا) نکالا، اور متعدد ناظم مقرر کئے۔ اور بالعموم ایک ایک ناظم کے تحت میں کئی کئی عامل ہوتے تھے ناظم کا فرض یہ تھا کہ ماہانہ اپنی عدالت کا اجلاس کیا کرے اور اپنی کارروائی کے نتائج سے بادشاہ کو مطلع کرتا رہے۔ اسے خاصکر یہ کام تفویض تھا کہ جہانتک ہو سکے ہر قسم کے شاہی محصول وصول کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیرس ارسال کرتا رہے۔ فلپ دوم کے عہد حکومت کے دو نہایت اہم نتائج نکلے، ایک یہ کہ شاہی اقتدار کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، دوسرے یہ کہ شاہی معاملات، زیادہ خوش انتظامی و خوش سلیقگی سے انجام پانے لگے، اس کے زمانے میں تاج کا شاہی خاندان سے مخصوص ہو جانا اسقدر مسلّم ہوگیا تھا کہ اس نے اپنے فرزند کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کرانے کی مطلق ضرورت نہیں خیال کی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ تاج اسی کی طرف منتقل ہوگا۔

لوئس ہشتم ۱۲۲۳ - ۱۲۲۶

لوئس ہشتم، (۱۲۲۳-۱۲۲۶) جب تخت نشین ہوا تو اس کی عمر چھتیس سال کی تھی تاہم اسوقت تک اس نے نہ کبھی انتظام سلطنت میں حصہ لیا تھا، نہ اس کی کوئی ذاتی آمدنی تھی

وہ ہر لحاظ سے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلا، البتہ ایک نئی بات اس نے یہ کی، کہ اپنے عہد حکومت ہی میں اپنے ہر ایک لڑکے کو کوئی نہ کوئی قطعۂ ملک اور اس کی آمدنی دیدی اس سے گو شاہزادوں کی عظمت میں کافی اضافہ ہوگیا، لیکن اس سے یہ اثر بھی پڑا، کہ تاج کی ماتحتی سے عین ایسے زمانے میں مقبوضات نکل گئے، جبکہ شاہی مقبوضات کے متحد کرنے کی بہت سخت ضرورت تھی

لوئس نہم ولی ۱۲۲۶ - ۱۲۷۰

لوئس نہم (۱۲۲۶ء تا ۱۲۷۰ء) کے تخت نشین ہونے سے لیکر دس سال تک اس کی والدہ بلانش آف کیسٹائل نائب السلطنت کے فرائض انجام دیتی رہی۔ وہ بڑی مضبوط و زبردست شخصیت کی عورت تھی، اس کے مقابلے میں امرا نے لاکھ سر مارا، مگر وہ اقتدار شاہی میں برابر اضافہ ہی کرتی رہی۔ اس کی تعلیم و تربیت سے لوئس اپنے وقت کا نہایت ہی سچا اور پکا مسیحی حکمراں بن گیا۔ بہت ہی کم اشخاص ایسے ہونگے جنہوں نے مسیحیت کی ایسے سچے دل سے پیروی کی ہو اور خود اپنے مفاد کے خلاف اس کے احکام کے اس سختی سے پابند رہے ہوں اسے ایسے مواقع حاصل ہوئے، کہ وہ اپنے قلمرو کے حدود میں اضافہ کرسکے، لیکن مذہبی خیال نے ہمیشہ اُسے اپنے ہمسایوں کو ستانے سے روکا۔ اس سے بھی بڑھکر اس نے یہ کیا، کہ

جن مقبوضات کے نسبت اس نے یہ سمجھا کہ اس کے اسلاف نے انگلستان سے غاصبانہ چھین لئے ہیں انھیں واپس کردیا۔ شہنشاہ و پاپا کی مخاصمت کو دیکھکر بھی اسکا جی بہت کڑھتا تھا، اور اس نے ہمیشہ ان دونوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کی۔ اس کے عدل و انصاف کا تمام یورپ میں شہرہ ہوگیا تھا، اور تمام یورپ اسے اپنا حکم بناتا تھا اس کے انھیں روحانی اوصاف پر کلیسا نے اُسے "ولی" کا لقب دیکر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

اصلاح

لوئی نہم کا زمانہ کئی طرح کا امتیاز رکھتا ہے۔ اس نے متعدد بڑے بڑے صوبے حاصل کرکے شاہی عملداری کو بڑھا لیا تھا۔ اس کے زمانے تک اس کی رعایا میں سے اسّی سے زاید اشخاص کو اپنا سکّہ چلانے کا حق حاصل تھا، اور ہر صوبے میں صرف وہیں کا سکّہ چل سکتا تھا۔ لوئی نے اس دستور کو مٹاکر تمام فرانس میں شاہی سکہ چلایا، اور تلبیس سکّہ کے متعلق سخت قوانین نافذ کئے۔ عہدۂ نظامت کی اصلاح کے لیئے قوانین ذیل نافذ کئے۔ ہر ناظم کو اپنی خدمت دیانت داری بجالانے اور شاہی حقوق اور مقامی آزادیوں کو ملحوظ رکھنے کے لیئے حلف اٹھانا ہوگا، اپنے علاقے میں اسے کسی سے تحفہ یا روپیہ قبول کرنا، یا کوئی کاروبار قائم کرنا، یا بجز اپنے فرائض منصبی کے اور کسی معاملے میں

پڑنا، یہ سب ممنوع ہوگا، علاقے کے کسی باشندے کے ہاں شادی کرنا اپنے اعزہ کو اپنے پاس جمع رکھنا یا انہیں اپنے ماتحت خدمت پہ ماور کرنا یہ سب ناجائز ہوگا۔ ہر ناظم پہ لازم ہوگا، کہ وقت و مقام معین پر ہمیشہ بذات خاص اجلاس کرے، اور تمام کارروائیوں کی کیفیت بادشاہ کے حضور میں ارسال کرے، اور اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد چالیس روز تک وہیں مقیم رہے، تاکہ اگر رعایا کو اس کے خلاف کچھ شکایتیں ہوں تو ان کی داد رسی کا موقع حاصل رہے۔"

مجلس شاہی کی تقسیم تین حصوں میں

بادشاہ کے گرد وپیش مختلف درجوں اور حیثیتوں کے اشخاص رہتے تھے اور یہی شاہی دربار کہلاتا تھا ان میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت مجلس شاہی کے ارکان تھے۔ اس زمانے تک معاملاتِ سلطنت کے انصرام میں سارا دربار ممد و معاون رہتا تھا، لیکن لوئیس نے تقسیم عمل کے اصول پہ اس مجلس کو تین حصوں میں منقسم کر دیا، اور ہر ایک کے ذمے کچھ مخصوص فرائض عاید کر دیئے۔ ایک حصے کا نام بدستور مجلسِ شاہی رہا، دوسرے حصے کا نام صیغہ خزانہ رکھا گیا، تیسرا حصہ پارلیمنٹ (عدالت العالیہ) سے موسوم ہوا حکومت کے عاملانہ اختیارات بدستور مجلس شاہی کے ہاتھ میں رہے خزانوں کے عہدہ داروں سے داخل

و مخارج کا وصول و خرچ متعلق ہوا، اور پارلیمنٹ ملک کی سب سے بڑی عدالت قرار پائی۔ اب تک فصل خصومات میں اس لیئے سخت زحمت پیش آیا کرتی تھی، کہ بادشاہ برابر اپنی مملکت کے مختلف حصص میں سفر کرتا رہتا تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی مجلس بھی نقل و حرکت میں رہتی تھی، اور مقدمات کا فیصلہ بادشاہ کے سامنے یا اس کے قرب میں ہونا ضروری تھا اس لئے فریقین اور گواہوں کو بھی برابر دورے میں ساتھ رہنا پڑتا تھا، اور اکثر ہفتوں بلکہ مہینوں کے بعد سماعتِ مقدمات کی نوبت آتی تھی۔ لوئس نے اسکا علاج یہ کیا، کہ یہ خدمت پارلیمنٹ کو تفویض کرکے پیرس میں اس کا مستقل مستقر قرار دے دیا۔

پارلیمنٹ

پارلیمنٹ (عدالت العالیہ) کے اختیارات میں بھی توسیع ہوئی۔ رومن لا (قانون رومہ) کے مطالعے کی تجدید نے یہ شہنشاہی اصول پھیلایا، کہ دادرسی کا اصلی منبع و مرکز خود بادشاہ ہے، اس سے یہ نظریہ پیدا ہوا کہ امرا، عدالتی اختیارات بادشاہ سے محض نیابتہً حاصل کرسکتے ہیں، اس سے ایک بات یہ نکلی، کہ ہر شخص کو جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کی دادرسی نہیں ہوی، بادشاہ کے حضور میں حقِ مرافعہ حاصل ہے، نیز یہ کہ بادشاہ کو اختیار ہے، کہ جو مقدمہ چاہے اپنی عدالت میں طلب

کر لے۔ بادشاہ کے مصالح اسی کے مقتضی تھے کہ ان "مقدمات شاہی" کی تعداد جسقدر بھی ممکن ہو بڑہائی جائے چنانچہ اس ترکیب سے اسے امرا کی عدالتوں میں مداخلت کا بیش از بیش موقع ملتا رہا، اور ان کے ہاں سے تمام اہم مقدمات وہ خود اپنے ججوں کے سامنے طلب کرتا رہا۔ لوئس نے تصفیہ "ڈویل" کو بھی ممنوع قرار دیکر بجائے اس کے عدالت العالیہ میں مرافعہ کے دستور کو رائج کیا۔ اسطرح عدالت العالیہ، امرا کی تمام عدالتوں کے لئے بمنزلہ عدالت مرافعہ ہوگئی اور امرا کے عدالتی فیصلوں کے اوپر بادشاہ کے عدالتی فیصلے فائق ہوگئے۔ لوئس گو اپنے زمانے کے معتقدات کے لحاظ سے نہایت سخت مذہبی آدمی تھا، اور حقوقِ کلیسا کا ایک زبردست حامی و محافظ تھا، تاہم وہ اختیارات

لوئس نہم اور پادری

شاہی میں کلیسا کی مداخلت کو گوارا نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ اس نے کلیسا کو مجبور کیا کہ حکومت کے قیام کے لئے جو رقم اس کے حصے میں پڑتی ہے اسے عشر اور دوسرے محصولوں کی ادائی سے پورا کریں۔ اس نے اساقفہ کے عدالتی اختیارات بھی ایک حدتک کم کردیئے، اور پادریوں کے ایک گروہ کو ملکی قانون کے تحت میں کردیا، عام پادریوں کے مقابلے میں اس نے فقرا کے سلسلوں کی بڑی تعظیم و توقیر کی، انھیں جابجا اپنا سفیر بنابنا کر بھیجا اور اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب انھیں عطا کئے۔

فلپ سوم
۱۲۷۰-۱۲۸۵
دربار میں نیچوں کا دخل

فلپ سوم (۱۲۷۰ء تا ۱۲۸۵ء) کی جانشینی کے ساتھ ہی فرانسیسی دربار میں ایک گروہ مصاحبین کا پیدا ہوگیا، جنکے پردے میں بادشاہ نے اپنی اصلی شخصیت کو بالکل گم کردیا۔ یہ مصاحب عموماً طبقہ عوام کے ہوشیار، بلند نظر اور چلتے ہوئے افراد ہوتے تھے، جو رومن قانون کے بھی عالم ہوتے تھے۔ اور اسی وجہ سے انکو قانون داں کہتے تھے۔ امرا انہیں اپنا رقیب سمجھکر ان سے نفرت کرنے لگے۔ فلپ سوم کو اسپین کی بعض سلطنتوں سے جنگ کرنا پڑی، جس سے نویر اس کے قبضے میں آگیا۔ جنوبی فرانس کے بعض اور اہم علاقے بھی اس نے قلمرو شاہی میں داخل کرلئے۔ اس نے اپنے سرکش امرا کی بہت سختی کے ساتھ سرکوبی کی اور کلیسا کو جو گرانقدار ترکے ملتے تھے، ان کے معاوضے میں اس نے انھیں کافی رقم ادا کرنے پر مجبور کیا۔ لوگوں نے ملکی قوانین سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ مراسم کلیسا کے موافق اگلے حصۂ سر کے بال ترشواکر بظاہر پادری بن جاتے تھے، لیکن دراصل وہ عام دنیاداروں کی سی زندگی بسر کرتے تھے اکثر متاہل ہوتے، کاروباری مشاغل جاری رکھتے، اور بہت سے آوارہ پھرا کرتے تھے۔ اس قسم کے اشخاص کو لوئس نے قانونِ کلیسا کی حفاظت سے خارج کردیا اور انھیں عام ملکی قوانین ہی کے

تخت میں رکھا۔

فلپ چہارم ۱۲۸۵ - ۱۳۱۴

فلپ چہارم (۱۲۸۵ء تا ۱۳۱۴ء)، الملقب بہ "حسین" کے عہد میں فرانس دول یورپ میں سب سے زیادہ ممتاز ہوگیا تھا، اپنے مصاحبوں کی صلاح سے اس نے جسٹینین کی تقلید کی کوشش کی۔ رومن قانون کا اب دربار پر جسقدر گہرا اثر پڑا تھا، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے، کہ صدہا مسائل کا فیصلہ "مقدمات کی" صورت سے کیا جاتا تھا۔ فلپ چہارم نے اُن صوبوں میں مداخلت کا بہت ہی موزوں موقع نکالا، جو اس کی مشرقی سرحد پر واقع اور جرمنی کے ماتحت تھے، چونکہ شہنشاہ سب کے سب کمزور ہوتے رہتے تھے اس لئے اسے موقع ملا کہ شہنشاہی کو نقصان پہنچا کر اپنے حدود سلطنت کو بڑھالے۔

دربار پوپ اوگنون کو منتقل ہوگیا

فلپ چہارم کی سارے یورپ پر جو دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ اس نے پاپاؤں کا مستقر وگنون میں منتقل کردیا، اور ان پر ہمیشہ اقتدار قائم رکھا۔ کلیمنٹ پنجم نے یہ خیال کرکے کہ وہ خود اپنے پیشرو بونیفیس ہشتم پر کیوں الزام عائد کرے، "نائٹس ٹمپلرز" کے سلسلے کو بادشاہ کے حوالے کردیا۔ ان لوگوں پر سخت جرائم کے الزامات عائد کئے گئے لیکن بادشاہ کا اصل مقصود یہ تھا

کہ اسکی بے انتہا دولت کو اپنے قبضے میں کرلے۔

حکومت میں ترقیاں

فلپ چہارم ہی کے عہد میں چند نئے عہدے قائم کرکے حکومت میں ایک نظام قائم کیا گیا اور ان عہدوں کے فرائض معین کردیئے گئے ابتک مختلف حکام و عمال کے فرائض جو مخلوط ہو رہے تھے ان کو تقسیمِ عمل کے اصول پر الگ الگ کرکے ہر صیغے کو عمال کی ایک مخصوص جماعت سے متعلق کردیا۔ایک صیغہ بادشاہ کی ذات سے متعلق علٰحدہ کردیا گیا، اور اس کا نام اس زمانے میں "ہوٹل" (صرفخاص) قرار پایا۔ چیمبرلیس (حاجب) پیش نماز و سرلشکر وغیرہ "ہوٹل" کے سب سے زیادہ اہم ارکان تھے۔ دوسرے صیغے کا تعلق معاملات عامہ سے تھا اسکا نام چینیلری (دیوانی) قرار پایا۔ اس صیغے کے ذریعے سے بادشاہ اور اس کی رعایا کے مابین تمام کام انجام پاتے تھے۔ دیوانی کے اندر ایک گروہ کاتبوں کا ہوتا تھا اس گروہ کے سرِ دفتر "کاتبانِ راز"، کہلاتے تھے کیونکہ وہ اپنے صیغے میں بادشاہ اور اسکی مجلس کے اسرار کے حامل ہوتے تھے۔ حکومت کی تیسری خاص تقسیم صیغہ مجلس شاہی کے نام سے قائم ہوی، جس کے ارکان کو بادشاہ کے حضور میں ایک خاص حلف اٹھانا پڑتا تھا اور یہ اس کے رازدار مشیر ہوتے تھے اور تمام اہم معاملات میں اس کے ساتھ غور وخوض

"اسٹیٹس جنرل"

کرتے تھے۔ اسٹیٹس جنرل ہنوز متعین طور پر نظام حکومت کا کوئی جزو نہ تھی۔ تاہم اس کی رکنیت اب صرف بڑے بڑے امرا اور اسقفوں اور پادریوں تک محدود رہگئی تھی، اور معمول یہ ہوگیا تھا کہ بادشاہ اس کے اجلاس صرف اسوقت طلب کرتا جب کسی اہم مسئلے میں مشورہ کرنا ہوتا۔ ۱۳۰۲ء میں جب پوپ سے تنازعات غایت درجے تک بڑھتے جارہے تھے تو بادشاہ نے اس امر کا اندازہ کرنا چاہا کہ اگر وہ پوپ کے خلاف انتہائی کارروائی اختیار کرے تو عام رعایا اسکا کس حد تک ساتھ دے گی۔ اس غرض سے اس نے "اسٹیٹس جنرل" کا اجلاس طلب کیا، اور اس کے لئے ہر شہر سے دو دو تین تین نمائندے طلب گئے۔ اس مجمع کے سامنے بادشاہ نے اپنے ارادے اور منصوبے بیان کرکے رائے طلب کی، مجمع نے کسی قدر غور و خوض کے بعد اس کی تجاویز سے اتفاق کرلیا۔ اور تمام رعایا کی طرف سے تائید کا پورا پورا وعدہ کیا۔ ۱۳۰۸ء میں دوبارہ اسکا اجلاس "ٹمپلرز" کے

یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ فرانس کی اسٹیٹس جنرل، انگلستان کے پارلیمنٹ کے مرادف ہے۔ فرانس میں پارلیمنٹ شاہی ججوں کی جماعت کو کہتے ہیں پس فرانس میں پارلیمنٹ، ایک عدالتی جماعت ہے اور انگلستان میں (پارلیمنٹ، واضع آئین و قوانین جماعت ہے۔

الزامات پر بحث کرنے کے لئے منعقد ہوا اس میں دو سو سے زائد شہروں نے اپنے اپنے نمائندے بھیجے جنھوں نے بادشاہ کی تجاویز پر محض "صاد" کر دیا۔ شہروں نے اس کارروائی میں جسطرح کا حصہ لیا اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ شہروں کو اپنے اپنے نمائندے بھیجنے کے لئے جو فرمان جاری ہوا اس کے الفاظ یہ تھے کہ "نمائندے یہاں جمع ہو کر تجویز شاہی کو سنیں، قبول کریں، تائید کریں، اور جو کچھ ارشاد ہو، اس کی تعمیل کریں"۔ سنہ ۱۳۱۴ء میں جب فلینڈرز سے جنگ چھڑنے والی تھی، اور خزانہ عامرہ خالی تھا، تو ایک بار پھر "اسٹیٹس جنرل" طلب کی گئی اور اسے یہ بتایا گیا کہ بادشاہ کیا چاہتا ہے، جس کا جواب اس نے صرف گردن کے خم کر دینے سے دیا۔ یہی ہے "تھرڈ اسٹیٹ" (طبقہ سوم) جس کے فرانس کی سیاسی تاریخ میں دخل ہونے کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فرانس کے مورخین اس کی اہمیت کی ثنا و صفت سے کبھی نہیں تھکتے۔ لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ فرانس کے انقلاب تک اس طبقہ سوم کا اثر عملاً ہیچ تھا اور ہیچ رہا۔ اسکا کوئی ایسا کارنامہ اور ایسا نشو و نما نہ تھا جیسا انگلستان کے دارالعوام کو حاصل ہے۔ فرانس میں بادشاہی کا حکم چلتا تھا طبقۂ سوم والے محض اس لئے طلب کئے جاتے تھے کہ حسب الحکم وہ بھی ہاں میں ہاں ملا دیں۔

پارلیمنٹ اور عدل شاہی

اس عہد میں پارلیمنٹ کی نشو و نما خصوصیت سے قابل ذکر ہے، بادشاہ کے صرف خاص کے ہر طرح کے مقدمے پارلیمنٹ ہی میں پیش ہوا کرتے تھے اور سلطنت کے اطراف و اکناف سے جو مرافعے ہوتے تھے ان کا شمار بہت بڑھ گیا تھا۔ بادشاہی کچہری اور بادشاہی فیصلوں کا امرا کی کچہریوں اور فیصلوں پر قطعی تفوق اس زمانے میں سب سے زیادہ مسلم ہوگیا تھا۔ حق مرافعہ سے اس حد تک کام لیا جانے لگا تھا کہ بادشاہ نے مجبور ہوکر اپنے ناظموں کو بہت سے مقدموں کے فیصلہ کرنے کا اختیار دیدیا تاکہ پارلیمنٹ پر کام کرنے کا غیرمعمولی بار نہ پڑے۔

اجرائے محصول

جب حکومت میں پوری طرح نظم و نسق قائم ہوا تو اس کے مصارف بھی بہت بڑھ گئے لوئس چہارم کے زمانے میں انتظام ملک کے لئے کافی آمدنی ہمیشہ مہیا رہتی تھی مگر فلپ چہارم ہمیشہ قرضدار رہا۔ اس نے روپیہ کھینچنے کی بہت تدبیریں کیں لیکن محصولوں سے، ضبطیوں سے، رعایا کی امداد لینے سے، جبریہ قرضوں سے، جائیدادوں کے قرق کرلینے سے یہودیوں کے ستانے سے، باہر کے تمام تاجران مقیم فرانس پر محصول باندھنے سے، کلیسا پر محصول لگانے سے، ٹیمپلرز کی املاک کو ضبط کرلینے سے اور بہت سے قابلِ اعتراض ذریعوں سے روپیہ جمع

کرنیکے باوجود بھی خزانہ کبھی پُر نہ ہو سکا۔

فلپ چہارم کے تینوں بیٹے یکے بعد دیگرے اس کے جانشین ہوئے۔ لوئس دہم (۱۶-۱۳۱۴) فلپ پنجم معروف دراز قد (۲۲-۱۳۱۶) چارلس چہارم (۲۸-۱۳۲۲) نگران میں اتنی لیاقت نہ تھی کہ سلطنت کو اس حالت پر قائم رکھ سکیں جو ان کے بزرگوں نے پیدا کردی تھی۔ فلپ چہارم کی مطلق العنانی کے خلاف امرا نے اب ایک پلٹا کھایا اور ان بادشاہوں سے زبردستی ایسے متعدد صوبہ دار فرمان لکھوا لئے جن سے ان کے مقامی حقوق جاگیرات پھر بحال اور محفوظ ہوگئے۔ خاصکر لوئس دہم نے ایسی منظوریاں بہت دیں

خاندان کیپٹ کے براہ راست سلسلہ کا انقطاع خاندان ویلوا کی تخت نشینی ۱۳۲۸ء

فلپ پنجم نے سلطنت کو تقویت دینے اور تمام قوت کو ایک مرکز پر لانے میں بہت کچھ سعی کی مگر امرا کی مزاحمت سے اسے بہت ہی ناگوار واقعات پیش آئے۔ تینوں بھائی اولاد ذکور میں سے کوئی وارث چھوڑے بغیر مرگئے۔ فلپ پنجم نے خود حق سلطنت حاصل کرنے کے لئے مجلس سے بزور یہ طے کرا دیا تھا کہ بیٹوں کا یا ان کی اولا کا جانشینی میں کوئی حق نہیں ہے۔ اس سبب سے فلپ پنجم کے بعد تخت خالی ہوگیا۔ شاہ متوفی کے بنی اعمام میں خاندانِ ویلوا کا فلپ سب سے زیادہ قرابت قریبہ رکھتا تھا۔ انگلستان کے اڈورڈ سوم نے بھی

تخت فرانس کا اس بنا پر دعویٰ کیا کہ وہ چارلس چہارم کا بھانجا ہونے کے سبب سے سلسلۂ اناث کی طرف سب سے زیادہ قریب تر ہے۔ اڈورڈ کا دعویٰ مسترد کردیا گیا اور فلپ (ویلوا) بادشاہ ہوگیا۔ اڈورڈ نے بہت جلد ادعائے تخت سے ہاتھ اٹھا لیا اور مقام امینز میں فلپ ششم کی خدمت میں فرانس کے جاگیردار ہونے کی حیثیت سے حاضر ہوکر لوازمِ اطاعت بجالایا۔ اس نے (۱۳۲۹ء) میں اور پھر اس کے بعد (۱۳۳۱ء) میں اپنے مقبوضاتِ ملک فرانس کے لئے بادشاہِ فرانس کے جاگیرداروں میں محسوب ہونا بلا کسی شرط و قید کے تسلیم کرلیا۔

انگلستان ۱۰۶۶ء سے جنگ صدسالہ تک

قومِ نارمن کی فطانت کا ظہور ولیم فاتح کے طرز حکومت میں ہوا، پہلے جس مجلس کو وٹینگماٹ (مجلس عقلا) کہتے تھے اور جس میں وہ تمام افراد شامل ہوتے تھے جنھیں براہ راست بادشاہ سے زمین حاصل ہوتی تھی، وہ مجلس اب بتدریج مبدّل ہوتے ہوتے "مجلس اعظم" بنگئی۔ اس کی رعایا میں نارمن اور انگریز دونوں قومیں تکلیف دینے والی تھیں لیکن اس نے ایک کو دوسرے کے مقابل رکھ کر کام نکالا۔ بڑے بڑے شہروں میں اس نے قلعے تعمیر کئے اور ان میں نارمن فوج رکھی۔ اور انگریزی ملیشیا (سپاہِ محافظ) بھی تیار کی۔ اس نے اپنی تمام رعایا کے املاک و مقبوضات

کی ایک صحیح فہرست تیار کرائی جسے ڈومزڈے بک کہتے ہیں اور اس فہرست کے بموجب محصول و لگان بہت ہی صحیح و باضابطہ طریق سے مقرر کیا اور ایسی ہی صحت و سختی سے وصول بھی کرتا رہا لوگ اس کی باتوں کو دیکھتے تھے کہ ذرا سے جرم پر سخت سزا دیتا ہے محصول بہت ہی زیادہ لگا رکھا ہے اور اپنے شکارگاہ کے لئے ایک بڑے رقبے کو ویران کردیا ہے ان باتوں سے یہ لوگ اس سے نفرت کرتے تھے مگر وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ انگلستان کی کیسی بڑی خدمت انجام دیرہا ہے۔

ولیم (احمر) یعنی ولیم فاتح کا دوسرا بیٹا اپنے عہد میں (۱۱۰۰-۱۰۸۷) نہایت جفاکار و ظالم تھا۔ اس نے رعایا پر ایسا سخت مالی بار ڈالدیا تھا کہ نیو فارسٹ میں شکار کھیلنے میں جب اسے موت سے دوچار ہونا پڑا تو اس خبر کو سنکر کسی نے ذرا بھی تاسف نہ کیا۔ ولیم کا بڑا بیٹا رابرٹ نارمنڈی کی امارت پر فائز ہوچکا تھا جسے اس نے جنگ صلیبی پر جانے کے لئے رہن کردیا تھا۔ اب ولیم کا تیسرا بیٹا ہنری انگلستان کا بادشاہ ہوگیا (۳۵-۱۱۰۰) اسے یہ اندیشہ ہوا کہ تاج کے متعلق اسکا حق بہت ضعیف ہے اور رابرٹ غالباً تخت کا دعوی کریگا اس لئے اس نے رعایا کو ہر طرح پرخوش کرنیکی سعی کی۔ اس نے ایک فرمانِ آزادی جاری کیا

ہنری اول نے آزادی کا ایک منشور شائع کیا

جس میں کلیسا، امرائے ماتحت اور عام قوم سب کے ساتھ مراعات کی اور تمام درجوں کے لوگوں کو اطمینان دلایا کہ کہ آئندہ سے ان پر اس قسم کی زیادتی اور ظلم ہرگز نہونگے جیسے کہ اس کے بھائی کے عہد میں ہوتے تھے۔

ہنری سب لوگوں میں اس سبب سے اور بھی عزیز ہوگیا کہ اس نے اپنی شادی مٹلڈا سے کی جو اسکاٹلینڈ کے بادشاہ کی بیٹی اور قدیم شاہانِ انگلستان کی نسل سے تھی۔ اس کی دانائی و دوراندیشی کا حال اسوقت کھلا جب رابرٹ نے جنگ صلیبی سے واپس آکر تخت انگلستان کا دعوی کیا اور تمام رعایا ہنری کی وفاداری میں اٹھ کھڑی ہوی۔ جنگ میں گرفتار ہوگیا اور نارمنڈی بھی ہنری کے قبضے میں آگئی۔ ہنری انگلستان کا پہلا بادشاہ ہے جس نے شہروں کو ایسے فرمان عطا کئے جس سے وہ امرائے جاگیردار کی مداخلت بے جا سے اور حد سے بڑھے ہوے محصولوں سے محفوظ ہوگئے۔

کیوریا یجس (عدالت شاہی)

اس نے وہ مشہور و معروف محکمہ قائم کیا جو کیوریا یجس، (عدالتِ شاہی) کہلاتا ہے جس میں بادشاہی مالگزاروں کے مقدمے پیش ہوا کرتے تھے اسی عدالت کا ایک صیغہ اکسچکر (عدالتِ خزانہ) کہلاتا تھا جو شاہی مالیات کا نگران تھا۔ اپنے بیرنوں سے اس نے اسبات کی قسم لی کہ اس کے بعد اس کی بیٹی مٹلڈا کو تخت نشیں کریں گے لیکن اُسکے

مرنے پر اسکا بھانجا اسٹیفن خاندان بلوا کا لندن میں آموجود ہوا اور تخت کے لئے خود اپنا انتخاب کرالیا (۵۴-۱۱۳۵)

اسٹیفن اور مٹلڈا میں فتنۂ جنگ برپا ہوا اور ۱۱۵۳ء تک انگلستان کو اس مصیبت سے سخت نقصان پہنچا۔ آخر اسبات پر اتفاق ہوا کہ اسٹیفن بادشاہ رہے لیکن اسکا جانشین مٹلڈا کا بیٹا ہنری ہو۔

ہنری دوم ۱۱۸۹-۱۱۵۴

ہنری دوم (۸۹-۱۱۵۴) ایک طاقتور، صاحب عزم اور لائق بادشاہ تھا۔ اسے بس ایک ہی دھن تھی یعنی وہ یہ چاہتا تھا کہ انگلستان کا مالک بنجائے۔ کلیسا و امرا دونوں اس کے سدِّ راہ تھے۔ انہیں دونوں طاقتوں سے مقابلہ و مجادلہ اس کے عہد کے مشہور واقعات ہیں۔

ضابطہ کلیرنڈن ۱۱۶۶

مشاورت کے لئے مجلس اعظم کو وہ اکثر منعقد کیا کرتا تھا، اور چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں کو اس مجلس میں حاضر ہونے پر مجبور کرتا تھا۔ اس نے "کیوریا ریجس" (عدالتِ شاہی کو بھی بہت مستحکم کردیا اور اس میں عدل و انصاف کے لحاظ رکھنے پر بہت زور دیا۔

۱۱۶۶ء میں اس نے مجلسِ اعظم کا ایک اجلاس مقام کلیرنڈن میں منعقد کیا اور اس مجلس کے طے کئے ہوئے چند فیصلوں کا اعلان کیا جو ضابطہ کلیرنڈن کہلاتے ہیں اس ضابطے کے رو سے پرانا طریقہ قسم کھا کر جرم سے بری ہوجانے کا باطل

قرار پایا اور ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا یعنی ہر ضلع سے بارہ شخص اور ضلع کے ہر قصبے سے چار شخص منتخب کرکے ان کی ایک مجلس بنائی گئی کہ وہ اس امر کا فیصلہ کریں کہ کس شخص پر مقدمہ چلانا چاہئے (یہی کام اس زمانے میں بڑی جوری کا ہے) اس نے اس طریقے کو بھی پھر تازہ کیا کہ حکامِ عدالت دورہ کرکے بادشاہ کی طرف سے دادرسی کریں۔ ان حکام کی بے لوث عدل گستری سے علاقہ داروں اور ضلعوں کی عدالتیں نظروں سے گر گئیں۔ ۱۱۷۰ء میں ہنری نے اس امر کی تحقیق کی کہ مختلف امرا جو شیرف (ناظم ضلع) کی خدمت پر مامور ہیں وہ اپنے فرائض کسطرح انجام دیتے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ان تمام لوگوں کو اس نے عہدے سے علیحدہ کردیا اور انکی جگہ ادنیٰ خاندان کے لوگوں کو مقرر کیا اور اس سے اعلیٰ طبقۂ امرا کے لئے ایک طرح کی روک ہوگئی۔ امرا کے فرائض میں جو فوجی خدمت داخل تھی ہنری نے اسے نقد رقم سے بدل دیا اور خود فوج نوکر رکھ لی۔ ملیشیا (فوج محافظِ ملک) کا بھی اس نے از سرِنو انتظام کیا اور سب لوگوں پر لازم کیا کہ اسکی طلب پر مسلح ہوکر اپنے اپنے صرف سے جنگ کے لئے حاضر ہوں۔

آئین کلیرنڈن ۱۱۶۴ء

اصلاح عدالت میں پادریوں کا فرقہ ہنری کی رائے سے مخالف تھا کیونکہ وہ ان لوگوں کو

بھی شاہی عدالت کے ماتحت کر دینا چاہتا تھا، ۱۱۶۴ء میں
اس نے آئین کلیرنڈن شایع کیا جس سے غرض یہ تھی کہ
عدالتِ شاہی سے پادریوں کی آزادی باقی نہ رہے (۱) ہر ایک
اسقف و رئیس خانقاہ کا انتخاب بادشاہی افسروں کی حضوری
میں، بادشاہی عبادت خانے میں بادشاہ کی منظوری سے ہونا
لازمی تھا۔ جو شخص مقتدائے اعظم منتخب ہونیوالا ہوتا تھا اس پر
لازم ہوتا تھا کہ مذہبی صداقت حاصل کرنے کے قبل بادشاہ
کے دربار میں امرائے جاگیردار کی طرح حاضر ہو کر اپنی زمین
کے لئے آدابِ خدمت بجالائے اور تمام شرایط جاگیرات یعنی
محصول کا ادا کرنا، دربار میں حاضر ہونا قبول کرے۔ کسی
اسقف کو بغیر بادشاہ کی اجازت کے اپنے حدود سے
باہر جانا منع تھا۔ بادشاہ کے کسی خاص اسامی یا اس کے
حشم و خدم میں سے کسی شخص کو خارج از ملت کر دینا یا
اس کے علاقے پر تعطلِ مذہبی کا حکم صادر کر دینا بادشاہ کی
اجازت کے بغیر درست نہ تھا۔ نئی بات یہ تھی کہ عدالت
کلیسا کے متعلق بھی قانون وضع کئے گئے تھے۔ اگر مقدمہ کسی
پادری اور دنیا دار کے درمیان واقع ہو جس میں اس امر کا
اختلاف ہو کہ آیا شاہی عدالت سے اس مقدمے کو تعلق ہے
یا کلیسا کی عدالت میں اسکو رجوع کرنا چاہئے تو ایسے
اختلافات کا فیصلہ شاہی عدالت کرتی تھی۔ کلیسائی عدالتوں
کی تمام کارروائیوں کے وقت ایک شاہی عہدہ دار بھی

موجود رہتا تھا تاکہ اسقف کی عدالت کو اس کی حدِّ اختیار سے متجاوز نہ ہونے دے اور یہاں جب کوئی پادری مجرم قرار پا جاتا تو وہ فوراً شاہی عدالت میں منتقل کر دیا جاتا، اسقفِ اعظم کی عدالت سے اگر فیصلے میں نقص ہوتا تو شاہی عدالت میں مرافعے کا موقع دیا جاتا تھا لیکن بادشاہ کی منظوری کے بغیر پوپ کی عدالت میں کوئی شخص مرافعہ نہیں کر سکتا تھا"

ٹامس بیکٹ

ٹامس بیکٹ جب تک چانسلر کے عہدے پر رہا ہنری کا خیر خواہ خادم اور اس کی تمام کوششوں میں شریک و معین رہا۔ لیکن جب وہ کینٹربری کا اسقف اعظم بنا دیا گیا تو اُسکا نصب العین بدل گیا اور ہنری پادریوں کو اپنے تحتِ اقتدار میں لانے کی جو کوشش کر رہا تھا اس میں اس نے مخالفت کی۔ بادشاہ کو یہ امر بہت ناگوار گزرا، اور اس کے بعض خُدّام نے اس کے کلام کے یہ معنی نکالے کہ وہ بیکٹ کے قتل کرنے کا خواہاں ہے۔ اسی زعم میں آکر ان لوگوں نے اسقف اعظم کو قتل کر ڈالا۔ ہنری نے اس فعل کا انکار کیا اور بیکٹ کی قبر پر جا کر توبہ کی، اور آئرلینڈ کا کچھ ملک جسے ابھی اس نے فتح کیا تھا پوپ کو خوش کرنے کے لئے اُسکے نذر کر دیا۔ اس نے وہ نفرت انگیز ضابطہ کلیرنڈن بھی واپس لے لیا۔ اس پر پوپ نے اس کا گناہ معاف کر کے

پھر اپنے دامانِ **شفقت** کے سائے میں لے لیا۔

رچرڈ اول
۱۱۸۹ - ۹۹

آخر عمر میں ہنری کے بیٹوں کی بغاوت نے اس کی زندگی تلخ کردی تھی۔ رچرڈ اول (۱۱۹۹-۱۱۸۹) کے لئے ملک کو چھوڑ کر ہنری ۱۱۸۹ء میں مرگیا۔ رچرڈ نے صرف چند مہینے انگلستان میں گزارے اس کے عہد کی اہمیت اس کے کچھ کام کرنے سے نہیں بلکہ کچھ نہ کرنے سے ہے، ملک سے اس کی عدم موجودگی نے انگریزوں کو اپنی مقامی آزادی کے بڑھانے کا اچھا موقع دیا۔

جان
۱۱۹۹ - ۱۲۱۶

جان (۱۲۱۶-۱۱۹۹) لیاقت کے ساتھ خاندانِ آنجوی کی تمام برائیوں کا بھی جامع تھا۔ اس میں تدبیر و معاملہ فہمی کی قابلیت تھی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی پاسِ عزت کا خیال اس میں مطلق نہیں تھا اور حد سے زیادہ بیباک واقع ہوا تھا۔ شاہی عہد و پیمان کو توڑ ڈالنا اور پھر پشیمان نہ ہونا اس کے نزدیک کوئی بات نہ تھی۔ اس نے جب اینگولیم میں اپنی رعایا کی دادرسی کرنے سے انکار کیا تو ان لوگوں نے بادشاہِ فرانس سے فریاد کی۔ اس نے جان کو اپنے روبرو حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن جان نے اس حکم کی کچھ پروا نہ کی اس پر فلپ دوم نے اسے معزول کردیا اور اس کے فرانسیسی صوبوں کو بہت دور تک پامال کرڈالا۔ اپنے بھتیجے آرتھر کو قتل کرکے جان

بہت بدنام ہوگیا۔ اسٹیفن لینگٹن کو پوپ انوسینٹ سوم نے کینٹربری کا اسقف اعظم مقرر کیا تھا جان نے اس تقرر کو منظور نہ کیا۔ انوسینٹ نے انگلستان پر فتوائے تعطل جاری کردیا اور جان کو خارج از ملت قرار دیا اور آخر کار ۱۲۱۲ء میں اسے معزول کر کے اس کا تاج بادشاہ فرانس کو پیش کردیا۔ اسی دوران میں اس کا جبر و ظلم جو رعایا پر تھا اس امر کی طرف منجر ہوا کہ اہل کلیسا اور امرا اس کی مخالفت پر باہم متفق ہوگئے۔ اسی مخالفت کے توڑنے کی امید میں جان نے پوپ سے صلح کرلی اور اس کا جاگیردار بنکر اپنا تاج اس سے حاصل کیا لیکن امرا و کلیسا کے ساتھ اس کی نزاع ۱۲۱۵ء تک جاری رہی۔ آخر مجبور ہوکر اسے میگنا کارٹا (منشور اعظم) لکھنا پڑا جس میں اس نے اقرار کرلیا کہ رسم و قانون قدیم کا لحاظ رکھیگا، کسی قسم کی تعدی و زیادتی باقی نہ رہیگی جاگیرداروں کے جو فرائض ہیں ان سے بڑھکر مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ کلیسا کو پھر اگلی سی آزادی دی جائے گی۔ امرا اور رعایا پر آئندہ کسی طرح کا تشدد نہ ہوگا۔ یہ بھی اقرار کیا کہ وہ کسی مقدمے میں اسوقت تک کسی کے خلاف نہ کوئی حکم دیگا نہ ایسے حکم کو نافذ کرے گا جب تک کہ ملزم کے ہم رتبہ اشخاص کے سامنے مقدمہ پیش نہ ہولے۔ آزادی کی سند حاصل کرتے ہی امرا کا اتفاق ٹوٹ گیا۔ جان اپنی قسم

میگنا کارٹا
منشور اعظم
۱۲۱۵ء

کو اب بھول گیا اور پہلے سے بھی زیادہ رعیت پر تشدد کرنے لگا۔ اس حرکت پر امرا نے لوئس کو جو فلپ دوم کا بیٹا تھا انگلستان کا تاج پیش کیا لوئس نے انگلستان پر چڑھائی کی اور کچھ کامیابی بھی اسے ہوئی لیکن جان کے مرجانے سے قوم انگلش اس کے بیٹے ہنری سوم کی حامی ہوگئی۔ جسکی عمر ابھی نو برس کی تھی اور لوئس کو مجبور ہوکر فرانس میں واپس چلا جانا پڑا۔

ہنری سوم ۱۲۱۶ - ۷۲

ہنری سوم (۱۲۱۶-۱۲۷۲) باپ کے بالکل برعکس تھا وہ رحم دل و پاک باطن تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مذبذب و متلوّن مزاج بھی تھا۔ اس نے بر وقت مطالبہ قسم کھانے یا عہد و پیمان کرنے میں کبھی تامل نہ کیا لیکن موقع پاتے ہی اسکو توڑ ڈالا۔ ادھر اس کی ناقص حکومت سے انگلستان مصیبت میں مبتلا تھا ادھر پوپ نے کلیسا پر محصول کا بار بہت زیادہ ڈال دیا۔ پس ایکطرف سیمن ڈی مونٹفورٹ نے سلطنت کی اصلاح میں کوشش شروع کی، دوسری طرف گروسیٹسٹ (اسقف لنکن) نے پوپ کے مطالبات کی مخالفت کی ۱۲۵۷ء میں غلہ بالکل نہیں ہوا لیکن پوپ نے سال کی آمدنی سے ایک تہائی کا تقاضا کیا۔ اس بوجھ کا برداشت کرلینا اب ناممکن تھا، امرا تلوار پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ۱۲۵۸ء میں آکسفورڈ میں آکر بادشاہ کو بعض مراعات

دینے پر مجبور کیا (جو شرائط آکسفورڈ ۱۲۵۸ء کہلاتی ہیں) بعد ازاں انھوں نے جب دیکھا کہ بادشاہ زبان دیکر پھر گیا تو سیمن ڈی مونٹفورٹ کو اپنا سرگروہ بناکر بادشاہ سے جنگ وجدال شروع کی ۱۲۶۵ء میں سیمن نے مجلس اعظم منعقد کی جسے اب پارلیمنٹ کہتے ہیں اور جس میں ہر ایک ضلع کے بیرن اور نائٹ کے سوا بعض بعض قصبوں کے دو دو اہل قصبہ نے بھی جگہ پائی۔ سیمن نے ان لوگوں کو اس باب میں مشورہ دینے کے لئے طلب کیا تھا کہ قصبوں پر کسقدر محصول لگا سکتے ہیں یہ پہلی پارلیمنٹ تھی جس میں ضلعوں کے نمائندوں کے ساتھ قصبوں کے نمائندے بھی طلب کئے گئے تھے۔ سیمن کے مرنے اور ہنری کے سلطنت سے دست بردار ہو جانے سے خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا اور تمام اختیارات ملکی، شہزادہ اڈورڈ کے ہاتھ میں دے دئے گئے۔

پارلیمنٹ میں عوام کا داخل ہونا ۱۲۶۵ء

اڈورڈ اول

۱۲۷۲ - ۱۳۰۷

اڈورڈ اول کی حکومت کے کارناموں میں ویلز (۱۲۸۴) اور اسکاٹ لینڈ (۱۳۰۵) کی فتح نمایاں کارنامے ہیں، مگر اسکاٹلینڈ نے جنگ جاری رکھی اور ۱۳۱۴ء میں بینک برن کے معرکہ میں پھر آزادی حاصل کرلی۔ اس کے مجوزہ قوانین اکثر وجوہ سے اچھے اور تاج کی قوت بڑھانے میں بکار آمد تھے۔ ۱۲۹۵ء

پارلیمنٹ کا نظام کامل طور سے منضبط ہوگیا اور ۱۲۹۷ء میں اڈورڈ نے سابق مشورات کی تصدیق کرنے کو منظور کرلیا۔

اڈورڈ دوم ۲۷-۱۳۰۷

اڈورڈ دوم (۲۷-۱۳۰۷) اپنے حواشی کے قبضے میں تھا، اور اس کی حکومت ہر طرح سے ناقص ثابت ہوی۔ بادشاہ بیگم اور اسکے آشنا روجر مارٹیمر نے بادشاہ سے جنگ کی اور ۱۳۲۷ء میں رعایا بھی ان کے ساتھ شریک ہوگئی اور بادشاہ کو معزول کردیا اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ قید خانے میں مار ڈالا گیا اور اڈورڈ سوم مارٹیمر کی تولیت میں بادشاہ مقرر ہوا

جنگ صدسالہ میں انگلستان میں یکے بعد دیگرے شاہانِ ذیل نے سلطنت کی۔

اڈورڈ	سوم	۱۳۲۷ تا ۱۳۷۷
رچرڈ	دوم	۱۳۷۷ تا ۱۳۹۹
ہنری	چہارم	۱۳۹۹ تا ۱۴۱۲
ہنری	پنجم	۱۴۱۲ تا ۱۴۲۲
ہنری	ششم	۱۴۲۲ تا ۱۴۶۱

اسی زمانے میں فرانس کے فرماں روا حسب ذیل ہوئے۔

فلپ	ششم	۱۳۲۸ تا ۱۳۵۰
جان		۱۳۵۰ تا ۱۳۶۴
چارلس	پنجم	۱۳۶۴ تا ۱۳۸۰

چارلس ششم ۱۳۸۰ تا ۱۴۲۲
چارلس ہفتم ۱۴۲۲ تا ۱۴۶۱

مسئلہ زیر بحث

جنگ صد سالہ کے شروع میں اصل زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ آیا سارا فرانس بادشاہ فرانس کے زیر فرمان رہنا چاہئے یا گینی و گیسکونی کو بدستور انگلستان کے قبضے میں رہنے دیا جائے انگلستان ملک فرانس کے اتنے بڑے حصے پر قابض تھا جس سے ملک فرانس کے متحد ہونے کو وہ روک سکتا تھا اور حالت یہ تھی کہ تمام سرزمین فرانس پر شاہی قبضے کا ہو جانا ایک ایسا عظیم الشان مسئلہ بن گیا تھا جس نے شاہ فرانس کو سخت مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اس امر کا یقین تھا کہ انگلستان و فرانس کے درمیان جنگ و جدال ضرور ہوگی جسکا انجام یا تو یہ ہوگا کہ شاہ انگلستان تمام ملک فرانس کو فتح کرکے بادشاہ فرانس سے تخت چھین لیگا یا بادشاہ فرانس قوم انگلش کو نکال باہر کریگا اور اس تمام ملک کو دوبارہ فتح کرلیگا جسکے خلقی حدود، زبان اور عادات کی مشابہت شاہ فرانس کی تمناؤں کو جائز طور پر اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔

جنگ کی بنائے ابتدائی

اڈورڈ اور فلپ میں پہلے اسکاٹلینڈ کے باب میں نزاع پیدا ہوئی۔ ۱۳۳۱ء میں اڈورڈ بیلیل نے تخت اسکاٹلینڈ کا دعوی کیا اور اڈورڈ سوم سے کمک مانگی۔ ڈیوڈ بروس جو دوسرا دعویدار ملک تھا

بھاگ کر فرانس چلا گیا۔ اس زمانے میں فلپ ششم ندرلینڈز میں اپنا اقتدار بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں کے کچھ سیاسی مفرور اڈورڈ سوم کے پاس آکر پناہ کے طلب گار ہوئے اور اڈورڈ نے انکو اپنی پناہ میں لے لیا یہ امر فلپ کو ناگوار گزرا اور ۱۳۳۷ء میں جنگ صد سالہ شروع ہوگئی۔ اسی سال میں اڈورڈ سوم فلینڈرز میں گیا وہاں کے لوگوں نے یہ خواہش کی کہ اسے بادشاہ فرانس کا لقب اختیار کرنا چاہئے اس نے بھی اسے مفید مطلب سمجھا اور ۱۳۳۹ء میں مقدمہ جنگ کے طور پر فرانس کے مالک ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی سال انگریزوں کے بیڑے نے فرانیسی بیڑے کو تباہ کر دیا۔ لیکن اور اعتبار سے محض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ ۱۳۴۶ء میں کریسی کا

جنگ کریسی ۱۳۴۶

میدان اڈورڈ کے ہاتھ رہا اور اسکے دوسرے سال اس نے کیلے کو بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد عارضی التوائے جنگ ہوا جو ۱۳۵۵ء تک قائم رہا، اسی سال کالے شہزادے اڈورڈ نے جنوبی فرانس

پوائیٹرز ۱۳۳۶

کو بہت دور تک تباہ و تاراج کر دیا۔ پوائیٹرز کے قریب اس کی فوج پر جس میں کل آٹھ ہزار سپاہی تھے ایک بڑا لشکر کوئی پچاس ہزار فرانسیسیوں کا ٹوٹ پڑا مگر فتح اسی کو ہوی بلکہ اس نے فرانس کے بادشاہ جان کو گرفتار کر لیا اور اسے انگلستان میں لے آیا۔

۱۳۵۹ء میں اڈورڈ نے فرانس پر دوسرا حملہ کیا لیکن چند سال پیشتر جو حملہ اس نے کیا تھا اس کی تباہی و بربادی دیکھکر وہ اس قدر متاثر ہوا کہ خود صلح کی خواہش کی۔ بریٹنگنی کے صلحنامے کے روسے اڈورڈ نے تاج فرانس کے دعویٰ سے دست کشی کی اور کئی بڑے صوبے فرانس کے اسکو مل گئے۔ کالا شہزادہ اکوٹیٹن میں حکومت کرنے کے لئے بھیجا گیا لیکن محصول آتشدان جاری کرنے سے رعایا اس سے بگڑ گئی۔ کئی برس تک انگریز فرانس کے اکثر شہروں کو لوٹتے اور تباہ کرتے رہے لیکن فرانس والے باقاعدہ جنگ سے گریز کرتے رہے اور دوسری تدابیر سے رفتہ رفتہ بہت سے ملک پر پھر قبضہ کرلیا۔

ہنری پنجم ۱۴۱۳ - ۱۴۲۲ جنگ کو از سر نو جاری کرتا ہے۔

ہنری پنجم (۲۲-۱۴۱۳) کی تخت نشینی تک جنگ و جدال گویا موقوف رہی اُسکے باپ ہنری چہارم نے رچرڈ دوم کو معزول کرکے تخت انگلستان پر قبضہ کرلیا تھا اس وجہ سے ہنری پنجم کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اس کی سلطنت کی بنا مستحکم نہیں ہے لہذا اپنے کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے یہی بات اس کے خیال میں آئی کہ فرانس میں کوئی کامیاب جنگ کرنی چاہئے۔ پس اپنے تاج فرانس کے دعویٰ کو اس نے پھر تازہ کیا لیکن مقام ہارفلیور میں اس کے لشکر میں بیماری پھیل گئی جس سے دو تہائی فوج ضائع ہوگئی۔ اس پر بھی (۱۴۱۵ء میں) پندرہ ہزار سربازوں کو لیکر پچاس ہزار

جنگ آژین کور فرانسیسی لشکر کو جنگ آژین کور میں شکست دی۔
چارلس ششم ایک ضیعف العقل بادشاہ تھا۔
ملک دو گروہوں کے قبضے میں تھا ایک گروہ ڈیوک برگنڈی کے تحت میں تھا دوسرا کاونٹ ارماگنک کے زیر اثر تھا۔ دونوں فرقوں میں اس قدر عداوت اور بیر تھا کہ برگنڈی والے انگریزوں کی طرف ہوگئے اور ۱۴۲۰ء کے معاہدہ ٹرائے کی روسے ہنری پنجم کا چارلس کی زندگی تک متولی سلطنتِ فرانس رہنا اور اس کے مرنے کے بعد بادشاہِ ملک ہونا تسلیم کرلیا گیا۔ ۱۴۲۲ء میں موت نے بادشاہوں کا خاتمہ کردیا ہنری ششم ابھی نو مہینے کا بچہ تھا مگر انگلستان اور تمام شمالِ فرانس میں اس کا بادشاہِ وقت ہونا تسلیم کرلیا گیا اور ڈیوک بڈفرڈ متولی سلطنت مقرر ہوا۔ اس نے بہت خوب اصلاحیں کیں اور فرانس میں اچھی طرح حکومت کی۔ چارلس ہفتم (ولیعہد) لائر کے جنوب میں بادشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ بڈفرڈ نے اس پر لشکرکشی کی اور ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریز تمام فرانس پر قابض ہو جائیں گے۔ بڈفرڈ نے ۱۴۲۸ء میں آرلیز کا محاصرہ کرلیا تھا اور حسب دلخواہ کامیابی کی امید تھی فرانس کے بعض امرا خصوصاً ڈیوک برگنڈی، انگلستان والوں سے الگ ہوگئے اور ایک غیر مترقبہ کمک بھی پہنچ گئی۔

جین ڈی آرک ایک دہقان کی لڑکی جین ڈی آرک جسکی عمر

صرف سترہ برس کی تھی اس کے دل میں اس بات کا یقین بیٹھ گیا کہ خدا کی طرف سے اسے الہام ہوا ہے کہ اپنے بادشاہ چارلس ہفتم کو ریمز کی طرف لے جائے تاکہ وہاں اس کو تخت نشین کرے، اور قوم انگلشیہ کو نکال باہر کرے۔ فرانس کی عورتوں میں ایک جین ہی کو یہ خیال نہ تھا کہ اس امر عظیم کے لئے خدا نے اس کو مقرر کیا ہے بلکہ ان دونوں ایسا اشتعال اور ایسا جوشِ قومی پھیلا ہوا تھا کہ کتنی ہی عورتیں اس بلند دعویٰ کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں ان میں ایک جین ہی ایسی تھی کہ اس کی بات کی شنوائی ہوئی۔ ابتدا میں کسی کو اس پر بھروسا نہ تھا لیکن چونکہ کسی اور طرح کی کمک ممکن نہ تھی اس لئے اسے اُس نوجوان بادشاہ کے سامنے لے گئے اور بادشاہ نے اسے یہ موقع دیا کہ اپنی الہامی صدا کی آزمائش خاطر خواہ کرلے۔ قائدِ لشکر کا عہدہ اسے دے دیا گیا لیکن اس کے احکام کے صرف ایک جزوی حصے کی تعمیل ہوتی تھی کیونکہ فوج کو جو حکم وہ دیتی تھی اس کی پوری تعمیل محالات میں سے تھی۔ درحقیقت سرانِ لشکر نے اس عورت سے لشکر میں جوش، اور جوش میں انتہا کا اشتعال پیدا کر دینے کا کام لیا۔ اسی نے فوجِ انگلشیہ پر آرلیز کے سامنے حملہ کیا اور شہر کا محاصرہ توڑ دینے میں کامیاب ہوگئی۔ اب دریا میں دوسری موج آئی اور ہر شخص خوشی کے جوش میں دیوانہ ہوگیا، اس کی کرامات کا اہلِ فوج کو ایسا اعتقاد

ہوگیا کہ ان کے حملے کو روکنا ممکن نہ تھا۔ انگریزی فوجیں پسپا ہوتی گئیں اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہوتا گیا تا آنکہ بہت ہی جلد ۱۴۲۹ء میں بمقام ریمز چارلس ہفتم کی تاجپوشی عمل میں آئی۔ جین برابر لڑتی ہی چلی جاتی تھی لیکن برگنڈی والوں نے اسے گرفتار کرکے انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا اور انھوں نے اسے مقام روآن میں لے جاکر اس پر جادوگری و الحاد و ارتداد اور کتنے ہی اور جرائم کا (جو ازمنۂ مظلمہ ہی میں ایجاد ہو سکتے تھے) الزام قائم کرکے موت کا فتویٰ دیدیا۔ اس کی نوجوانی، اس کے بھولے پن، اس کی عالی ہمتی پر کسی کو رحم نہ آیا اور مئی ۱۴۳۱ء میں وہ زندہ جلا دی گئی۔

لیکن مرنے کے بعد بھی ملک فرانس میں وہ ایک طاقت سمجھی جاتی رہی، اس کے نام سے اس کے ہموطنوں میں وہ ہمت و جرأت پیدا ہوگئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ فرانس سے انگریزوں کا استیصالِ کلی ہو جائے۔ بڈفرڈ نے دیکھ لیا کہ انگریزوں کے خلاف مخالفت کا جوش برابر بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ۱۴۳۵ء میں اپنے مرتے وقت ڈیوک برگنڈی بھی انگریزوں سے ترک رفاقت کرکے چارلس ہفتم کی رعایا میں داخل ہوگیا۔ جنگ اور کئی برس تک ہوتی رہی آخرکار ۱۴۵۳ء میں کیلے کے سوا انگریز تمام ملک فرانس سے نکال دئے گئے۔ اسکے ساتھ ہی

انگریزوں کا اخراج ۱۴۵۳ء

جنگِ صد سالہ ختم ہوگئی۔ جس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ ملک فرانس متحد ہوگیا۔ اس جنگ کا انگلستان و فرانس دونوں ملکوں پر بہت گہرا اثر پڑا اور اس کے ختم ہوتے ہی دونوں ملک ترقی کے نئے میدان میں داخل ہونے کے لئے تیار تھے۔

انگلستان میں آئینی تغیرات

چودھویں صدی کے درمیان انگلستان کے دستور سلطنت میں عظیم الشان تغیرات ہوے۔ ۱۳۲۲ء میں اڈورڈ دوم نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ سے جمیع معاملات سلطنت کا فیصلہ پارلیمنٹ میں ہوا کریگا جسمیں اساقفہ و امرا اور عام رعایا کی نمائندگی ہوگی۔ اس نے جاگیرداروں پر سے خاص خاص محصول بھی اٹھادئے اور پارلیمنٹ کی منظوری سے جو کچھ ملجائے اسی پر اس نے قناعت کی۔ ۱۳۴۱ء میں عام ارکان کو امرا سے جدا کردیا اور معاملات پر غور و خوض کرنے کے لئے ان کے جلسے علٰحدہ علٰحدہ ہونے لگے۔ ۱۳۷۶ء میں پارلیمنٹ نے اس اختیار کا دعوی کیا اور اس سے کام بھی لیا کہ بادشاہ کی مجلسِ شوری کے ارکان پر وہ خیانت کے متعلق مقدمہ چلاسکے۔

معاشرتی تحریکات

چودھویں صدی اس باب میں بھی امتیاز رکھتی ہے کہ لوگوں میں ترقی کی تحریک پیدا ہوگئی تھی جو ہر بات سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ۱۳۴۸ء میں تمام یورپ میں طاعون پھیل گیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شاید آدھے آدمی مرگئے۔ انگلستان کے بعض پورے کے پورے

ضلع ویران ہوگئے۔ اس سے لامحالہ آزاد مزدوری پیشہ لوگونکی
ضرورت بے حد محسوس ہونے لگی اس کا طبعی نتیجہ یہ تھا
کہ آزاد کاریگر اتنی زیادہ مزدوری مانگنے لگے کہ پہلے کبھی
ان کو اتنی مزدوری نہیں ملی تھی۔ انگریزوں کی طبیعتوں میں
رسم ورواج کی پابندی بہت راسخ ہے اسوجہ سے ان پر
اس کا بہت گہرا اثر پڑا، خصوصاً اسوجہ سے کہ اس زمانے میں
کاشتکاری کے مصارف بھی بہت بڑھ گئے تھے۔ ۱۳۴۹ء میں
دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے باتفاق یہ قانون نافذ کیا کہ
سابق میں طاعون کے پہلے جو اجرت معین تھی وہی اب بھی
دیجایا کرے اور جو اجیر زیادہ اجرت مانگے وہ مجرم سمجھا
جائے۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف طبقات میں جو ناگواری
پہلے سے موجود تھی اس میں اور تلخی پیدا ہوگئی، اور زیادہ
طلبی کی ممانعت بھی کچھ کام نہ آئی۔ کام کسی طرح رک نہیں
سکتا تھا اور کاشتکار بے زیادہ لئے ہوئے کام نہیں کرتے
تھے۔ پس زمینداروں نے اب یہ کوشش شروع کی کہ آزاد
مزدوروں کو پابند اراضی کسان بنانے کا طریقہ پھر رائج
کریں۔ اکثر حالتوں میں یہ ہوا تھا کہ کاشتکار نے کچھ روپیہ
زمیندار کو دیکر خود کو خدمت سے آزاد کرالیا تھا۔ اب جو
مزدوری اس قدر گران ہوگئی تو جن زمینداروں نے کاشتکاروں
سے خدمت کے عوض روپیہ لینے کا معاہدہ کیا تھا انہوں نے
عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر خدمت کے عوض روپیہ

لینے سے انکار کردیا۔ اس سے دشواری رفع ہو جاتی اور زمینداروں کو اپنی زمینوں پر کاشت کرنے کیلئے کافی تعداد میں مزدور ملجاتے لیکن اس معاملے کی نا انصافی نے بغاوت پیدا کردی۔ وکلف کے واعظوں میں سے بہتوں نے کاشتکاروں کے معاملے میں امداد دینی شروع کردی اور بہت سے دہقانی بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور جابجا پھر پھر کر لوگوں کو مخالفت پر برانگیختہ کرنے لگے اس سے تمام انگلستان میں شورش پھیل گئی۔ امرا کے مال و جائداد پر حملے ہونے لگے ان کی محفوظ شکارگاہیں اور مچھلیوں کے تالاب تباہ کئے جانے لگے۔ پابند اراضی کسانوں کے اقرار نامے اور معاہدے وغیرہ کے کاغذات و اسناد جو کچھ ملے جلادئے گئے اور بہت

شورش واٹ ٹائلر

سے آدمی بھی ہلاک ہوئے۔ لاکھ آدمیوں سے زیادہ کا ایک لشکر جس کے سرگروہ واٹ ٹیلر، جیک اسٹرا، جان بال تھے لندن کی طرف روانہ ہوا۔ ان لوگوں کو توقع یہ تھی کہ امرا کے مقابلے میں وہ بادشاہ سے فریاد کرینگے۔ وہ لندن میں داخل ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو قتل کرڈالا جن میں ٹمپل کے نئے مدرسۂ قانونی کے وکلا اور کینٹربری کا اسقفِ اعظم بھی شامل تھا، جس نے پارلیمنٹ میں بہت سے نفرت انگیز مسئلے پیش کئے تھے۔ رچرڈ دوم جو ابھی محض لڑکا تھا وہ ان لوگوں سے ملا اور اقرار کیا کہ پابندی اراضی کا طریقہ موقوف کردیا جائے گا، اس پر اکثر

دہقان اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ لیکن ان میں سے قریب بیس ہزار دہقانوں کی جمعیت فساد پر کمربستہ تھی اور وہ اسوقت تک منتشر نہ ہوی جبتک فوج نے اس پر حملہ کرکے اسے منتشر نہیں کردیا۔ بغاوت کے بعد ہی سخت سزائیں دی جانے لگیں۔ سرغنہ اور بہت سے دوسرے لوگ جو اس بغاوت میں شریک تھے قتل کئے گئے۔ انگلستان ان باغیوں کے خلاف متحد ہو گیا اور دہقانوں کی جو تباہی اور بربادی اب ہوی پہلے سے بھی بدتر تھی۔

وکلف جان وکلف نے قوم میں جس روشن خیالی کی بنا ڈالی تھی دہقانوں کی بغاوت سے اس پر برا اثر پڑا۔ اس نے بے ہوش ہوکر "توریت" و "انجیل" کا مطالعہ کیا تھا اسی وجہ سے اس نے بہت سے امور میں کلیسا سے قطعی اختلاف کیا۔ اس نے پوپ کے اقتدار اور روٹی اور شراب کی قلب ماہیت بلکہ بعد میں خود عشائے ربانی پر اعتراضات کئے۔ پہلے اس نے صرف انہیں امور کے خلاف کوشش کی جنہیں وہ کلیسا کی غلط انکاری کہا کرتا تھا مثلاً پادریوں کا دنیادار رہنا، کلیسا کی طرف سے گراں محصول لگانا، معافی و رحم کا بیچنا، غریب الوطن ہوکر زیارت کو جانا، استخوانہائے اولیا کو مقدس سمجھنا، اولیائے مسیحی کی پرستش کرنا، لیکن جوں جوں اس کی مخالفت کی گئی اسکے خیالات اور بھی پختہ ہوتے گئے آخر نوبت یہانتک پہنچی

کہ ہر بات میں اس نے کلیسا سے علانیہ اختلاف کیا۔ کتاب
مقدس کا مطلب جو کچھ وہ سمجھا تھا اسی کو براہ راست اپنے
اصول کی بنیاد قرار دیا۔ اپنے مذہب کی تعلیم کو عام کرنے
کے لیئے اس نے بہت سے واعظ ہرطرف روانہ کئے۔ انھوں نے
بہت سے لوگوں کو اپنا پیرو بنا لیا۔ اس کو زیادہ تر عامۃ الناس
کے ساتھ ہمدردی تھی اور انھیں نے اس کی اصلاح کی
قدر بھی کی۔ لوگوں کے خیالات پر اس کا جو اثر پڑا ہوا تھا
دہقانوں کی بغاوت کے اسباب میں کچھ نہ کچھ اس خیال کو
بھی ضرور دخل تھا۔ باغیوں کے ہاتھ سے جو مظالم ہوئے
اُن سے اُمرا بلکہ عوام بھی برہم ہوگئے اور اس سے وکلف
کی تحریک بہت بدنام ہوگئی۔ اس کے واعظ جن کا نام
لولارڈ یعنی "متقبل باتونی" ہوگیا تھا، سب کچل ڈالے گئے
اور اُن کو سزائیں ہوئیں۔ خود اس کی بھی پادریوں نے
بہت مخالفت کی وہ سزا سے تو بچ گیا لیکن آکسفورڈ چھوڑکر
اپنے وطن لٹروورتھ کی طرف اسے چلا جانا پڑا۔ یہاں اُس نے
اپنی عمر کا آخری زمانہ کتاب مقدس کے ایک سابق ترجمے
پر از سرِ نو نظر ڈالنے میں صرف کیا۔ اس کو حکم ہوا کہ روما میں
حاضر ہوکر اپنے الزامات کا جواب دے لیکن موت نے اسے
مہلت نہ دی۔ کچھ تو مصلحت ملکی اور کچھ ہنری پنجم اور پوپ
کا باہم اتفاق، اس امر کی طرف منجر ہوا کہ اس کے پیروؤں
کو برابر سزائیں دیجاتی گئیں اور اسطرح اسکی تمام کوششیں

کالعدم ہوگئیں۔

گلابوں والی لڑائی ۱۴۶۱-۱۴۸۳

ہنری ششم کو آخر عمر میں بار بار جنوں کے دورے ہونے لگے یہی امر براہ راست اس خانہ جنگی کا سبب ہوا جسکا نام مخالفین کی جنگی علامتوں کی وجہ سے "گلابوں والی لڑائی" مشہور ہے۔ یہ جنگ انگلستان کے بڑے بڑے خاندانوں کے درمیان ہوی تھی پہلے تو مخاصمت بادشاہ کی ذات پر نگرانی حاصل کرنے کے لیئے تھی اور آخر میں خود بادشاہی کے لیئے جنگ ہونے لگی ڈیوک یارک نے ہنری ششم کو ۱۴۶۱ء میں انگلستان سے نکال دیا اور خود اڈورڈ چہارم کا لقب اختیار کرکے تاج شاہی سر پر رکھا (۱۴۶۱-۱۴۸۳) لیکن دس برس تک کچھ نہ کچھ جھگڑے ہوتے رہے انگلستان میں امن و اطمینان نہیں ہوا، کیونکہ اڈورڈ چہارم اور اس کے بڑے ہوا خواہ واروک میں جسے بادشاہ گر کہتے ہیں تنازعہ ہوگیا۔ واروک آنجو کی مارگیرٹ سے مل گیا اور فرانس کے ساتھ اتفاق کرلیا مگر ۱۴۷۱ء میں اڈورڈ نے واروک کو مقام بارنٹ میں اور مارگیرٹ کو ٹیوکس بری میں ہزیمت دیدی۔ اب اڈورڈ نے بے کھٹکے تخت انگلستان پر تسلط پاکر برگنڈی کے چارلس (دلیر) کو اپنا شریک کرکے لوئی یازدہم شاہ فرانس سے جنگ چھیڑ دی۔ اسے توقع یہ تھی کہ فرانس کی قوت کو نیدرلینڈ پر حاوی نہ ہونے دیگا مگر اس کے جیئے

کچھ ہو نہ سکا۔ اس کے مرجانے سے اسکا بیٹا اڈورڈ پنجم بارہ برس کے سن میں تخت نشین ہوا اور اڈورڈ کا چچا رچرڈ ڈیوک گلوسٹر محافظ مقرر ہوا۔ رچرڈ نے اڈورڈ پنجم اور اس کے چھوٹے بھائی ڈیوک یارک کو ٹاور میں ڈالدیا اور ان بچوں کی ماں کے رشتہ داروں کو جو ابتک بڑا اثر رکھتے تھے قید کرلیا یا قتل کردیا۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ نوعمر بادشاہ کی اگر تاجپوشی ہوگئی اور وہ بادشاہ تسلیم کرلیا گیا تو خود اس کی جان کی خیر نہیں ہے، اس سبب سے اس نے خود اپنی ماں پر نہایت بیشرمی سے فحش کی تہمت لگاکر حق سلطنت کو اپنے لیے

رچرڈ سوم ۱۴۸۳-۱۴۸۵

ثابت کرالیا اور ۱۴۸۳ء میں رچرڈ سوم کے لقب سے تاج شاہی سرپر رکھا۔ اس کی اس حرکت پر کچھ کچھ مخالفت بھی ہوئی لیکن اس نے چلنے نہ دی۔ اب وہ یہ سمجھا کہ جب تک اڈورڈ پنجم اور اس کا بھائی یہ دونوں زندہ ہیں میری سلطنت مستحکم نہیں ہے اسی خیال سے دونوں پر قلعے کے اندر ہی اندر رچرڈ کے حکم سے چھری پھیر دی گئی مگر اس حرکت نے اس کی ہر دلعزیزی کو متزلزل کردیا۔ ڈیوک رچمنڈ کو جو اڈورڈ سوم ہی کی اولاد میں تھا انگلستان پر لشکرکشی کی ہمت ہوی۔ جنگ باس ورتھ میں (۱۴۸۵) رچرڈ سوم مارا گیا اور ڈیوک رچمنڈ ہنری ہفتم کا لقب اختیار کرکے انگلستان کا بادشاہ ہوگیا۔ تقریباً تیس برس تک ان خانہ جنگیوں کے سبب سے

انگلستان پر ایسی ایسی سخت مصیبتیں پڑیں کہ لوگ تنگ آکر

ہنری ہفتم ۱۴۸۰-۱۵۰۰ امن قائم کرتا ہے

آرزو کرنے لگے کہ کچھ بھی ہو، اور کسی کی بھی اطاعت کرنا پڑے لیکن امن کسی طرح ہو جائے۔ اس جنگ کی یہی ایک مصیبت نہ تھی کہ امرا کے بڑے بڑے خاندان تباہ ہوگئے بلکہ خانہ جنگی سے جو وحشت و ہیبت ہر جگہ پیدا ہوگئی تھی اس کا اثر یہ ہوا کہ خاندانِ ٹیوڈر کے لئے جسکا سرخیل ہنری ہفتم تھا، خودسری و مطلق العنانی کا راستہ کھل گیا اور حکومت کرنے میں انھیں نہ دستور سلطنت کا لحاظ رہا نہ پارلیمنٹ کا۔ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ خانہ جنگی سے بدتر کوئی مصیبت نہیں ہے اس لئے وہ ایک قوی بادشاہ کے تسلط کو غنیمت سمجھے کیونکہ انکو یقین یہ تھا کہ ایسا ہی بادشاہ امن و انتظام قائم رکھ سکتا ہے۔

انگلستان میں نشاۃ جدیدہ

اسی زمانے میں انگلستان میں نشاۃ جدیدہ کا اثر محسوس ہونا شروع ہوا۔ رچرڈ سوم بھی اس ترقی کے حامیوں میں نہایت سربرآوردہ تھا تخت کا راستہ جب تک اس کے لئے نہیں کھلا تھا اسوقت تک اس جانب اس کی توجہ و آمادگی بہت رہی مگر اُسکے دماغ میں غصب ملک کی ہوا کا بھر جانا خود اس کے حق میں بھی اور اشاعتِ علوم کے لئے بھی بہت برا ہوا، تاہم بادشاہ ہوتے پر بھی اس نے علوم جدیدہ

کے ترقی دینے میں ہمیشہ توجہ کی اور اپنے قوانین سے اس کی بہت کچھ اعانت کی۔ اس نے ایک قانون یہ نافذ کیا کہ جو تاجر اس کی عملداری میں باہر سے کتابیں لائیں یا بیچیں ان کے لئے کہیں روک ٹوک نہو، نہ کسی طرح کا ضرر انھیں پہنچنے پائے۔ اس زمانے میں علم کی نشوونما کا جوش دفعتہً پھیل گیا۔ اس میں شک نہیں کہ کسی قسم کی نمود اس باب میں ابھی تک نہیں ہوی تھی لیکن سولہویں صدی کی شاندار کامیابی کی بنیاد پڑچکی تھی۔

فرانس میں مستقل فوج

اب ہم فرانس کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں، چارلس ہفتم کے آخری عہد میں وہ اقبال مندی نہ رہی جو شروع میں تھی۔ جین ڈی آرک نے اس کے لئے جو فتوحات کئے تھے، اس کے سبب سے بادشاہ کو "فتحمند" کا لقب مل گیا۔ ایک مستقل فوج تیار کرکے وہ اپنے جاگیرداروں سے کمک لینے سے بے پروا ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے لوئس سے تنازعہ پیدا کرلیا جس سے وہ (لوئس) اس کے دشمنوں سے جاکر مل گیا اور اس کے خلاف میں سازشیں کیں۔ علاوہ بریں بادشاہ ناقص وزیروں کے قابو میں آگیا اور اس کی منظور نظر فاحشہ عورتوں کی موجودگی نے اسکے دربار کو بھی گندہ کردیا تھا۔

لوئس یازدہم ۱۴۶۱-۱۴۸۳

لوئس یازدہم (۱۴۶۱-۱۴۸۳) بادشاہی کے لحاظ سے فرانس کے تمام بادشاہوں سے

زیادہ کامراں و اقبال مند تھا، لیکن ظالم، مکار، بداطوار، بے اصول ہونے میں اسے خاص ناموری حاصل تھی۔ دورخی کارروائی کرنے اور دغا دینے کے فن میں وہ استاد کامل تھا۔ اسکی مسلمہ حکمت عملی یہ تھی کہ نئے ممالک کی فتح جاری رہے اور شاہی اقتدار بڑھتا رہے۔ اسکے زمانے میں بہت سی بڑی بڑی جاگیریں صرفخاص میں شامل ہوگئیں۔ دو بہت بڑے اضافے مشرقی سرحد پر ہوے ۱۴۷۷ء میں ڈیوک برگنڈی چارلس دلیر، کے مرنے پر لوئس یازدہم نے اسکی جاگیرات کو ضبط کرلیا اور ۱۴۸۱ء میں پراونس پر قبضہ کر لیا۔ اسطرح فرانس کی شرقی سرحد میں بہت وسعت ہوگئی۔ شاہی حقوق کو بڑھانے کیلئے لوئس نے صوبوں کیلئے ایک ایک پارلیمنٹ (عدالت عالیہ) علیحدہ مقرر کردی اور اس تدبیر سے پیرس کی پارلیمنٹ کو جو شاہی اقتدار کو سب سے زیادہ محدود کرسکتی تھی کمزور کردیا۔

فرانس کا متحد کیا جانا

چارلس ہشتم (۱۴۹۸-۱۴۸۳) نے جو لوئس یازدہم کا جانشین ہوا ۱۴۹۱ء میں برٹنی کا الحاق کرکے بادشاہی مقبوضات میں اضافہ کیا اور اس طور درحقیقت ملک کے متحد کرنیکی کارروائی مکمل ہوگئی۔ شاہی اقتدارات روز افزوں ترقی کررہے تھے اور اسکے ساتھ ہی جاگیردار امرا کا زور عملاً ٹوٹ گیا تھا۔ بادشاہ محض نام کا بادشاہ نہیں تھا بلکہ واقعی فرمانروا و حکمراں بن گیا تھا۔ فرانس کے سارے ملک پر تسلط پاکر چارلس ہشتم کیلئے باہر نظر دوڑانے کا موقع تھا۔ اٹلی پر اسکا ۱۴۹۴ء میں حملہ آور ہونا تاریخ فرانس میں عہد فتوحات کے شروع ہونے کا پہلا سال ہے

باب (۱۶)
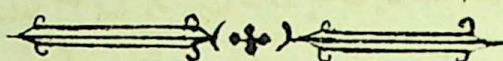
جرمنی (۱۲۵۴ء تا ۱۵۰۰ء) اور یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں

شہنشاہی میں وقفہ اعظم۔ ۱۲۵۴ - ۱۲۷۳

۱۲۵۴ء سے ۱۲۷۳ء تک کسی شہنشاہ کے نہ ہونے سے جرمنی میں مسلسل طوائف الملوکی قائم رہی۔ بڑے بڑے والیانِ ملک نے موقع پاکر شاہی جائدادوں پر قبضہ کرلیا اور اپنے سے کمزور امرا کی املاک کو اپنے قلمرو میں شامل کرکے اور قوت حاصل کرلی لیکن اس بدامنی و طوائف الملوکی کے باوجود بھی چونکہ شہروں میں آپ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کا احساس پیدا ہوگیا تھا اسلئے تجارت وصنعت وحرفت میں ترقی ہی ہوتی رہی جیساکہ رائن کی لیگ کے حالات سے واضح ہوتا ہے۔

وہ سات والیانِ ملک جنہیں اس زمانے سے بلا شرکتِ غیرے شہنشاہ کے منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگیا ہے، وہ ڈر رہے تھے، کہ اس درمیان میں اُنہوں نے جن زمینوں کو غصب کرلیا ہے، کہیں کوئی شہنشاہ منتخب ہوکر ان اراضی سے انہیں بیدخل نہ کردے،

اسلئے کسی کو شہنشاہی کے لئے انتخاب کرنے میں تساہل کرتے تھے لیکن تابہ کے۔ آخر پوپ نے ان سے کہدیا کہ اگر وہ لوگ کسی کو شہنشاہ نہیں منتخب کرینگے تو وہ خود کسی کو تخت شہنشاہی کے لئے نامزد کردیگا۔ اب انہیں لامحالہ کسی کو منتخب کرنا پڑا، چنانچہ اُنہوں نے رڈلف والی ہیپسبرگ کو قصداً اس خیال سے منتخب کیا، کہ اسے اتنی قوت نہ ہوگی کہ وہ ان کے معاملات میں مداخلت کی جرأت کرے۔ رڈلف اسقدر ذی فہم شخص تھا کہ تخت نشین ہوتے ہی یہ سمجھ گیا کہ اُسکا رور اٹلی میں بالکل ہی نہیں چل سکتا، اور جرمنی میں بھی وہ محض برائے نام ہے اسلئے اس نے اپنی دانائی سے یہ کوشش کی کہ جبقدر بھی ممکن ہو اپنی جائداد میں اضافہ کرکے اپنے خاندان کی بنیاد کو قوی کردے۔ اٹوکر شاہِ بوہمیا اس کا سدِّراہ ہوا۔ لیکن رڈلف نے اس کو شکست دیکر ۱۲۷۸ء میں اسکی مملکت کو ضبط کرلیا اور اسکا بہت بڑا حصّہ اپنے خاندان کے لئے محفوظ کرلیا۔ اسطرح سے آسٹریا خاندان ہیپسبرگ کے قبضے میں آگیا، اور وہ اُینا ان کا مستقر قرار پاگیا۔ رڈلف اب اپنے خاندان کے اغراض سے فارغ ہوکر شہنشاہی کی جانب مائل ہوا، اور نہایت مضبوطی کے ساتھ قیامِ امن و معدلت گستری پر کاربند ہوا۔

رڈلف، کاونٹ ہیپسبرگ شہنشاہ ہوا
۱۲۷۳ - ۱۲۹۲

آڈولف ناسو
۱۲۹۲ - ۱۲۹۸

رڈلف کی وفات پر انتخاب کنندوں نے اسکے بیٹے کو اس خوف سے منتخب نہیں کیا، کہ

خاندانِ ہیپسبرگ ضرورت سے زیادہ قوی ہو جائیگا۔ چنانچہ اسکے بجائے آڈالف آف ناسو (۱۲۹۲-۱۲۹۸) کا انتخاب کیا، لیکن چونکہ اسنے بھی شہنشاہی کو گھٹاکر اپنی ذاتی املاک بڑھانے کی خاص کوشش شروع کردی، اسلئے امرانے اسکا بھی ساتھ چھوڑ دیا اور اُسے معزول کرکے رڈلف اوّل کے فرزند اَلبرکٹ اول (۱۲۹۸-۱۳۰۸) کو تخت نشین کیا

البرکٹ اوّل ۱۲۹۸-۱۳۰۸

جسنے اپنے باپ کی تقلید میں شہروں کو اپنا دوست بنائے رکھا تاکہ امرا کے مقابلے میں ان سے مدد ملے۔ اُسکا جانشین ہنری ہفتم آف لکسمبرگ (۱۳۰۸ء تا ۱۳۱۳ء) ہوا،

ہنری ہفتم (والیِ لکسمبرگ) ۱۳۰۸-۱۳۱۳

جسنے اپنے لڑکے کی شادی بوہمیا کی بیوہ ملکہ سے کرکے اس سلطنت کو اپنی نسل کے قبضے میں کرلیا۔ اپنے پیشرووں کے تجربوں سے فائدہ نہ اٹھاکر اسنے یہ غلطی کی کہ اس امید پر اٹلی کا رخ کیا، کہ وہاں جاکر نظم و نسق قائم کریگا اگرچہ اسکی تاجپوشی شہنشاہ، و فرمانروائے لومبارڈی، دونوں حیثیتوں سے عمل میں آئی لیکن پیا کے قریب دفعتہً اسکا انتقال ہوگیا اور وہ کوئی کام انجام نہ دیسکا۔ اب جانشینی میں جھگڑا پڑا۔

لڈوگ والیِ بویریا ۱۳۱۴-۱۳۴۷ فریڈرک (حسین)

لکسمبرگ والوں نے لڈوگ آف بویریا کو منتخب کیا، اور ہیپسبرگ کے خاندان والوں نے خود اپنے میں سے ایک شخص فریڈرک "حسین" کا انتخاب کیا آپس میں خانہ جنگی شروع ہوی جس میں لکسمبرگ والے کامیاب رہے، اور طے پایا کہ شہنشاہ لڈوگ رہے، لیکن فریڈرک اسکا جانشین ہو اور اس اثنا میں شاہِ روما کا لقب اسے

حاصل رہے - اور شہنشاہ کی غیبت میں نائب السلطنت کے فرائض بھی وہی انجام دے! لڈوگ اب اٹلی کو روانہ ہوا، لیکن وہاں جو ابتری و بدعملی پھیلی ہوئی تھی، اسے مطلق دور نہ کرسکا اور ایک دنیادار (یعنی سرگروہ رومن کمیون) کے ہاتھ سے اپنی تخت نشینی کی رسم اداکرکے پوپ کو اپنے سے ناخوش کردیا - جسکا نتیجہ یہ ہواکہ اس میں اور پوپ میں سخت کشمکش پیدا ہوگئی اور عالمگیر اقتدار کے متعلق شہنشاہ اور پوپ کی قدیم رقابت پھر عود کرآئی - پوپ نے لڈوگ کو معزول کردیا اور یہ دعوی کیاکہ جبتک دوسرا شہنشاہ منتخب ہو وہ خود شہنشاہ کا کام انجام دیگا لیکن اس موقع پر امرا نے مخالفت کی، اور (۱۳۳۸ء میں) بمقام رہنس جمع ہوکر انہوں نے یہ دعوی کیاکہ شہنشاہ کے انتخاب کا حق جائز صرف انہیں کو حاصل ہے اور انکا انتخاب پوپ کی منظوری کا بھی محتاج نہیں ہے -

رہنس -

لڈوگ نے اپنے باقی ایام حکومت اپنی ذاتی املاک کے اضافے کی کوشش میں بسر کی - اس سے انتخاب کنندہ اسکے مخالف ہوگئے، اور چارلس آف بوہمیا کو لڈوگ کے بالمقابل بادشاہی کے لئے منتخب کرکے لڈوگ کو اس سے جنگ میں مبتلا کردیا - جسکا خاتمہ (۱۳۴۷ء میں) لڈوگ کی زندگی کے ساتھ ہوا - اور اسکے بعد چارلس بالاتفاق اسکا جانشین تسلیم کرلیا گیا - بہ حیثیت شاہ بوہمیا اسنے خوب فرمانروائی کی - بریڈنبرگ سیلیسیا موریویا، وغیرہ متعدد نئے مقبوضات

چارلس چہارم
۱۳۴۷-۱۳۷۸ء

اس نے حاصل کیے۔ اپنے دارالسلطنت شہر پراگ سے اسے خاص الفت تھی، چنانچہ یہیں اس نے ۱۳۴۸ء میں سب سے پہلی جرمن یونیورسٹی کی بنا ڈالی، اور اپنے وقت کے بہترین نقاشوں کو اپنے پاس جمع کیا۔ ۱۳۵۶ء میں اسنے "گولڈن بُل فرمان زرین" (Golden Bull)

فرمانِ زرین۔ ۱۳۵۶

شائع کیا جس میں بادشاہ اور انتخاب کنندوں کے باہمی تعلقات منضبط کئے گئے۔ اسنے دوبار اٹلی کے سفر بھی کئے، مگر اہلِ اٹلی نے ہمیشہ اُسکا مضحکہ ہی کیا۔ کیونکہ وہ ایسے محقر شہنشاہ کی کچھ قدر و منزلت نہیں سمجھتے تھے۔ اسنے برگنڈی کا تاج اپنے سر پر رکھ کر، اسکے متعلق بھی شہنشاہی دعوے کی تجدید کی لیکن یہ نرا دعویٰ ہی دعویٰ رہا کیونکہ برگنڈی کے اسوقت تک ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بہت سی خود مختار امارتیں قائم ہوگئی تھیں، اور آخر میں فرانس کی روز افزوں سلطنت اسے ہضم کر جانیوالی تھی۔ اس کی وفات پر اسکا فرزند وینسزل (۱۳۷۸-۱۴۰۰ء) تخت نشین ہوا، مگر وہ اسدرجہ نالائق نکلا، کہ معزول کردیا گیا۔

سوئٹزرلینڈ کی اصل و ابتدا۔

چودھویں صدی میں قوم سوس نے اپنی آزادی کی محافظت کا تماشا دنیا کو دکھایا۔ سوئٹزرلینڈ کی ابتدائی تاریخ کا پتہ لگانے کے لئے ہمیں نسل ہوہنسٹافن کے آخری تاجدار کی جانب رجوع کرنا چاہیئے۔ فریڈرک دوم کے زمانے میں اُری، و شویز، کے دو صحرائی صوبوں کو فرمانِ شہنشاہی کے ذریعے سے کاؤنٹ ہیپسبرگ کی حکومی سے (جن کے اقطاع

ملک (جرمنی کے) اسی حصے یعنی جنوبی سویبیا میں واقع تھے) آزادی حاصل ہوچکی تھی، ۱۲۹۱ء میں ان دونوں صوبوں کے کچھ نمائندے انٹر والڈین کے بعض اشخاص سے ملے، جہاں ابتک ہیپسبرگ والوں کو حقوق مالکانہ حاصل تھے، اور انہوں نے باہم عہدوپیمان کئے، اور حلف اٹھائے، کہ اپنی آزادی پر حملہ کرنے والوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کا ساتھ دینگے۔ اسی دن سے سوس اتحاد کی بنیاد پڑی۔ ان سادہ و جفاکش کاشتکاروں، گوالوں، اور صحرائیوں میں ابتک نسل ٹیوٹن کی قدیم دلیری و جوانمردی باقی تھی، اور کوہستانی بود وباش اختیار کرنے کی وجہ سے یہ لوگ ابتک کبھی نظامِ جاگیرداری میں منسلک نہیں ہوے تھے، اور اب جبکہ اس نظام نے ان کی آزادی میں خلل ڈال کر انھیں پریشان کیا تو انہوں نے عہد کرلیا کہ اس جوے کو اپنے کندھے سے پھینک کر رہینگے۔ اگرچہ انہیں یہ معلوم ہوچکا تھا، کہ ان کے آقایانِ ہیپسبرگ، اب شہنشاہ ہوگئے ہیں، لیکن اس سے بھی ان کے عزم و استقلال میں مطلق فرق نہ آیا، بلکہ اب انہوں نے اپنے ہمسایوں کی زمینیں بھی دبانی شروع کردیں اس سے ہیپسبرگ والوں کا پیمانۂ صبر وتحمل لبریز ہوگیا، چنانچہ فریڈرک (حسین) کے بھائی لیوپو نے آسٹریا کے بہترین سپاہیوں کو لیکر ان کے ملک پر حملہ کردیا۔ مگر ۱۳۱۵ء میں بمقام مورگارٹن متحدین اچانک اس پر ٹوٹ پڑے اور عساکر شہنشاہی کو چند کاشتکاروں نے جو محض کلہاڑیوں اور برچھیوں سے مسلح تھے

کاٹ کر ڈال دیا۔ دنیا کے لیئے یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا، جو اس امر کی صاف علامت تھا، کہ اب شہسواروں کا زمانہ ختم ہوچکا ہے۔ متحدین کی یہ نمایاں فتح دیکھکر دوسرے صوبے والے بھی ان کے حلیف ہونے لگے، یہاں تک کہ اس صدی کے وسط تک، زوریخ و برن کو ملاکر آٹھ نو صوبے متحدین کے تحت میں آگئے۔ اس اتحاد کو ہیپسبرگ اور اسکے سویبیا کے جاگیردار حلیفوں سے عرصۂ دراز تک اپنی مدافعت میں لڑنا پڑا، یہانتک کہ ۱۳۸۶ء میں، جنگ سمپاخ میں متفقین کو ایک دوسرے لیوپولڈ پر جو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، اسنے ہمیشہ کے لیئے متحدین کو شہنشاہی دستبرد کی جانب سے مطمئن کردیا۔ یہ جنگ گویا جنگ مورگارٹن کا نقش ثانی تھا، جس میں کاشتکاروں اور بیرنوں کا مقابلہ تھا اور جس میں آرنلڈ آف ونکل ریڈ کا یہ واقعہ کہ جتنے نیزے اسکی گرفت میں آسکے سب کو اپنے سینے میں جگہ دیکر، سب سے پہلے اسنے دشمن کی صف کو توڑ دیا موثر ہونیکے ساتھ ہی اس امر کی صاف دلیل تھا، کہ شہسواری کا زمانہ ختم ہوگیا اور اب نئے معاشرتی نظم کی مردانگی و بسالت کا دور شروع ہو رہا ہے۔

ریوپرٹ ۱۴۰۰-۱۴۱۰
سگسمنڈ ۱۴۱۰-۱۴۳۷

شہنشاہ ریوپرٹ (۱۴۰۰-۱۴۱۰) کی وفات پر پھر انتخاب میں جھگڑا پڑا، لیکن آخر سگسمنڈ (۱۴۱۰-۱۴۳۷) ہی شہنشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ اسنے کلیسا میں اصلاحیں کرنے کا ارادہ کیا، اور اور اس غرض سے کانسٹینس میں ایک مجلس منعقد کی، جسنے اعتزال

و بیدینی کے الزام میں ہس کے متعلق زندہ جلا دیئے جانے کا فتویٰ دیا، اور ان تین پاپاؤں کو جو باہم جھگڑ رہے تھے، معزول کرکے ان کے بجائے مارٹن پنجم کا انتخاب کیا اور اس طرح اختلاف کا خاتمہ کیا۔ ۱۴۱۵ء میں سگسمنڈ نے فریڈرک ہوہن زولرن کے احسان سے سبکدوش ہونے کے لئے اسے برینڈبرگ کا صوبہ عطا کردیا۔ فریڈرک نے اپنی عاقلانہ حکومت سے یہاں دوبارہ امن وامان قائم کیا اور ملک کو اپنے قابو میں کرلیا۔ اسکے اخلاف کی قوت اور ان کے مقبوضات برابر ترقی کرتے گئے تاآنکہ ۱۷۰۱ء میں یہ صوبہ پروشیا کی سلطنت بن گیا، جو اسوقت جرمنی میں سب سے زیادہ مقتدر سلطنت ہے۔

بوہیمیا کی بغاوت

ہس کے زندہ جلا دینے سے بوہیمیا میں ایک قومی بغاوت پیدا ہوگئی اس ملک میں قوم سلاف آباد تھی، لیکن اکثر باشندے جرمن بھی تھے۔ ان دونوں قوموں میں باہم سخت اختلافات رہا کرتے تھے، لیکن جب بوہیمیا والوں نے دیکھا، کہ ان کے سردارِ قوم ہس کو شہنشاہ نے زندہ جلادیا ہے، تو انکی آتشِ غضب سخت مشتعل ہوگئی، اور ۱۴۱۹ء میں جب سگسمنڈ جائز طور پر بوہیمیا کا بادشاہ ہوا، تو ان لوگوں نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا اس سے ایک سخت خانہ جنگی برپا ہوگئی، پہلے پیروان ہس ہی کامیاب ہوتے رہے لیکن کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں میں مذہبی و معاشرتی اختلافات شروع ہوگئے، تو

بوہمیا کی قدامت پسند جماعت ان انتہائی تغیرات سے خائف ہوگئی جو انتہا پسند عمل میں لانا چاہتے تھے اور اس نے شہنشاہ سے مصالحت کرلی اور قیام امن میں اسے مدد دی۔

البرکٹ دوم ۱۴۳۸ - ۱۴۳۹

سگسمنڈ کے جانشین اور داماد البرکٹ دوم (۱۴۳۸ - ۱۴۳۹) کا مختصر عہدِ حکومت خاندانِ ہیپسبرگ کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے، اس لئے کہ اسی زمانے میں تاجِ شہنشاہی ازسرِنو اس خاندان کے قبضے میں آیا، اور اسی نے اپنے قلمرو کے ان تمام مقبوضات کو متحد کرلیا، جو اسوقت سے ابتک بدستور اسی خاندان کی ملک چلے آتے ہیں۔ آسٹریا، اسٹریا، کارنیولا، ٹرول، بوہمیا، ہنگری کی امالاتِ ڈیوک سب اسکے تحتِ حکومت میں تھیں۔ اسکے بعد اسکا بھتیجا فریڈرک سوم (۱۴۴۰ - ۱۴۹۳) تخت نشین ہوا مگر اسکا عہدِ حکومت مسلسل غلطیوں سے بھرا ہوا تھا، یہاں تک کہ بوہمیا وہنگری اس کے ہاتھ سے نکل گئے، اور ۱۵۲۶ء تک پھر اہل ہیپسبرگ کے قبضے میں نہ آئے۔

خاندان ہیپسبرگ کا برگنڈی و اسپین پر قابض ہوجانا

فریڈرک کے خاندان کی ایک نمایاں وغیر متوقعہ خوش قسمتی جسنے اسکی عظمت کو چار چاند لگادئے، یہ تھی کہ ڈیوک برگنڈی کی ریاست کا بہت بڑا حصہ اسکی زیرِ حکومت آگیا۔ پندرھویں صدی میں فرانس کے خاندان شاہی کی ایک شاخ نے اپنی برگنڈی کی جاگیر میں رفتہ رفتہ تمام ندرلینڈز کا بھی الحاق کرلیا تھا،

اور چارلس "دلیر" ڈیوک برگنڈی (۱۴۶۷ء تا ۱۴۷۷ء) اسوقت یورپ کا ایک نہایت زبردست فرماں روا شمار ہوتا تھا، اسکے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی، کہ فرانس و جرمنی کے درمیان ایک وسیع حکومت قائم کرلے جو دونوں سے آزاد ہو اس مقصد کے حصول میں اہل سوئیزرلینڈ اسکے سنگِ راہ ثابت ہوئے، مگر ان کا ملک اپنے موقع کے لحاظ سے اس کے حصول مقصد کے لیئے خاص طور پر موزوں واقع ہوا تھا، اسلیئے اسنے یہ تہیّہ کرلیا، کہ اس کے ملک کو مسخر کرلے۔ لیکن بہادر پہاڑیوں نے اس شدّت سے ساتھ مدافعت کی، کہ حملہ آوروں کو نہ صرف گرینس و مورانٹ میں ۱۴۷۶ء میں ناکامی ہوئی، بلکہ ان کی پوری فوج ۱۴۷۷ء میں بمقام نینسی برباد ہوگئی، اور خود چارلس میدانِ جنگ میں کام آگیا۔ اسکے وارثوں میں اب صرف ایک لڑکی میری باقی تھی، لوئس نہم شاہ فرانس نے موقع پاکر فوراً ہی خاص ریاست برگنڈی کو (جو شاہی جاگیر تھی) اس عذر پر اپنے ملک میں شامل کرلیا، کہ اسکا کوئی جائز وارث موجود نہیں ہے، اس کی نیت تو اور بھی بہت سا ملک دبا لینے کی تھی، لیکن ۱۴۷۷ء میں فریڈرک نے بعجلت تمام اپنے فرزند میکسیمیلین کی شادی میری سے کرکے باقی ملک کے لیئے ایک جائز وارث مہیا کردیا۔ اور اسطرح اس کمزور بادشاہ کے عہد میں بھی خاندانِ آسٹریا کے حدودِ مملکت کی توسیع نہیں رکی۔ چند سال بعد (۱۵۱۶ء میں)، اسی طرح کے عقد کا ایک اور موقع مل گیا، یعنی میکسیمیلین کے فرزند فلپ کی شادی شہزادی جون، کے ساتھ

ہوگئی جو فرڈیننڈ وازابیلا کی وارث تھی اور اس سے اسپین کا وسیع ملک بھی اسی خاندان کے قبضہ میں آگیا، فلپ و جون کا فرزند چارلس وہی ہے، جو آگے چلکر شہنشاہ چارلس پنجم (۱۵۱۹ء تا ۱۵۵۵ء) کے نام سے مشہور ہوا اور جو مغرب میں ازسرِنو شہنشاہی کے قائم کرنے کا خواب دیکھتا تھا۔

شہنشاہی کا مستقل انحطاط

اگرچہ پندرھویں صدی میں خاندان ہیپسبرگ کا تمام یورپ کے نہایت طاقتور خاندانوں میں ہوتا رہا مگر انکی اس قوت و عظمت سے نفسِ شہنشاہی کو کوئی نفع نہیں پہنچا۔ شہنشاہی میں جو ضعف و انحطاط بارھویں صدی ہی سے پیدا ہوگیا تھا، وہ برابر بڑھتا رہا، اور آئندہ بھی برابر اس انحطاط کا سلسلہ جاری رہنے والا تھا۔ اسکے عالمگیر ارادے سب ایک ایک کرکے پست ہوگئے اور اب وہ صرف جرمنی کی قومی حکومت میں محدود ہوکر رہ گئے تھے، لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہاں بھی اسکا اقتدار زائل ہوچکا تھا، اور گو اسکا وجود کسی نہ کسی طرح انیسویں صدی کے اوائل (یعنی ۱۸۰۶ء) تک قائم رہا، تاہم وہ بالکل ایک جسدِ بے روح تھی۔ جرمنی کی مرکزی حکومت محض برائے نام رہ گئی تھی اور ازمنۂ جدیدہ میں جرمنی کی قوت و تہذیب کو جو کچھ بھی سیاسی اہمیت حاصل تھی، وہ در اصل اسکے متفرق صوبوں اور شہروں کی مقامی حکومتوں میں تھی۔

اب ایک نہایت اجمالی و سرسری نظر ان ممالک پر بھی ڈالنی چاہیئے، جنکو قرونِ وسطیٰ میں اگرچہ کوئی خاص اہمیت

نہیں حاصل تھی، تاہم ارتقاء سیاسی میں انکا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور شامل رہا۔

اسپین

اسپین کے شمالی حصے میں چند ریاستیں رفتہ رفتہ عالم وجود میں آگئیں، مثلاً لیون کیسٹائل، آراگون، نیویر، وغیرہ۔ تقریباً ۱۰۰۰ء میں لیون و کیسٹائل متحد ہو گئے، اور ایک صدی بعد کیٹلوں کو اراگان ہضم کرگیا۔ ۱۰۳۱ء میں جب خلافتِ امویہ کا خاتمہ ہوا، اسوقت چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے قطع نظر کرکے پانچ بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوگئیں، یعنی۔ طلیطلہ، اشبیلیہ، قرطبہ، سرقوسہ، و بطلیوس ان میں اور شمال کی مسیحی ریاستوں میں ہمیشہ معرکہ آرائی رہا کرتی تھی، جس میں روز بروز مسیحیوں کو کامیابی ہوتی جاتی تھی، تا آنکہ تیرھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے اسپین کے جنوب مشرقی حصے یعنی غرناطہ کے

سقوطِ غرناطہ ۱۴۹۲

سوا اور کل حکومتیں مسیحیوں کے قبضے میں آگئیں غرناطہ مسلمانوں کے پاس ۱۴۹۲ء تک رہا، اسکے بعد فرڈیننڈ، و ازابیلا نے اسے بھی مسخر کرلیا۔

کیسٹائل و اراگان کا اتحاد۔

اس اثنا میں کیسٹائل و اراگان کی حکومتیں سب سے زیادہ قوی و زبردست ہوگئیں اور انھوں نے باقی تمام ریاستوں کو اپنے میں ضم کرلیا، تیرھویں صدی کے آخر میں سسلی و سارڈینیا بھی اراگان میں شامل ہو گئے، ۱۴۶۹ء میں اراگان کے والی فرڈیننڈ نے کیسٹائل کی ملکہ ازابیلا سے شادی کرلی جس سے اسپین کی ان دونوں سربرآوردہ حکومتوں کا اتحاد کامل ہوگیا۔ اور اس طرح

جلد تر اسپین کے پورے ملک کے اتحاد کے مکمل ہو جانے سے اسکا شمار یورپ کے دول عظمیٰ میں ہونے لگا۔

پرتگال۔

۱۰۹۵ء میں جب شاہ الفانسو نے پرتگال کا علاقہ اپنے داماد ہنری والیِ برگنڈی کو دیا ہے، تو اسوقت وہ صرف ایک چھوٹا سا علاقہ تھا جو دریائے ڈورو اور منہو کے درمیانی قطعاتِ زمین پر مشتمل تھا۔ ۱۱۳۹ء میں جب کاؤنٹ نے مسلمانوں پر ایک فتحِ عظیم حاصل کی تو وہ بادشاہ بنا دیا گیا اور اسوقت سے اس سے اور مسلمانوں سے مزید مقبوضات کے لئے برابر معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ تقریباً سو برس میں یہ سلطنت اپنے موجودہ حدود تک وسیع ہوگئی۔

ہالینڈ و بلجیم

دریائے رائن کے دہانے کے قریب جو ممالک تھے، یعنی ہالینڈ و بلجیم، انہیں کامل طور پر آزادی و قومی خود مختاری حاصل کرنے میں بہت عرصہ لگا۔

ابتداءً یہ قطعہ کارل اعظم کی مملکت کا جزو تھا، اور ۸۴۳ء کی تقسیم (وردن) کے روسے لوتھر کے حصے میں پڑا تھا۔ لوتھیرنجیا کے نام سے جو طولانی چٹ، رائن کے مغرب میں باسل سے بحرِ شمال تک چلی گئی تھی اسکو بالائی و زیریں دو حصوں میں تقسیم کردیا تھا جس میں سے آخری حصے کے تحت میں دریائے موسل کے شمال کا پورا قطعہ یعنی تقریباً موجودہ بلجیم و ہالینڈ شامل تھا کہ نظامِ جاگیرداری کے میلان کے موافق لوتھیرنجیا کا تجزیہ مختلف جاگیروں میں ہوگیا، جن میں سے اکثر نے اپنے تئیں بیرونی مداخلت سے تقریباً آزاد کرلیا

ان جاگیرانہ امارتوں میں نامر، ہینالٹ، لکسمبرگ، ہالینڈ، گلدرلینڈ وغیرہ کے علاقے، اور اسقفی مستقروں میں لیئر، کریمبری، واٹرکٹ مذہبی ریاستیں اور برینبٹ و لمبرگ کی امارات ڈیوک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے مغرب میں فلینڈرز کا صوبہ تھا، جس نے فرانس کی ماتحتی سے آزاد ہوکر اپنے تئیں گویا خود مختار کرلیا تھا۔ اس تمام علاقے میں شہروں کا نشو ونما وارتقاء خاص طور پر نمایاں تھا، انکے باشندے خوشحال ہوگئے اور قومی انقلابات میں انہوں نے بہت جلد حصّہ لیا۔ وہ بالطبع فرانس و جرمنی دونوں کے اثر سے بالکل آزاد رہنا چاہتے تھے، اور ان کے ملک کا موقع ایسا تھا، کہ دباؤ ان پر دونوں سلطنتوں کا پڑتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جنگ صدسالہ میں انہوں نے انگلستان کا ساتھ دیا۔ تہذیب و تمدن میں انہوں نے بہت جلد ترقی کی، اور اسی زمانے میں انہوں نے اس قوت کی بنیاد ڈال دی جسے سولھویں صدی میں اور ترقی دیکر وہ اسپین کے ساتھ عظیم الشان معرکے میں کام میں لائے۔

چودھویں صدی کے اواخر اور پندرھویں کے اوائل میں فرانیسی امرائے برگنڈی نے کہیں شادی اور کہیں جنگ کے ذریعے سے ان تمام چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں کو مسخر کرلیا، جو باہم خانہ جنگیوں سے خود اپنے تئیں پہلے ہی کمزور بنا چکی تھیں۔ "چارلس" "دلیر" کی دختر میری آف برگنڈی کی شادی میکسیمیلین آف آسٹریا کے ساتھ ہوجانے سے ۱۴۷۷ء میں ندرلینڈز پر بھی خاندان ہیپسبرگ کا تسلط ہوگیا۔

ڈنمارک، ناروے وسویڈن۔ | شمالیوں کی فتوحات اور انکی بستیوں کا

ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ نویں اور دسویں صدی میں ڈنمارک ایک سلطنت
میں متحد ہوگیا، اور ایک زمانے کے معقول عروج کے بعد زوال کا زمانہ
پیش آیا۔ سویڈن بھی انھیں صدیوں میں ایک مستقل سلطنت بن گیا
اور ۱۰۰۰ء تک مسیحیت کے قدم یہاں مستقل طور پر جم گئے۔
ناروے کو ایک متحد سلطنت بننے کا مرتبہ ۱۰۰۰ء تک حاصل نہ ہوا
کئی صدیوں تک ان ممالک کی تاریخ خونریزیوں اور خانہ جنگیوں
کی ایک مسلسل داستان ہے، تا آنکہ ۱۳۹۷ء میں معاہدہ کلمر کے
ذریعے سے ان میں اتحاد قائم ہوا۔ جسکے بموجب گو بظاہر یہ تینوں
ممالک ہمرتبہ قرار پائے، تاہم عملاً افضلیت ڈنمارک کو حاصل رہی
اور وہ بقیہ دونوں سلطنتوں پر حاوی رہا۔ سویڈن نے بار بار
انقلاب پیدا کرکے حصولِ آزادی کی کوشش کی، مگر اسے کامیابی
نہیں ہوی یہانتک کہ ۱۵۲۳ء میں گسٹیوس واسا کے وقت میں آزاد
ہوگیا۔ ناروے، البتہ ۱۸۱۴ء تک ڈنمارک سے ملحق رہا۔

ہنگری۔ ۹۵۵ء میں دریائے لک پر شہنشاہ آٹو اول کو ہنگری
اہلِ ہنگری پر جو فتح حاصل ہوی، اسنے ان کے
مغربی حملوں کا خاتمہ کردیا۔ دسویں صدی میں جرمنی و قسطنطنیہ کے
راستے سے مسیحیت کا قدم اس قوم کے درمیان آیا۔ ۱۲۴۱ء سے ملک
پر مغلوں کی یورش ہوتی رہی، جس سے اسے سخت نقصان پہنچا۔
لیکن تاراج شدہ اقطاع کو جرمن قوم نے پھر آباد کرلیا۔ ۱۳۰۱ء تک
خاندانِ اسٹیفن (یعنی سلسلہ ارپاڈ) فرمانروا رہا، اسکے بعد اس نسل کے
منقطع ہو جانے پر تاج چارلس آف آنجو کے فرانسیسی خاندان کے

ایک شخص کو حاصل ہوگیا، جو اسوقت تک سسلی و نیپلز کا بادشاہ بن چکا تھا۔ ۱۳۰۱ء میں اسکی نسل کے انقطاع پر تقریباً ایک صدی تک تخت و تاج معرض جنگ میں رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ملک ان خانہ جنگیوں سے بالکل کمزور ہوکر ترکوں کے حملے میں زیر ہوگیا۔ ۱۵۲۶ء میں سلیمان ثانی نے معرکۂ مُہاکس میں ہنگری کی فوج کو تباہ کردیا، اور اس ملک کے ایک بڑے حصے پر قابض ہوگیا اور تقریباً ڈیڑھ سو برس تک ترک اسپر حکمراں رہے، جو حصۂ ملک ترکوں کے قبضے سے بچ رہا تھا، وہ خاندانِ ہیپسبرگ کے قبضے میں آکر آسٹریا سے ملحق ہوگیا، مگر ایک حد تک اسے برابر خود مختاری حاصل رہی۔

پولینڈ۔ آٹو اول نے اشاعتِ مسیحیت کی جو کوششیں کیں، کچھ ان کے اقتضا سے، اور کچھ مشرق میں جرمنی کے اثر کے وسعت دینے کے خیال سے میجبرگ کے اسقفِ اعظم کی ماتحتی میں متعدد اسقفیاں مرسبرگ، زائیٹز، مایسن، ہیولبرگ، بریننڈنبرگ وغیرہ میں قائم کی گئیں اور یہاں کے اساقفہ قوم سلاف کے لئے مبلغین کا کام دینے لگے۔ اب قوم پول کے درمیان جرمن اثرات سے مسیحیت برابر ترقی کررہی تھی لیکن جب ۱۰۰۰ء میں براہِ راست پوپ کے ماتحت گنیسن میں ایک اسقفِ اعظم کا تقرر ہوگیا، تو اس سے اس قوم میں جرمنیت کا زور کم ہوگیا اسی سے پولوں میں ایک علیحدہ و مستقل نظامِ مذہبی کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی انکی قومیت بھی برقرار رہگئی۔ گیارھویں صدی میں پولینڈ کا اطلاق

دریائے دار تھے کے دونوں اطراف کے اقطاع پر ہوتا تھا۔ آئندہ صدی میں پومیرینیا مسخر ہوا اور اسطرح پولینڈ کے حدود ساحلِ بحر تک وسیع ہوگئے، پھر پولینڈ کی ایک شہزادی کے ساتھ شہزادۂ جاگیلو آف لیتھونیا کی شادی ہوجانے سے پولینڈ کے حدود میں دریائے نیپر و نیسٹر کے درمیانی اقطاع کا بھی اضافہ ہوگیا۔ اسکے بعد جب جرمن سلسلے پر بعض کامیابیاں حاصل ہوئیں تو شمال میں اسکے حدود اور وسیع ہوگئے اور بحرِ بالٹک سے لیکر بحرِ اسود تک پولینڈ کی حکومت میں آگیا۔ قرونِ وسطیٰ کے خاتمے پر پولینڈ کا ملک ایک زبردست سلطنت معلوم ہوتا تھا، جسکے مستقبل سے بہت کچھ توقعات ہوسکتی تھیں۔ لیکن سارا اقتدار امرا کے ہاتھ میں تھا، عام رعایا سخت سے سخت مظالم کا شکار ہورہی تھی، اور بعض اور ایسی قوتیں کام کررہی تھیں جن سے سلطنت کی عظمت کا مٹ جانا لازمی تھا۔

اہلِ شمال روس میں

نودگراڈ وکیف میں شمالیوں نے جو اپنی آبادی قائم کی اور اپنے خاندان کی حکومت وہاں جمائی اس کا ذکر اوپر گزرچکا ہے۔ انکی یہ بستیاں تقریباً ۱۰۰۰ء تک متحد رہیں اور اسکے بعد قسطنطنیہ کے اثر سے مسیحی ہوگئیں۔ مغلوں نے اپنا تسلط بحرِ اسود کے شمال میں جمایا، اور روس کی تمام امارتوں کو خراج دینے پر مجبور کردیا۔ پندرھویں صدی کے آخر تک روس کا ایک بڑا حصّہ ان کا مطیع و منقاد رہا، تاآنکہ آئیون سوم نے اس جوے کو کندھے سے پھینکدیا۔ اس نے باقی آزاد امارتوں کو بھی زیر کرلیا اور غالباً یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اپنے کو شہنشاہِ قسطنطنیہ کا

آئندہ جانشین سمجھتا ہے اس نے اپنا لقب "زار" اختیار کیا آئندہ صدیوں میں روس کو جو عظمت حاصل ہوئی، اسکا سنگِ بنیاد اسی نے رکھا تھا۔

یونانی شہنشاہی

یونانی شہنشاہی مسلمانوں سے مسلسل برسرِ پیکار تھی، جیساکہ اوپر گزر چکا ہے، سلجوق ترکوں نے ان کے تمام ایشیائی مقبوضات کو فتح کرلیا تھا، اور ان کو ایشیائے کوچک سے نکالنے کے متعلق محارباتِ صلیبی کی تمام جدوجہد کے باوجود بھی اس کے ایک حصّے پر وہ مضبوطی کے ساتھ جمے رہے۔ چودھویں صدی کے وسط میں عثمانی ترکوں نے وسطِ ایشیا سے آکر اپنی شاندار فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور برابر یونانی شہنشاہی کو دبانے چلے گئے جزیرہ نمائے بلقان کو مسخر کرلیا اور اپنا دائرۂ اثر ڈینیوب کے شمال تک بڑھا لیگئے۔ ۱۴۵۳ء میں سقوطِ قسطنطنیہ نے بازنطینی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ عین اس زمانے میں جبکہ اسپین سے اسلام اخراج ہو رہا تھا، بلقان میں اسکا قدم مضبوطی کے ساتھ جم رہا تھا، اس محل و موقع سے وہ اب بھی اس قابل تھا کہ یورپ کی بعض مسیحی سلطنتوں کے لئے خطرے کا باعث بنا رہے۔

باب (۱۷)

نشاۃ جدیدہ کے مذہبی و علمی خصائص

ازمنۂ وسطیٰ کے مخصوص خیالات

زیر بحث زمانہ جسے غلطی سے قرونِ مظلمہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، تہذیب و تمدن سے بالکل معرا نہیں تھا بلکہ اُس کا ایک خاص تمدن تھا، سیاسی حیثیت سے عالمگیر شہنشاہی کا خیال تمام خیالات پر حاوی تھا۔ جب تیرھویں صدی میں رومی شہنشاہی کا خاتمہ ہوگیا اسوقت مختلف قومیں اور متفرق سلطنتیں اپنی اپنی جگہ پر نشو و نما حاصل کرنے لگیں۔ مذہبی حیثیت سے عالمگیر کلیسا کا خیال ہر طرف مسلط تھا اور پوپ اس کا سرپرست سمجھا جاتا، اس دور کے علمی و ذہنی حالت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کلیسا نے رومی تمدن کے جو آثار محفوظ رکھے تھے انہیں جرمنوں کی پُرزور و نیم وحشی قوم یوماً فیوماً اخذ و اختیار کرتی جاتی تھی۔ کلیسا چونکہ مذہبی و علمی دونوں حیثیتوں کا جامع تھا اس لئے ازمنۂ وسطیٰ کے تمام تنظیمات میں اس کی طاقت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔

ازمنۂ وسطیٰ میں بہت سی شاخہائے علم و عمل میں مفید اضافے ہو رہے تھے۔

ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ میں انسانی دماغ بالکل معطّل نہیں تھا۔ کارل اعظم نے بہت سے مدرسے جاری کئے، بارھویں صدی کے قریب زمانے میں متعدد دارالعلوم قائم ہوئے، لاطینی علم ادب، تذکرے، سیر، تواریخ، مناظرے اور مذہبی تحریریں برابر شائع ہوتی رہیں فلسفے کے دو متضاد طریقے ''اسمئین و وجودئین'' ظہور میں آئے جن میں سے ہر ایک فرقے کی ایسی تحریریں موجود ہیں جن سے ان کی دقّتِ نظر و حدّتِ ذہن کا پتہ چلتا ہے۔ فقہی مسائل کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ برنرڈ (کلیرو و)، اکھارٹ، ٹامس (کمپسن) سے مشاہیر نے مذہبی کتابیں لکھیں، جن میں کمپسن کی کتاب ''اتباع مسیح'' خاص طور پر مشہور اور صوفی مشرب لوگوں میں ابتک مقبول ہے۔ امرا کی طرزِ معاشرت کی ایک ہی مرتب و منضبط صورت قائم تھی ''نظام شوبلری'' (سپہگری) اس کا بہترین نمونہ ہے، جس کا منتہائے خیال یہ تھا کہ ایک عیسائی کو فنِ سپہگری میں کیسا کامل ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی مذہب، حُسن وعشق، جنگ و جدل، عجائب و غرائب سے بھی امرا کو خاصی دلچسپی تھی۔ مطربوں کو بھی ہر جگہ قبولِ عام حاصل تھا۔ اور شمالی فرانس، جرمنی و جنوب میں وہ مختلف ناموں سے موسوم تھے، عاشقانہ شاعری اور بالخصوص قومی و مذہبی رزمیہ نظمیں کثرت سے لکھی جا رہی تھیں جن میں سے چند کے نام

درج ذیل ہیں۔

(۱) نغمۂ رولینڈ۔ Song of Roland

(۲) نبیلنجن محبوس۔ Nibe lingen Lied

(۳) افسانہائے شاہ آرتھر و میز مدور } Tales of King Arthur And the Round Table

(۴) افسانہائے کنٹربری مصنفہ چاسر } Canterbury Tales

(۵) افسانہائے متعلقہ کارل اعظم } Tales about Karl the Great

(۶) سکندر اعظم Alexander the Great

(۷) جام مقدس Holy Grail

(۸) مذہبی فسانۂ مسرت مصنفہ ڈینٹی Divine Comddy of Daute

تعمیرات کے دو خاص طرز رائج تھے ۔ ۱۱۵۰ء تک رومی طرز کو فروغ حاصل رہا۔ اس کے بعد ۱۱۲۵ء سے ۱۵۰۰ء تک گاتھی طرز کا دور دورہ رہا۔ انہیں دونوں طرزوں کے موافق بڑے بڑے عالیشان کلیسا، قصر و ایوان اور محل تیار ہوئے۔ زیب و زینت کی صنعتوں میں لکڑی پر نقاشی، شیشہ گری، سنگ تراشی، تصویر کشی کو رونق خاص حاصل تھی، عمارت مذہبی کے نقش و نگار میں گیوٹو سب سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔ شہروں میں نئی زندگی، تجارت میں ترقی اور عوام میں دولت و ثروت اور حریت سیاسی کے آثار پیدا ہو چلے تھے۔ تعمیرات کا شوق، ادبیات کا ذوق، فنون لطیفہ و

صنائع مفیدہ کا میلان روبہ ترقی تھا، ادبیات میں افسانوں کا لکھنا، حضرت عیسیٰؑ واکابر مذہب کی زندگیوں کے حالات، تماشے کے ذریعے سے دکھانا اور اعلیٰ درجے کے نغمے مرتب کرنا، خصوصیت سے داخل تھا۔ اُن میں سے اکثر چیزیں ایسی ہیں جن کی مدح و ستائش میں ہم لوگ اب تک رطب اللسان ہیں۔ اگر ان باتوں سے بھی ازمنۂ وسطیٰ کی دماغی زندگی کا ثبوت نہیں ملتا تو پھر اس کے ثبوت میں اور کونسی شہادت پیش کی جا سکتی ہے۔

نشأۃ جدیدہ وسیع معنی میں نشأۃ جدیدہ اس تمدّن کا نام ہے جس نے لوگوں کے دلوں سے سلطنت، معاشرت، فطرت، علوم و فنون اور فلسفے کے متعلق ان خیالات کو محو کر دیا جو ازمنۂ وسطیٰ میں قائم تھے۔ ہزار برس کی کس مپرسی و گمنامی کے بعد یونان و روما کے قدیم علوم پھر روشناس عالم ہو رہے تھے۔ اور ان علوم نے دلوں پر اس درجے تسلّط کر لیا تھا کہ ایک انقلاب سا پیدا ہو گیا تھا۔ ازمنۂ وسطیٰ کے تنگ و محدود خیالات رفتار زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہو چکے تھے۔ پس جب چودھویں اور پندرھویں صدی میں قدیم زمانے کے علوم و فنون کے خزانوں کا انکشاف ہونے لگا تو معاً یہ ولولہ پیدا ہو گیا کہ ویسی ہی آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہئے جس نے ازمنۂ قدیمہ کو اس درجے خوش و خرّم و دلفریب بنا دیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ دفعتہً واحدۃً تمام گزشتہ حالات و خیالات کو ترک کر دیا جائے۔ اس لیئے بالطبع یہ ہوا کہ قدیم خیالات نے ازمنۂ وسطیٰ کے حالات و خیالات سے

ملکر ایک خاص ہیئت اختیار کر لی جسے نشاۃٔ جدیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نشاۃ جدیدہ کی ابتدا اطالیہ میں ہوئی۔

نشاۃٔ جدیدہ کی ابتدا اور اس کی انتہائی ترقی دونوں اطالیہ میں ہوئی اور وہیں سے یورپ کے تمام ملکوں میں اس تحریک کی اشاعت ہوئی، اس قسم کی تحریک کے لئے اطالیہ کے حالات تمام جگہوں کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ موزوں تھی۔ اطالیہ میں رومی تہذیب و تمدن کا اثر سب جگہوں سے زیادہ موجود تھا، خود روما اپنی تمام یادگار اور اپنی کثیر روایات کے ساتھ اطالیہ ہی میں واقع تھا، لاطینی زبان اگرچہ روزمرہ کے استعمال اور ضروریاتِ وقت کے لحاظ سے بہت کچھ بدل گئی تھی اور لاطینی کے بجائے اطالوی بنتی جاتی تھی پھر بھی اس میں یہ قوت باقی تھی کہ وہ روما کے مجتمع علوم و فنون کو قائم رکھ سکے اور اسے اطالوی قوم کی طرف منتقل کر سکے۔ اطالیہ میں شہنشاہی کا اثر تمام جگہوں سے زیادہ کمزور تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہاں جاگیری طریقے نے کبھی مضبوطی کے ساتھ جڑ نہ پکڑی۔ شہری آزادی حاصل کرنے میں اطالیہ کے شہر سب میں آگے بڑھے ہوئے تھے، علاوہ اور اسباب کے ان شہروں کے محلِ وقوع بھی ایسے تھے کہ وہ ذہنی تحریک کے پیدا ہونے کے لئے بساموزوں تھے اور ایک مدت تک تہذیب و تمدن میں انہیں شہروں نے تمام دنیا کی رہبری کی۔

تہذیب نشاۃ جدیدہ (برکھارٹ کی تصنیف دیکھنا چاہئے)

پس تہذیب و تمدّن کی یہ تحریک جو نشاۃِ جدیدہ کے نام سے مشہور ہے، اور جس کی ابتدا اطالیہ میں ہوئی تھی ایک بہت ہی پیچیدہ شے ہے۔ اس امر کا ملحوظ رکھنا بسا ضروری ہے کہ اس نشاۃِ جدیدہ نے انسان کے جملہ خیالات و تعلقاتِ زندگی پر اثر ڈالا تھا اس نے خاندان اور نظامِ معاشرت کے اندر انسان کے درجہ و منزلت کو بدل دیا تھا، سلطنت کے متعلق خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا تھا، ذہنی حدِ نظر کو وسعت دیکر دلوں میں علم کا ایک شوق موجزن کر دیا۔ اخلاقی آزادی کا ذوق بڑھا دیا اور قوائے ظاہری و باطنی اور دنیا کی پاکیزہ چیزوں سے تمتّع حاصل کرنے کے خیال کو بہت ترقی دیدی بلکہ کہنا چاہئے کہ خود یہ خیال پیدا کر دیا۔ نشاۃِ جدیدہ کے چند اہم خیالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

نشاۃِ جدیدہ نے نظریۂ سیاسی کو بدل دیا۔

ازمنۂ وسطیٰ کے نظریۂ سیاسی کا ماحصل یہ تھا کہ لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ خدا نے حکم دیدیا ہے کہ تمام دنیا پر شہنشاہ حکمراں ہو اور بادشاہ، امراء اور دوسرے عالی مرتبہ اشخاص اس کے تابع فرمان رہیں۔ حکومت کی اس شہنشاہی ہیئت کے متعلق جب یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ خدا کی مقرر کردہ ہے تو پھر اِس میں چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ازمنۂ وسطیٰ میں کوئی شخص کبھی بھول کر بھی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ

حکومت کی یہ صورت واقعی مفید بھی ہے یا نہیں اور آیا کوئی دوسری صورت اس سے بہتر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ نشاۃِ جدیدہ نے اس سیاسی خیال میں ایک اصولی تغیر پیدا کر دیا۔ اب یہ خیال رائج ہو چلا کہ حکومت" انتظام مملکت کے لئے قائم ہوتی ہے اور اس لئے حکومت کی بہترین صورت وہی ہے جس میں انتظام سب سے بہتر ہو سکے۔ یہیں سے یہ بحث پیدا ہوئی کہ حکومت کے اغراض کیا ہیں اور ان اغراض کے حاصل کرنے کا موزوں ترین ذریعہ کیا ہے۔

جس علم کو سیاسیات کہتے ہیں اس کی ابتدا نشاۃِ جدیدہ کی اسی بحث سے ہوئی۔ لوگ یہ یقین کرنے لگے کہ حکومت کی کوئی خاص شکل خدا کی مقرر کردہ نہیں ہے بلکہ انسان کی بنائی ہوئی ہے اور اس لئے انسان کو یہ حق ہے کہ جس قسم کی حکومت کے تحت میں وہ رہنا چاہے ویسی ہی حکومت قائم کر لے۔ انہیں نئے خیالات کے زیر اثر میکیولی نے "دی پرنس" (حکمران The Prince) کے نام سے ایک دلچسپ کتاب لکھی اور اس میں حکومت کی عملی کارروائیوں سے بحث کی۔ انگلستان میں سر ٹامس مور نے اپنی مشہور زمانہ کتاب الوٹپیا (سلطنت لامقام) لکھی جس میں اس نے یہ دکھایا کہ ایک اتم و اکمل سلطنت کیسی ہونا چاہئے۔

نشاۃِ جدیدہ نے قدامت سے پھر دلچسپی

دوسری نظر سے دیکھا جائے تو یہ کہنا چاہئے کہ نشاۃ جدیدہ نے قدامت پسندی کی حمایت میں ازمنۂ وسطیٰ کا طبقہ الٹ دیا۔ ازمنۂ وسطیٰ زہد و رہبانیت کا

پیدا کردی۔ | زمانہ تھا، لوگ اس عالم کو عیش و عشرت کا مقام نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ عالم صرف اس لئے ہے کہ یہاں رہکر زادِ آخرت جمع کر لیا جائے۔ راہب ہو جانا اوجِ کمال پر پہنچ جانا تھا۔ حُسن و لطافت کے میدان میں صرف اخلاقی و مذہبی خوبی کی قدر تھی۔ مصوّر صرف عبّاد و زہّاد کی تصویریں بناتے تھے۔ ازمنۂ وسطیٰ کے لوگوں کو یونانیوں کی حرّیت، حُسن پرستی اور عیش و طرب کی کچھ خبر نہ تھی۔ لیکن جب علومِ قدیمہ کے معلومات نے وسعت حاصل کی تو آنکھیں کھلیں لوگ دیوانہ وار اس کوشش میں لگ گئے کہ اس زمانے کو واپس لانا چاہئے۔ لاطینی و یونانی زبان کے حصول کا ذوق و شوق انتہا کو پہنچ گیا، اور ہر طرف پرانے مُصنفین کے ایسے قلمی مسودات کی تلاش ہونے لگی جن کا ابتک پتہ نہ چلا ہو۔ کسی شخص کے پاس الیڈ کے ایک نسخے کا ہونا ایک بڑا امتیاز سمجھا جاتا تھا خواہ وہ اس کے پڑھنے تک پر قادر نہ ہو۔ اس زمانے کے اہلِ علم (جنھیں علمائے قدامت کہتے تھے) صرف لاطینی ہی کو اس قابل سمجھتے تھے جو علمی اغراض کو پورا کر سکتی تھی۔ یہ حالت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ پٹرارک جس کی شہرت اس کی اطالوی زبان کی غزلوں کی وجہ سے قائم ہے، خود ان غزلوں کو اپنے لئے باعثِ عار سمجھتا تھا۔ اور توقع یہ رکھتا تھا کہ وہ اپنی لاطینی تحریروں کی وجہ سے ابدی شہرت حاصل کرسکیگا۔ مگر اس وقت اُن تحریروں کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

نشأۃ جدیدہ نے فنونِ لطیفہ میں اصلاح کی۔

یونانیوں اور رومیوں کے بنائے ہوئے مجسموں کے دریافت ہونے سے قدما کی دستکاریوں کی حُسن وخوبی کی طرف خیال مائل ہوا اور اسی زمانے سے فنون لطیفہ کے مطمحِ نظر میں ایک انقلاب پیدا ہوگیا۔ زہاد اور عبّاد روزے رکھتے رکھتے اور عالمِ آخرت کے تصور میں رہتے رہتے گھُل گھُل کر پوست و استخواں رہ جاتے تھے، ان کی تصویروں کو دیکھنے سے طبیعت میں انقباض سا ہو جاتا تھا۔ مگر اب مصوّر انہیں چھوڑ کر یونانی خیال کے موافق حُسن و لطافت کی تصویریں کھینچنے لگے تھے۔ شکیل مردوں اور حسین عورتوں کی تصویریں اس طرح دکھائی جاتی تھیں کہ وہ اِس دنیا کے عیش و طرب میں مشغول ہیں۔ خیالات اس قدر پلٹا کھا گئے تھے کہ ازمنۂ وسطیٰ کی ہر چیز سے نفرت ہوگئی تھی اور قدیم زمانے کی ہر شئے قابلِ قدر و قابلِ تقلید سمجھی جانے لگی تھی۔

نشأۃ جدیدہ نے عالمِ فطرت کے تصور کو بدل دیا۔

ازمنۂ وسطیٰ کے لوگوں کو عالمِ فطرت کے حُسن وخوبی کا کچھ احساس نہیں تھا، وہ اس عالمِ کائنات ہی کو بُرا سمجھتے تھے یہ عقیدہ ضرور تھا کہ خدا نے دنیا کو پیدا کیا ہے اور اسے بہت اچھا بنایا ہے مگر انسان کی لغزش کی وجہ سے تمام عالمِ کائنات خراب ہوگیا ہے۔ اور اب اس دنیا کا حکمراں شیطان ہے۔ اِس خیال کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص نہ تو عالمِ فطرت کا مطالعہ کرتا اور نہ اس کی قدر جانتا تھا، جس شئے کو ہم علمِ طبیعیات کہتے ہیں

ان کا مطالعہ تو گویا سحر کا سیکھنا تھا اور اِس علم کو جس درجہ مذموم سمجھا جاتا تھا اِس کے لئے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ ان علوم کے مطالعہ کرنے والوں کی نسبت یہ یقین کر لیا جاتا تھا کہ وہ بھوت پلید سے تعلق رکھتے ہیں۔ پوپ سلوسٹر دوم ایک نہایت ذی علم شخص تھا اس کی نسبت یہ قصہ گڑھ لیا گیا تھا کہ پوپ بننے کے لئے اس نے اپنے کو شیطان کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ راجر بیکن اپنے تبحّر علمی اور تحقیقات کی وجہ سے جس طرح زندگی بھر پریشان رہا اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ علوم طبیعی کی بابت ازمنۂ وسطیٰ کا خیال کیا تھا۔ پٹرارک (۱۳۰۴ - ۱۳۷۴) کے حالات اس معاملے میں نہایت دلچسپ ہیں۔ اسے دنیا کی خوشنما چیزوں سے بالطبع مسرت ہوتی تھی۔ پہاڑی، وادی، سبزہ زار، گل و ریحان، وہ سب سے حظ حاصل کرتا تھا۔ شاید کئی صدیوں کے اندر وہ پہلا شخص تھا کہ جو محض سفر کے شوق اور بلندی پر سے نیچے کے منظر کے لطف حاصل کرنے کے لئے کسی پہاڑ پر چڑھا ہو۔ ۱۳۳۵ء میں وہ اسی شوق میں فرانس کے کوہِ ونٹاکس کی بلندی تک چلا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ازمنۂ وسطیٰ کی غلامی سے انسان کی رہائی کا آغاز بہت اچھی طرح ہو گیا تھا اور عالمِ فطرت کی الفت اور اس کی دلپذیریوں کی رغبت جب ایک بار پیدا ہو گئی تو پھر برابر ترقی ہی کرتی گئی۔

نشاۂ جدید نے انفرادیت کو

نشاۂ جدید کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس نے انفرادیت کے خیال کو بہت ترقی دی، اعاظمِ رجال

خیال کی پرورش کی۔

کی قدر و منزلت جیسی اس زمانے میں ہوئی ایسی شاید کسی اور زمانے میں نہ ہوئی ہوگی۔ لوگ شہرت حاصل کرنیکے پیچھے جان دیدیتے تھے۔ ہر شخص کی تمنا یہ تھی کہ جس قدر معلومات حاصل ہوسکتے ہوں حاصل کرلے، جو کام بھی ممکن ہو اسے کرڈالے، ہر ایک میدانِ سعی میں وہی گوئے سبقت لے جائے اور جہاں تک ہوسکے اپنی جدت طرازی سے اپنے کو ایسا بنائے کہ سب کی نگاہیں اسی پر پڑیں۔ پرونلسکو، مائکل اینگیلو، اور ڈاونسی علم و عمل کے مختلف شعبوں میں شہرۂ آفاق ہیں، مگر یہ امتیاز صرف انہیں چند افراد تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس زمانے کے خیال کے مطابق جامع الحیثیات یا مکمل افراد کے یہ صرف چند نمونے ہیں۔

نشاۂ جدیدہ ایک نئی معاشرتی زندگی پیدا کردیتا ہے۔

ازمنۂ وسطیٰ میں جاگیرداروں کا قصر معاشرتی زندگی کا مرکز تھا، مگر شہروں کے نشو و نما اور نظامِ جاگیرات کے زوال سے ایک نئی شہری زندگی ہویدا ہوگئی۔ شہروں کی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی ربط ضبط کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوئیں۔ دعوتیں، جلسے، رقص و سرود کی محفلیں اور بہت سی تقریبات ایسی قائم ہوگئیں جو ابتک جاری ہیں، نشاۂ جدیدہ میں نظامِ معاشرت خود ایک فن لطیف بن گیا۔

نشاۂ جدیدہ نے اخلاق و مذہب میں بھی تغیر پیدا کردیا۔

اس قسم کے تغیرات کے ساتھ اگر اخلاقی و مذہبی اعمال و اعتقادات میں بھی تغیر رونما ہوجائے تو استعجاب کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ درحقیقت اس نشاۂ جدیدہ کے ساتھ ہی ساتھ کلیسا، اس کے دعاوی اور تعلیمات کے متعلق بڑی

بے پروائی پیدا ہوگئی۔ اکثر لوگوں کو کلیسا اور پادریوں کا مضحکہ اُڑانے میں بہت ہی لطف آتا تھا، لوگ مذہب کے قیود کو برطرف کرکے اور بظاہر حق و باطل کے تمام خیالات سے آزاد ہوکر نہایت شرمناک معائب اور بدکاریوں میں مبتلا ہوگئے اور اسی میں سرمست رہنے لگے۔ اطالیہ کے دورِ قدامت پسندی کا یہ نہایت ہی مہیب منظر تھا۔ کچھ دنوں تک یہ امید تھی کہ علمائے قدامت کلیسا میں اصلاح پیدا کر دینگے، ارسمس جو اس زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا اسے نئی تعلیم اور نئے علما سے بڑے ہی توقعات تھے مگر بہت جلد ظاہر ہوگیا کہ ایسے کاموں کے لئے جس اخلاقی صداقت کی ضرورت ہے وہ ان علماء میں بالکل مفقود ہے۔

نشأۃ جدیدہ کی تحریک تمام یورپ میں عام ہوگئی۔

نشأۃ جدیدہ کی ابتدا اگرچہ اطالیہ میں ہوئی تھی مگر وہ بہت جلد تمام یورپ میں پھیل گئی اور ہر جگہ اس سے وہی خرابیاں اور وہی خوبیاں ظاہر ہوئیں جو اس کے مولدِ اول میں ظاہر ہوئی تھیں۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں جرمنی، فرانس اور انگلستان پر اس کا اثر غالب رہا۔ جرمنی میں علمائے قدامت میں ایک گروہ تو عیاری و ہوسناکی میں پھنسا ہوا تھا مگر ایک دوسرا گروہ سنجیدگی سے کام کرنے اور تعلیمی و مذہبی اصلاح کے مسائل کے سلجھانے میں لگا ہوا تھا، فرانسس اول کا دربار نشأۃ جدیدہ کے اثر میں گھرا ہوا تھا، اور فرانس کے شہروں میں صدقِ دل سے کام کرنے والے اور لائق عالموں کے ایسے گروہ جمع ہوگئے تھے جن میں نئی تعلیم نے ایک علمی شوق و ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ انگلستان کا رچرڈ سوم جسے ہم اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نشأۃ جدیدہ

کے حکمرانوں کا ایک سچا نمونہ اور میکیولی کی تعلیمات کا عامل تھا۔ کالٹ، گروسن، لینیکر، مور اور ایرسمس کی تعلیمات نے آکسفورڈ کو انگلستان میں اس تحریک کا مرکز بنا دیا تھا۔ شیکسپیر کو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ اِس تحریک کا نچوڑ تھا۔

قوموں کی انفرادی حیثیت سے پوپ کے عالمگیر دعاوی کی مخالفت

چونکہ نشأۃ جدیدہ کا خاص الخاص وصف یہ تھا کہ ہر ایک قدیم شے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ اس وجہ سے کلیسا کی طرف سے روز افزوں بددلی اور پوپ کے دعاوی کی ترقی پذیر مخالفت کو اسی جانب منسوب کرنا چاہئے۔ لیکن خود منصب پوپ کی اس وقت جو حالت تھی اس کے سمجھنے کیلئے ضرور ہے کہ ہوہنسٹافن کی کشمکش کے بعد سے اِس کی تاریخ کو پھر بیان کیا جائے۔ شہنشاہی کے ساتھ اس کشمکش میں اگرچہ پوپ کو کامیابی حاصل ہو گئی تھی مگر اسے بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ اِس کی حالت سابق سے بدتر ہو گئی ہے، درحقیقت پوپ کی خود مختاری کو اب شہنشاہی سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا، مگر اس کی جگہ پر اب دوسرے قوی تر دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ شہنشاہی سے قطع نظر کر کے پوپ کے دوسرے ممالک میں بھی اب قومیت کا احساس بڑھتا جاتا تھا، وہ اپنی خود مختاری کے لئے بیچین تھے اور پوپ کے اقتدار کو اپنے معاملات میں ایک ناواجب مداخلت تصور کرتے اور ہر وقت اس کی مخالفت پر آمادہ رہتے تھے۔ اس قومی تفریق کا اثر کارڈنلوں کے گروہ پر بھی پڑ رہا تھا اور اب پوپ کے انتخاب میں یکجہتی و یک رائی دشوار ہو گئی تھی۔ اس وقت یورپ میں فرانس کی طاقت سب سے بڑھی ہوئی تھی اور شاہِ فرانس کو یہ فکر لاحق تھی کہ پوپ سے اپنے حسبِ مطلب

کام لے، پوپ کے لئے صورت حالات کو ناقابل برداشت بنانے کے لئے

شہر روما پوپ کے خلاف ہوگیا۔

ایک اور وجہ یہ پیدا ہوگئی کہ اہل روما کے دلوں میں خود مختاری کا خیال موجزن ہوگیا اور انہوں نے بارہا پوپ کے روما میں قیام کرنے کی مخالفت کی۔ انوسنٹ چہارم (۱۲۴۳-۱۲۵۴) نے اپنا زمانہ بہت کم روما میں گزارا۔ الگزنڈر چہارم (۱۲۵۲-۱۲۶۱) وہاں کبھی گیا ہی نہیں۔ کلیمنٹ چہارم (۱۲۶۵-۱۲۶۸) بروگیا میں رہا کرتا تھا۔ اطالیہ کا باقی تمام حصہ بھی تنہا پوپ کے قبضے میں نہیں تھا۔ فلورنس، وینس اور جنیوا کے سے بڑے بڑے شہر بہت بڑے حصۂ ملک پر آزادانہ قابض تھے، جنوبی اطالیہ فرانسیسیوں کے پاس تھا اور شمال کے کچھ حصے پر جرمن حاوی تھے۔ فرانسیسیوں کے خلاف اہل سسلی کے بغاوت کر دینے سے آراگان کے پیٹر سوم نے اس جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا اور اس طرح پوپ کے سیاسی مخالفوں میں ایک طاقت کا اور اضافہ ہوگیا تھا۔

۱۲۹۴ء میں اناگنی کا بندکٹس کیٹینس بہ لقب بانیفیس ہشتم پوپ منتخب ہوا اس نے اپنے دعاوی توسب سے بڑھا دیئے مگر اس کا اقتدار سب سے کمزور تھا، اس نے ایک مشہور فرمان یہ جاری کیا کہ طبقۂ مذہبی سے خارج کوئی شخص (یعنی سلطنت) کلیسا کی زمینوں سے کسی قسم کا محصول نہ لے اور پادریوں کو حکم دیدیا کہ وہ اس قسم کا محصول نہ ادا کریں اور بصورت خلاف ورزی خارج عن الملتہ کرنے کی دھمکی دی۔ چونکہ کلیسا کے قبضے میں بہت وسیع اور زرخیز زمینیں تھیں اگر اس حکم پر عمل کیا جاتا تو سلطنتوں کی آمدنی بہت گھٹ جاتی، اس لئے فلپ چہارم (شاہِ فرانس) نے اس کا

یہ جواب دیا کہ فرانس سے اطالیہ میں روپیہ لے جانے کی قطعی ممانعت کردی اور اس طرح پوپ کی آمدنی بند کردی۔ بانیفیس نے اب دیگر فلپ سے مصالحت کرنی چاہی اور کہا کہ فرانس میں اس حکم کے نافذ کرنے کا منشا نہیں تھا بلکہ فرانسیسی پادریوں کا تین برس کا عشر بھی فلپ کو دیدیا۔ لیکن پھر بہت جلد مناقشہ پیدا ہوگیا۔ فلپ اس بات پر جما ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح پوپ کو ذلیل اور اپنی قوت اور غلبے کو ثابت کرے۔ بانیفیس نے خاندان کالونا کے دو شخصوں کو روما سے نکال دیا تھا، فلپ نے نہ صرف انہیں اپنے دربار میں داخل کرلیا، بلکہ پوپ کے وکیل کو بھی گرفتار کرکے قید کرلیا۔ بانیفیس نے غصے میں آکر یکے بعد دیگرے فرمان بھیجنا شروع کئے اور ایک خاص فرمان (Unam Sanctum) اس مضمون کا شائع کیا گیا کہ پوپ کو دینی و دنیاوی دونوں اختیارات حاصل ہیں، اور جو شخص اس کی مخالفت کریگا وہ خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والا سمجھا جائیگا۔ دنیاوی معاملات میں پوپ کی فرماں پذیری کو نجات کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ بانیفیس نے فلپ کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر وہ باز نہ آئیگا تو اسے معزول کر دیا جائیگا۔ اور اس پر لعنت بھیجی جائیگی۔ فلپ نے اپنی مجلس شوریٰ کے دوسرے اجلاس میں بانیفیس پر بہت سے الزامات لگائے اور اس معاملے کے طے کرنے کے لئے ایک عام مجلس طلب کی۔ بانیفیس نے فلپ کو ملعون قرار دیکر اس کی معزولی کا فرمان صادر کر دیا۔ مگر نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ایک ہی مہینے کے بعد بادشاہ کے سفیر ولیم (نوگیرٹ) اور خاندان کالونا کے لوگوں نے پوپ کو اناگنی میں محصور کرلیا اور اس سے اہانت و بدسلوکی سے پیش آئے۔

مگر چند روز بعد وہ رہا کر دیا گیا۔ دوسرے ہی مہینے اس کا انتقال ہو گیا اور غالباً انہیں اہانتوں کے رنج و غصے نے اس کی جان لی۔

سنہ ۱۳۰۰ء کا جشن

بانیفیس ہی وہ شخص تھا جس نے سنہ ۱۳۰۰ء کا جشن منایا تھا، اور اسی واقعہ نے اس زمانے کے لوگوں کے جذبات و خیالات کو بہت اُبھار دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تقریب کے موقع پر بانیفیس نے اپنے دلی خیالات کا اظہار کر دیا۔ وہ اس شان سے شہنشاہی تخت پر زینت افروز ہوا کہ اس کے سر پر تاج، کمر میں تلوار کا ہاتھ میں عصا تھا، اور اس نے چلا کر یہ کہا کہ "میں ہی قیصر ہوں، میں ہی شہنشاہ ہوں"

یورپ میں فرانس کا غلبہ

بانیفیس کے جانشین بنڈکٹ (۱۳۰۳ – ۱۳۰۴) پر فلپ چہارم نے اتنا دباؤ ڈالا کہ آخر اس نے مجبور ہو کر جہاں تک فرانس کا تعلق تھا بانیفیس کے دعاوی واپس لے لیا۔ بنڈکٹ کے انتقال کے ایک برس بعد تک کارڈنل کسی امیدوار کی نسبت اتفاق رائے نہ کر سکے، آخر الامر شاہِ فرانس کی ریشہ دوانیوں سے فرانسیسی فریق نے اسقف بارڈیو کو پوپ منتخب کر دیا، اس سے اور فلپ سے پہلے ہی خفیہ سازباز ہو چکی تھی۔ اس نے کلیمنٹ پنجم (۱۳۰۴-۱۳۱۴) کا لقب اختیار کیا اور سنہ ۱۳۰۹ء میں فلپ کے حسب مرضی اپنا کل دربار اوگنان کو منتقل کر دیا۔ روما میں رہنا بھی اب خالی از خطر نہیں تھا، امرا کے خاندان برابر سڑکوں پر فسادات برپا کرتے رہتے تھے اور چونکہ جرمن شہنشاہوں کی طاقت کمزور ہو چکی تھی اس لئے کوئی امن و انتظام کا قائم رکھنے والا بھی نہیں تھا۔ لیکن پوپ کے

دربار کا اوگنان کو منتقل ہو جانا بہت بُرا ہوا وہاں جاکر پوپ بالکل ہی شاہِ فرانس کے اثر میں آ گئے۔ فلپ نے کلیمنٹ پر دباؤ ڈالنے کے لئے بہت سی عیارانہ و موثر تدبیریں اختیار کیں یہاں تک کہ اس بدنصیب پوپ کو اپنی مرضی کے خلاف مجبور ہو کر "نائٹ ٹمپلر" کے طبقے کے تباہ کر دینے میں بادشاہ کی امداد کرنی پڑی۔

جان بست و دوم و شہنشاہ لڈوگ

بنڈکٹ کے جانشین جان بست و دوم کو اپنا بہت زیادہ وقت منصب شہنشاہی اور معاملات اطالیہ کے متعلق لڈوگ (شاہ بویریا ۱۳۱۴ - ۴۷ ۱۳) کے ساتھ کشمکش میں صرف کرنا پڑا۔ اس پرخاش کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ایک نیا نظریۂ سلطنت ظہور پذیر ہوا، جسے پیروان فرانسس کے ایک فرقے نے شائع کیا تھا۔ اُنھوں نے یہ خیال پیش کیا کہ قوم ہی "صاحبِ اقتدار اعلیٰ" ہے۔ لفظ "کلیسا" کا مفہوم یہ لیا گیا کہ اِس میں حضرت عیسیٰ پر یقین رکھنے والے تمام لوگ شامل ہیں اور رومن کیتھولک عقیدے کے موافق صرف "پادریوں" ہی پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ عام لوگ بھی طبقۂ مذہبی میں داخل ہیں اور حکومت مذہبی میں انھیں بھی شریک کرنا چاہئے۔ اعلیٰ ترین اقتدار ایک "مجلس عام" کو تفویض ہونا چاہئے۔ منصب پاپا کے بانی رسولان عیسائی نہیں ہیں بلکہ یہ منصب کانسٹنٹائن کے وقت سے پیدا ہوا ہے۔ پس پوپ کو بادشاہوں پر کوئی اقتدار نہیں ہے

؎ یہ ایک فوجی جماعت تھی جو بطور خود قائم تھی اور اس نے اپنا یہ کام قرار دیا تھا کہ ارض مقدس کو جانے والے زائروں کی حفاظت کرے۔

اور سلطنتیں اس کے اثر سے بالکل آزاد ہیں۔ پیروان فرانسس جب بالاعلان اس قسم کا عقیدہ مخالف شائع کر رہے تھے تو لڈوگ ان کی حفاظت کرتا تھا اور وہ لڈوگ کو اس کی جدوجہد میں مدد دیتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اور لکھنے والے بھی تھے جو پوپ کی فوقیت کے قطعی اصول کی حمایت کر رہے اور اسے ترقی دے رہے تھے۔

پاپاؤں کا قیام جتنے زمانے تک اوگنان میں رہا اس زمانے تک ان کے دربار کے تمام اخراجات منضبط ہو گئے تھے اور وہ کثیر مقدار میں روپیہ جمع کرنے کے لئے ہر طرح پر کوشش کر رہے تھے۔ ان کے قیام اوگنان کے اس زمانے کو کلیسا کی تاریخ لکھنے والے بالعموم "بابل کی جلاوطنی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تفرقۂ عظمیٰ ۱۳۷۸ء میں منصب پوپ کے بابت تفرقے کی ابتدا ہوئی ہے۔ گریگوری یازدہم ۱۳۷۷ء میں قطعی طور پر اپنا دربار روما میں واپس لے گیا مگر دوسرے ہی سال اس کا انتقال ہو گیا۔ اربن ششم نے (۱۳۷۸ - ۱۳۸۹) جس کا انتخاب روما میں ہوا تھا اپنے سخت برتاؤ سے ان کارڈنلوں کو برگشتہ کر دیا جو شاہ فرانس کے اثر میں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس سے منحرف ہو کر اس کے انتخاب کو ناجائز قرار دیدیا۔ اور کلیمنٹ ہفتم (۱۳۷۸ - ۱۳۹۴) کا انتخاب کر لیا۔ کلیمنٹ بہت جلد اوگنان میں چلا گیا اور وہاں اس نے پوپ کا سلسلہ قائم رکھا۔ ادھر روما میں اربن ششم اپنی جگہ پر جما رہا۔ پس اب دو شخص منصب پوپ کے دعویدار ہو گئے۔ جرمنی، انگلستان، ڈنمارک، سویڈن، اور پولینڈ نے اربن کی جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اور فرانس، اسکاٹلینڈ،

لورین، کیسٹائل، اور آراگان، کلیمنٹ ہفتم کے ساتھ رہے۔ تقریباً بیس برس تک پوپ کے دو سلسلے قائم رہے اور اہلِ مذہب حیران تھے کہ کس کی تبعیت کریں۔ اس تفرقے سے خود منصب پوپ کے متعلق نہایت سخت اعتراضات کے وجوہ پیدا ہوگئے اور وکلف وہس کے سے لوگوں کو موقع مل گیا کہ وہ کلیسا کے مسلّمات کے خلاف خیالات شائع کریں۔

انعقادِ مجلس کی رائے۔ چونکہ دونوں پاپاؤں میں سے کوئی بھی اپنے حق سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا، اور بغیر اس کے اس تفرقے کا ختم ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا اس لئے یہ خیال پیدا ہو چلا کہ اس مشکل کے حل کرنے کے لئے ایک ایسی مجلس طلب کی جائے جس میں بلا قید ہر شخص شریک ہو سکے۔ اس خیال کی تائید میں یہ کہا جاتا تھا کہ مذہب کے اوائل زمانے میں مجلس ہی کا اقتدار سب سے بالاتر ہوا کرتا تھا جسے اب پاپاؤں نے غصب کر لیا ہے، اس لئے "مجلس عامتہ" منعقد ہونی چاہئے اور اسے یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ صحیح پوپ کون ہے (کیونکہ مجلس ہی اس قسم کے فیصلے کی مجاز ہے) بہت بحث و مباحثے کے بعد کارڈنلوں نے مقام پیسا میں ایک مجلس ۱۴۰۹ء میں طلب کی۔ اس مجلس نے دونوں پاپاؤں کو معزول کر کے الگزنڈر پنجم کو پوپ منتخب کر دیا مگر معزول شدہ پاپاؤں نے مجلس کے اختیار کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اب دو کے بجائے تین پوپ ہوگئے اور حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ الگزنڈر پنجم نے اگرچہ یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک پوپ کے منصب اور اس کے متعلقہ اخراجات درست نہ ہو جائینگے اس وقت تک وہ اس مجلس کو برطرف نہیں کریگا مگر اس نے بہت جلد اس بنا پر اسے ملتوی کر دیا کہ اصلاح

کے کام کے شروع کرنے کے لئے کافی تیاری نہیں ہوئی ہے۔

کانسٹینس ۱۴۱۴

اس اصول کے پیدا ہونے کی وجہ سے کہ مجلس کو پوپ پر اختیار حاصل ہے اس زمانے کو "دور مجلس" کہتے ہیں۔ اس مجلس کی بنا پر دو اور مجلسیں منعقد ہوئیں ایک کانسٹینس میں اور دوسرے بیسل میں۔ کانسٹینس کی مجلس (منعقدہ ۱۴۱۴ء) میں تفرقے کا معاملہ پھر زیر بحث لایا گیا۔ ہر ایک کارڈنل نے پھر حلف اٹھائے کہ اگر اس کا انتخاب ہوا تو وہ کلیسا میں اصلاح ہو جانے تک "مجلس" کو برطرف نہ کریگا۔ تینوں پاپاؤں کو معزول کرنے کے بعد ۱۴۱۷ء میں مارٹن پنجم کا انتخاب ہوا۔ اس کے بعد مجلس اصلاحات کی کارروائی جاری کرنے کے لئے تیار ہوئی مگر جو لوگ سب سے زیادہ بددل اور سب سے زیادہ اصلاح کے طالب تھے وہی اس امر پر اتفاق نہ کر سکے کہ کیا تغیرات ہونا چاہیئے۔ اس اختلاف سے موقع پاکر پوپ نے بہت جلد مجلس کو برطرف کردیا۔

مجلس بیسل

بیسل کی مجلس (۱۴۳۱-۱۴۴۹) کا نفع صرف یہ ہوا کہ اصلاح طلب فریق کی کمزوریاں ظاہر ہوگئیں کیونکہ یہ مجلس ایک کام بھی مکمل نہ کر سکی۔ اس لئے یوجین چہارم (۱۴۳۱-۱۴۴۷) کے وقت سے بابویت کے ایک نئے دور کا آغاز سمجھنا چاہیئے "مجلسی خیال" کا زور جاتا رہا پوپ اطالیہ کی سیاسی جدوجہد میں پھنس گئے اور نشاۃ جدیدہ کے خیالات نے بھی ان کے دلوں میں گھر کرلیا۔ اس زمانے میں ان کی حیثیت دنیاوی حکمرانوں کی سی معلوم ہوگئی تھی وہ بڑی شان و شوکت سے رہتے، مستقل فوجیں رکھتے، اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کرتے اور یورپ نیز اطالیہ کے سیاسی و سفارتی معاملات میں بہت زور کے ساتھ شریک

ہوتے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کے جانشین کا اس طرح دنیاوی معاملات میں منہمک ہو جانا بہت سے پاک دل لوگوں کو سخت گراں گزرتا تھا، اور وہ یہ شکایت کرتے تھے کہ پاپاؤں کے دنیاوی معاملات میں پھنس جانے سے ان کے مذہبی فرائض میں کوتاہی ہونے لگی ہے، دنیاوی حکمرانی کی حیثیت سے پاپاؤں سے جو مخاصمت پیدا ہوئی اس نے ان کے مذہبی اقتدار کی طرف سے بھی مخالفت و سرتابی کا خیال پیدا کر دیا جس کے ساتھ ہی خود منصب پوپ کی اصلاح کا مطالبہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

نکولس پنجم

زمانہ نشاۃ جدیدہ کے حکمراں کی حیثیت سے پوپ صنعت و حرفت اور علوم و فنون کے بہت بڑے سرپرست بن گئے تھے نکولس پنجم (۱۴۴۷ - ۱۴۵۵) جو نشاۃ جدیدہ کا پہلا پوپ سمجھا جاتا ہے، عمارتوں کے بنوانے اور علوم کی سرپرستی کرنے میں بہت ہی سرگرم تھا، قلمی مسودات کا جو وسیع ذخیرہ اس نے جمع کیا تھا اسی سے ایوان پوپ کے کتب خانے کی ابتدا ہوئی۔ سرکشوں کی آخری شورش کو سنہ ۱۴۵۳ء میں نہایت سختی کے ساتھ دبا کر اس نے شہر (روما) پر پھر اپنا تسلط جما لیا۔ ننگ خاندان بورجیا الگزنڈر ششم (۱۴۹۲ - ۱۵۰۳)، اور جولیس دوم (۱۵۰۳ - ۱۵۱۳) چونکہ برابر جنگ و جدل میں مصروف رہے اس وجہ سے وہ جنگی پوپ کہلانے لگے تھے۔ لیو دہم (۱۵۱۳ - ۱۵۲۲) نے روما کو صنائع اور علم کا مرکز بنا دیا اور اس کا دور حکومت نشاۃ جدیدہ کے معراج کمال کے معاصر ہونے کی وجہ سے بہت ہی تابناک ہو گیا تھا۔ صرف ایک ریفل کی جس حد تک اس نے سرپرستی کی وہی اس کی شہرت و ناموری کے لئے کافی ہے۔ پوپ کے

دربار پوپ کے اخراجات۔

دربار میں ایک بہت بڑی تعداد معتمدوں، محرّروں اور خادموں اور ملازموں کی رہتی تھی، مستقل فوج قائم تھی، عالیشان عمارتیں بن رہی تھیں، نقش ونگار، مجسمے اور دوسرے پسندِ خاطر نفیس کاموں کا سلسلہ جاری تھا، قلمی مسودے اور کتابیں خریدی جارہی تھیں۔ اہل علم کا ایک گروہ کثیر دامنِ دولت سے وابستہ تھا، حکومت کے اخراجات بھی بڑھے ہوئے تھے کیونکہ تمام حکومتوں سے پوپ کے تعلقات قائم تھے، ان سب ضروریات کے لیئے ہر سال بے اندازہ رقم کی حاجت ہوتی تھی۔ پاپاؤں نے مختلف طریقوں اور مختلف ناموں سے ساری دنیا پر محصول لگا رکھا تھا اور روما کی طرف سونے چاندی کا سیلاب بہا چلا جارہا تھا۔ یہ بھی ایک بنائے شکایت ہوگئی تھی، جرمنی، فرانس اور انگلستان کے لوگ یہ سوال کرنے لگے تھے کہ پوپ کے اس سامانِ تعیش کے فراہم کرنے، اس کی فوج کو میدان جنگ میں قائم رکھنے اور اس کے صنعتی کاموں کے اخراجات کے ادا کرنے کے لیئے ہم لوگوں پر کیوں محصول لگایا جائے۔

بد دلی انحراف کی خبر دینے لگی۔

اس لیئے پندرھویں صدی کے آخر میں پاپائیت کی طرف سے ایک وسیع اور گہری بد دلی پیدا ہوگئی۔ چودھویں اور پندرھویں صدی میں مختلف اطراف وجوانب سے اصلاح کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ ایک مبصّر کو بہت سی علامتیں ایسی نظر آسکتی تھیں جن سے وہ قیاس قائم کرلیتا کہ ایک بہت ہی بڑا قومی ومذہبی خروج ہونے والا ہے جو ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔

تمت

صحت نامہ تاریخ یورپ

حصّۂ اوّل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳	۱۲	بہی	یہی	۹۹	۱۷	میکسن کامیابی	میکسن کی کامیابی
״	۱۰	اس کے	ان کے	۱۱۱	۱۰	پہنچے	پہنچے
״	۱۶	یورپ کا نقشہ	یورپ کے نقشے کا	۱۱۳	۱۶	انسلیم	اینسلم
۵	۱-۲	کلیسائے رومی x کلیسائے یونانی	کلیسائے رومی و کلیسائے یونانی	۱۱۵	۳	بکی	بہی
۹	۱	نظر کرنے،	نظر کر کے،	״	۲۱	ولیم کے	ولیم کے ہاتھ رہا
۱۱	۱۸	روئیت	رومیت	۱۱۷	۱۴	مظالم کرے	مظالم کرتے
۱۴	۱۸	مسیح	مسیحؑ	۱۲۱	۱۰	کے رابرٹ	رابرٹ کے
۱۶	۱۴	ہائیں	ہیں	۱۲۳	۲۰	اٹو	اٹو
۳۶	۱۱	سیلافی	سلافی	۱۲۴	۲۱	ارباب کلیسا خانقاہ	ارباب کلیسا و خانقاہ
۴۴	۱۲	متامل	متاہل	۱۲۴	۲۱	لہ	کہ
۷۰	۱۹	مشرق	مغرب	۱۳۳	۱۱	"مسیح"	"مسیحؑ"
۷۵	۱۵	پر گئے	پر گئے	۱۳۴	۱۱	عیسیٰ	عیسیٰؑ
۷۷	۱۹	سینٹ مری	سینٹ میری	۱۳۷	۱۴	اسقفیون	اسقفون
۹۹	۱۶	نہیں	نہیں ہوی	۱۴۸	۱۱	عہدہ حکومت	عہد حکومت
״	۱۷	اس کی	اس میں	۱۵۲	۶	دخارج البلد	خارج البلد

— اس صفحہ میں جابجا مسیحؑ کے نام کے ساتھ ضمیر و فعل واحد استعمال ہوا ہے، اسے جمع میں بدل دینا چاہیئے، اور نام پر (ؑ) کا نشان بنا دینا چاہیئے۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵۲	۹	مدابرت	رابرٹ	۲۳۲	۲۱	اب نہ ہوا	نہ ہوا
۱۵۴	۴	راجر دوم میں	راجر دوم نے	۲۴۳	۱۴	تمام اٹلی کا جنوبی حصہ	اٹلی کا تمام جنوبی حصہ
۱۵۷	۱۳	عہدہ	عہد	۲۴۱	۱	فلب	قلب
۱۶۰	۱۸	فقط	نفظ	۲۴۷	۱۸	حیلہ	حیلہ
۱۶۳	۹	ایسی	ایسے	۲۴۸	۲۱	دنیا امن	دنیا کے امن
۱۷۳	۳	مشغلہ	مشغلہ	۲۵۰	۱	حوارئیں	وہ حوارین
۱۷۷	۱۲	شہنشاہی کے	شہنشاہی کی	۲۵۱	۱۰	خیالات کا	خیالات کے
۱۸۰	۶	انطیوخ	انطاکیہ	"	۲۰	قوق	فوق
۱۸۱	۱۰	اگر	اکثر	۲۵۶	۳	سرحدیں	سرحد داریان
۱۸۳	۱۹	مرانکون	فرانکون	۲۵۸	۱۱	ملتبعین	متتبعین
۱۸۵	۱	حبونی فیس	یونی فیس	۲۶۵	۲۱	بسر نہیں کرتے تھے	بسر کرتے تھے
۱۸۶	۳	لاٹ پادی	لاٹ پادری	۲۶۶	۴	متبذل	مبتذل
۱۹۱	۱۸	انجام	انجام	۲۶۲	۱۸	یودینا	یودنیا
۱۹۳	۶	اصلاحات کے زمانہ سے (۱۰۴۶ء)	اصلاحات (۱۰۴۶ء) کے زمانے	"	۲۱	بالاخر	بالآخر
۲۰۲	۸	انتخاب	اپنا انتخاب	۲۷۳	۱۱-۱۲	شمالی آفریقہ کا کچھ حصہ	+
۲۰۶	۸	دیکھے	دیکھیے	"	۱۴	پیدا ہوگئے	پیدا ہوگئے تھے
۲۰۹	۷	دعوٰی	دعوے	"	۱۶	مدینہ کی	مدینے کے
۲۰۹	۱۴	حیلے	حملے	۲۷۴	۱۲	تمام	+
۲۱۱	۲	لوتھر سیکسی؟	لوتھر سیکسنی	"	۱۶	غیر	مغیر
۲۱۸	۸	آرنالڈ	آرناٹڈ	۲۷۸	۱۴	خانص	حامص

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۷۹	۸	انگور کی	انگور کے	۳۳۶	۱۹	بادشاہی	بادشاہی
؍	۱۷	مملکت	مملکت میں	۳۳۸	۳	معروف	معروف بہ
۲۸۲	۱۴	بیمنڈ	بوہمنڈ	۳۳۹	۲	طرف	طرف سے
۲۸۵	۱-۴	بیوہمنڈ	بوہمنڈ	۳۴۱	۱۱	جنگ میں	مابرٹ جنگ میں
۲۸۶	۲	بیوہمنڈ	بوہمنڈ	؍	۱۲-۱۳	کیوریایجس	کیوریایجس
۲۸۹	۱۲	طاقت	طلاقت	۳۵۵	۷	ان دونوں	ان دنون
۲۹۳	۱۶	ڈماٹیا	ڈمائیٹا	۳۵۶	۱۴	ہوتا تھا	ہوناتھا
۲۹۶	۴	نائبون	نائٹون	۳۶۴	۱۴-۱۵	نشأۃ جدید	نشأۃ جدیدہ
؍	۱۸	کبھی	بھی	۳۶۵	۴	ٹوک	ٹوک
۳۰۱	۳۱	تھیں	ہیں	۳۶۸	۹	اسکارور	اس کا زور
۳۰۵	۱۷	ایک	+	۳۶۹	۱۰	لکسیمبرگ	لکسمبرگ
۳۰۹	۱۷	اطراقی یا اعیانی	اتراقی یا اعیانی	؍	۱۴	پپا	پپا
۳۱۱	۸	ہدف	ہدف	۳۷۰	۱۵	انتخاب کنندہ	انتخاب کنندے
؍	۹	ہوتاتھا	ہوناتھا	۳۷۱	۴	اسے	اسنے
۳۱۳	۱۴	تجدید	تحدید	؍	۵	کنندوں	کنندوں
۳۱۴	۵	متبع	متتبع	۳۷۲	۱۸	لیوپو	لیوپولڈ
۳۱۶	۱۹	اپنے	+	۳۷۳	۸	بہاسک	یہانسک
۳۱۸	۹	ڈول	دول	۳۷۸	۴	اراگوں	اراگان
۳۲۸	۱۸	دیانت داری	دیانت داری سے	۳۸۰	۲۱	شمالیوں کی	شمالیوں کے
۳۳۳	۱۹	ٹائٹس ٹمپلر	نائٹس ٹمپلر	۳۸۴	۵	سلجوق	سلجوقی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸۴	۱۳	اسلام	اسلام کا	۴۰۳	۱	فرانسس	فرانسس
۳۸۶	۱۰	پرنرڈ	برنرڈ	۴۰۳	۱۵	پپ ا	پیپیا
۔۔	۱۵	شوبلری"	شوبلیری	۴۰۴	۱۶	بابویت	پاپویت (پاپائیت)
۳۸۹	۷	تھی	تھے	۔۔	۱۹	ہوگئی تھی	ہوتی تھی
۳۹۴	۹	ازمعہ	ازمنہ	۴۰۵	۲۰	تاییناک	تابناک
۴۰۰	۱۳	لیا	لیئے	۴۰۶	۱۴	بابویت	پاپائیت

تمت

یورپ
۳۵۰ء
شہنشاہی روما و اقوام غیر متمدنہ
اسکینڈے نیویا
بحر جرمانی
برطانیہ
لنڈن
بحر اوقیانوس
بحر قنطابری
سیکسن
لمبارڈ
برگنڈین
فرینک
ونڈال
مغربی گاتھ
دریائے ڈینوب
بحر اسود
ہن
دریائے ڈون
پینونیا
ناریکم
ہسپانیہ
جزائر بیلیر
سارڈینیا
کارسیکا
مقدونیہ
قسطنطنیہ
تھریس
پانٹس
گلیشیا
ایشیائے کوچک
سلیشیا
پمفیلیا
سائپرس
کریٹ
بحر روم
جروشلم
عرب
مصر
سرائنکا
مارمریکا
نیومیڈیا
مارٹینیا
گیٹیو
لیبیا
افریقہ
شام

جرمانی بادشاہتیں
جو
رومانی سرزمین پر قائم ہوئیں
بحر شمالی
بحر بالٹک
برطانیہ
بحر اوقیانوس
بادشاہت فرینک
پیرس
برطانیہ
الامینی
سیکسن
سلافی
دریائے ڈینیوب
لمبارڈ
برگنڈین
جینوا
سیوی (۴۱۵-۵۸۵)
گاتھ
کارڈوبا
کارسیکا (ونڈل)
سارڈینیا (ونڈل)
ٹارنٹو
سسلی
بحر متوسط
یا
بحر روم
ونڈل (۴۲۹-۵۳۴)
قسطنطنیہ
اسود

بادشاہت خاندان کلووس
اور انکے فتوحات
بحر شمالی
برطانیہ
فریزن
سیکسن
رود بار انگلستان
آسٹر
فلڈا
کولون
بون
ٹریوز
سوئزن
ریمز
پیرس
نیوسٹر
بریٹینی
نینٹس
ٹورز
پوئٹیرس
خلیج بسکے
اکوئٹین
(۵۰۷-۵۱۱)
برگنڈی
(۵۳۴)
جینیوا
لائن
وین
ویلنس
لامنی
(۴۹۶)
اسٹراسبرگ
خلیج کانسٹینس
بویریا
(۵۵۵)
ٹرینٹ
ملان
وینس
ویسکونیا
(۵۶۷)
سپٹمانیا
سلطنت مغربی گاتھ
پراونس
(۵۳۶)
بحر روم یا بحر متوسط

انگلستان
۸۷۸ء
مقبوضات الفرڈ اعظم
ڈینز اور شمالی اقوام
کلٹی اقوام
بحر شمالی
خور فورتھ
دریائے ٹائن
دریائے ٹیز
نارتھمبریا
جزیرہ مین
بحر آئرلینڈ
دریائے ہمبر
بادشاہت
دریائے ٹیمز
لندن
کنٹ
ویسکس
رودبار انگلستان

ہنگری
ڈینوب
بلغاریہ
بحر اسود
جارجیا
قسطنطنیہ
کیلڈیا
مملکت سلجوق
قونیہ
دانشمند
قیصریہ
آرمینیا
ایڈیسا
حلب
انطاکیہ
تھسلی
تھسالونیکا
سائپرس
طرابلس
بیروت
دمشق
عکہ
قیصریہ
اسکندریہ
مصر
قاہرہ
بحر روم یا بحر متوسط
آفریقہ
جنگ صلیبی
جنگ صلیبی اول سنہ ۱۰۹۶ سنہ ۱۰۹۹
جنگ صلیبی دوم سنہ ۱۱۴۷ سنہ ۱۱۴۹ لیوس ہفتم کانریڈ سوم
جنگ صلیبی سوم سنہ ۱۱۸۹ سنہ ۱۱۹۰ فریڈرک اول
" " سنہ ۱۱۹۰ سنہ ۱۱۹۱ رچرڈ و فلپ آگسٹس